روشن حقائق

(اور اختلافِ امت)



اگر ایک ایک شیعہ کتاب کو دریا برد کر
دیا جائے تب بھی اکابرین اہلسنت کی صحیح و
معتبر کتب سے شیعہ مذہب کے واحد
حق ہونے کو ثابت کر دیا گیا ہے ،
کچھ نہیں تو خاموش عمارتیں ، ویران
قبرستان اپنی زبان میں ان واقعات
کو بیان کر رہے ہیں !!!

شیعت کا انسائکلو پیڈیا

تالیف: سید ابن شہیدؒ

ناشر: مرکز مہدی 14 خورجہ بلند شہر انڈیا 0001412
www.shia-faqt.haq.org

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان





۷۸۶

۱۱۰_۹۲

یا صاحب الزماںؑ ادرکنی

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری۔

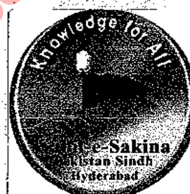
www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL

روشن حقائق

(اور اختلافِ امت)



جلد 4

تالیف: سید ابنِ شہیدؒ

ناشر مرکز مہدی 14 خورجہ بلند شہر انڈیا 0001412

تحریف القران

کے معتقد کون؟؟

عدم تحریف القرآن

شیعوں کے خلاف ہونے والے جھوٹے پروپگنڈے کے برعکس ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ آج قرآن مجید ہمارے اور تمام مسلمانوں کے پاس ہے یہ بالکل وہی قرآن مجید ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اور اس میں حتی ایک لفظ کی بھی کمی وزیادتی نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کو اپنی تفسیر، اصول فقہ وغیرہ کی متعدد کتب میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور عقلی و نقلی ادلہ کے ذریعہ اسے ثابت کیا ہے۔ ہم قائل ہیں کہ تمام مسلمان علماء از شیعہ وسنی کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا ہے اور دونوں مذہب کے محققین کی اکثریت جو اتفاق کے قریب ہے اس بات کی قائل ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی بھی واقع نہیں ہوئی ہے۔ دونوں طرف کے چند گنے چنے افراد اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن مجید میں کمی واقع ہوئی ہے جبکہ مشہور علماء اسلام ان کی اس بات کی طرفدار نہیں ہیں۔

فریقین کی دو کتابیں بابت تحریف القرآن

ان گنتی کے چند علماء میں سے ایک اہل سنت عالم دین "ابن الخطیب مصری" ہیں جنہوں نے

"الفرقان فی تحریف القرآن" نامی کتاب لکھی جو ۱۹۴۸ عیسوی بمطابق (۱۳۶۷ ہجری قمری) میں شائع ہوئی۔ لیکن بروقت جامعۃ الازہر یونیورسٹی کے علماء اس کتاب کی طرف متوجہ ہوگئے اور انہوں نے، اس کتاب کے نسخوں کو جمع کر کے ضائع کر دیا لیکن اس کے چند نسخے غیر قانونی طور پر آس پاس کے لوگوں تک پہنچ گئے۔ اسی طرح کتاب (فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب) کے نام سے شیعہ مولف حاجی نوری کے توسط سے لکھی گئی جو ۱۲۹۱ ہجری قمری میں شائع ہوئی۔ اگرچہ حاجی نوری طبرسی تائب ہو کر دنیا سے گئے لیکن اس کتاب کی اشاعت وعلماء شیعہ کے ابطال کا غم اتنا شدید تھا کہ بیمار ہوگئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے (حالات نوری طبرسی از مولف) اس کتاب کے شائع ہوتے ہی حوزہ علمیہ نجف اشرف کے بزرگ علماء نے اس کتاب کے مطالب سے اظہار برائت کیا اور اس کتاب کی جمع آوری کا حکم دیدیا۔ اور اس کے بعد کئی کتابیں اس کے رد میں لکھی گئیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

ا۔ نامور فقیہ مرحوم محمد بن ابی القاسم المعروف بہ معرب طہرانی (متوفی سال ۱۳۱۳ھ۔ق) نے (کشف الارتیاب فی عدم تحریف الکتاب) نامی کتاب لکھی جو کتاب فصل الخطاب کا رد تھا۔

۲۔ مرحوم علامہ سید محمد حسین شہرستانی (متوفی ۱۳۱۵ھ۔ق) نے بھی ایک کتاب بنام (حفظ الکتاب الشریف عن شبھۃ القول بالتحریف) حاجی نوری کی کتاب فصل الخطاب کے جواب میں لکھی ہے۔

۳۔ مرحوم علامہ بلاغی (متوفی ۱۳۵۲ھ۔ق) حوزہ علمیہ نجف کے عظیم محقق نے بھی اپنی مشہور کتاب (تفسیر آلاء الرحمٰن) میں ایک قابل ملاحظہ باب، فصل الخطاب کے رد میں لکھا ہے۔

(آلاء الرحمٰن، جلد ۱ ص ۲۵)

۴۔ شیعہ محققین نے مولفین کی جمع شدہ احادیث کی رد میں اور عدم تحریف قرآن مجید کے بارے میں انتہائی مفصل بحث کی ہے اور فصل الخطاب کے شبہات کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

مرحوم حاجی نوری اگرچہ عالم دین تھے لیکن بقول علامہ بلاغی انہوں نے ضعیف روایات پر اعتماد کیا

ہے اور مذکورہ کتاب شائع ہونے کے بعد خود بھی نادم و پشیمان ہوئے۔ اور حوزہ علمیہ نجف اشرف کے تمام بزرگ علماء نے اس اقدام کو واضح طور پر ایک غلطی قرار دیا۔ (آلاء الرحمٰن، جلد ۲ص ۳۱۱)

اور دلچسپ بات یہ ہے کہ کتاب فصل الخطاب کے شائع ہونے کے بعد ہر طرف سے حاجی نوری کی مخالفت کا ایسا عظیم طوفان اٹھا کہ وہ خود اپنے دفاع میں ایک رسالہ لکھنے پر مجبور ہو گئے جس میں انہوں نے لکھا کہ میری مراد عدم تحریف قرآن مجید تھی لوگوں نے میری تعبیرات سے سوء استفادہ کیا ہے۔ (الذریعہ، جلد ۱۹ص ۲۳۱) مرحوم علامہ سید ھبۃ الدین شہرستانی کہتے ہیں کہ میں اس وقت سامرا میں تھا اور میرزا شیرازی بزرگ نے اس وقت سامرا کو علم و دانش کا مرکز بنا دیا تھا۔ جس محفل میں بھی ہم جاتے ہر طرف سے حاجی نوری اور اُن کی کتاب کے خلاف صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ اور بعض لوگ تو انتہائی نازیبا الفاظ کے ساتھ انکو یاد کرتے تھے۔ (زبان روشن، ص ۱۴۳) کیا اتنی مخالفت کے باوجود بھی حاجی نوری کی باتوں کو شیعہ عقیدہ شمار کرنا چاہیے؟ بعض متعصب وہابی اس کتاب (فصل الخطاب) کو بہانہ بنا کر تحریف قرآن کے نظریہ کو شیعوں کی طرف نسبت دیتے ہیں حالانکہ:

۱۔ ایک کتاب کی تالیف اس مسئلہ میں شیعہ عقیدہ پر دلیل بن سکتی ہے تو پھر اس تحریف قرآن والے نظریہ کو علمائے اہل سنت کی طرف بھی نسبت دینی چاہیے کیونکہ ابن الخطیب مصری نے بھی (الفرقان فی تفسیر القرآن) نامی کتاب لکھی تھی اور اگر جامعۃ الازہر کے علماء کی تردید اس کتاب کے مطالب کی نفی پر دلیل بن سکتی ہے تو علمائے نجف اشرف کا اظہار برائت بھی فصل الخطاب کے مفاہیم کی نفی پر دلیل بن سکتا ہے۔

۲۔ اہل سنت کی دو مشہور تفاسیر، تفسیر قرطبی، اور تفسیر در منثور میں حضرت عائشہ (زوجہ رسولؐ)

سے نقل کیا گیا ہے کہ:(و انھا۔ ای سورۃ الاحزاب (۱۱) کانت ماتی آیۃ فلم یبق منھا الاثلاث و سبعین)(تفسیر قرطبی، جلد۴ص ۱۱۳ اور تفسیر الدر منثور، جلد۵ ص ۱۸۰) سورۃ الاحزاب کی ۲۰۰ آیات تھیں اور اب ۷۳ سے زیادہ باقی نہیں بچی ہیں! اس سے بڑھ کر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ایسی روایات نظر آتی ہیں جن سے تحریف کی بو آتی ہے۔ (صحیح بخاری، جلد ۸ ص ۲۰۸ تا ۲۱۱ و صحیح مسلم، جلد ۴، ص ۱۶۷ و جلد ۵، ص ۱۱۶)۔لیکن ہم ہرگز کسی ایک مصنف یا چند ضعیف روایات کی وجہ سے تحریف والے قول کو اہل سنت کی طرف نسبت نہیں دیتے ہیں۔اسی طرح انہیں بھی کسی ایک مصنف یا چند ضعیف روایات کی وجہ سے کہ جنکا جمہور علمائے شیعہ نے انکار کیا ہے، اس قول کی تحریف کو شیعوں کی طرف نسبت نہیں دینی چاہیے۔

۳۔حاجی نوری کتاب فصل الخطاب میں عام طور پر ان تین راویوں سے احادیث لی گئی ہیں کہ جو یا تو فاسد المذہب، یا کذاب اور جھوٹے یا مجہول الحال ہیں۔ (احمد ابن محمد السیاری، فاسد المذہب، علی ابن احمد کوفی، کذاب، اور ابی الجارود مجہول یا مردود) (ان تین راویوں کے مزید حالات کے لیے رجال نجاشی، فہرست شیخ اور دیگر رجال کتب کی طرف رجوع کیا جائے)۔

خدارا فرقہ وارانہ دشمنی کی خاطر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا نہ کیا جائے

۴۔جن لوگوں کا اصرار ہے کہ مذہب شیعہ کو تحریف قرآن کے عقیدہ سے متہم کیا جائے، گویا وہ اس بات کی طرف متوجہ نہیں ہیں کہ فرقہ وارانہ فساد کی خاطر وہ اسلام کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ کیونکہ

غیر مسلم لوگ کہیں گے عدم تحریف کا عقیدہ مسلمانوں کے درمیان مسلم اور متفقہ عقیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ ایک عظیم گروہ تحریف قرآن کا قائل ہے۔ ہم ان بھائیوں کو نصحت کرتے ہیں کہ فرقہ واریت اور تعصب آمیز دشمنی کی خاطر قلب اسلام یعنی قرآن مجید کو نشانہ نہ بنائیں۔ آیئے اسلام اور قرآن پر رحم کیجیے اور بے جا تحریف کی باتوں کو اُچھال کر دشمن کو موقع فراہم نہ کیجیے۔

۵۔ ہمارے بہت سے قاری، انٹرنیشنل مقابلہ قرآئت میں اول نمبر پر آئے ہیں۔ ہمارے حافظ، بالخصوص ہمارے کمسن حفاظ نے بہت سے اسلامی ممالک میں تعجب خیز اور قابل تحسین قرآنی منظر پیش کیئے ہیں۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں ہمارے حفاظ اور قاریوں میں اضافہ ہوتا۔ ہمارے وسیع و عریض ملک میں جگہ جگہ حفظ و تفسیر قرآن کی کلاسیں اور علوم قرآن کے کالج و یونیورسٹیاں موجود ہیں۔ ان تمام چیزوں کا اثبات، نزدیک سے مشاہدہ کے ذریعہ تمام لوگوں کے لئے آسان ہے۔ ان تمام مواد میں صرف اسی قرآن مجید سے استفادہ کیا جاتا ہے جو تمام مسلمان ممالک میں مقصد اول ہے اور ہمارا کوئی بھی باشندہ اس معروف قرآن کے علاوہ کسی دوسرے قرآن کو نہیں پہچانتا ہے۔ اور ہمارے ہاں کسی بھی مجلس یا محفل میں تحریف قرآن کی بات نہیں کی جاتی ہے۔

عدم تحریف

پر عقلی اور نقلی دلیلیں

۶۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق بہت سے عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں جو قرآن مجید کی عدم تحریف پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ ایک تو خود قرآن مجید فرماتا ہے: (ق ۹۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ہ) ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا اور اس کی حفاظت بھی ہمارے ذمہ

ہے(سورۃ حجر آیت ۹) ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (سورۃ فصلت آیت ۴۱و۴۲)۔

"یہ کتاب شکست ناپذیر ہے۔اس میں باطل اصلا سرایت نہیں کرسکتا ہے نہ سامنے سے اور نہ پیچھے کی طرف سے کیونکہ یہ حکیم خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے"

کیا اس قسم کی کتاب جسکی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہو اس میں کوئی تحریف کرسکتا ہے؟ اور ویسے بھی قرآن مجید کوئی متروک اور بھلائی گئی کتاب نہیں تھی کہ کوئی اس میں کمی یا زیادتی کرسکے۔کاتبان وحی کی تعداد چودہ سے لیکر تقریباً چار سو(۴۰۰) تک نقل کی گئی ہے۔جیسے ہی کوئی آیت نازل ہوتی یہ افراد فوراً اسے لکھ لیتے تھے۔علاوہ بریں سینکڑوں حافظ قرآن پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں تھے جو آیت کے نازل ہوتے ہی اس کو حفظ کرلیتے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا اس زمانے میں انکی سب سے اہم عبادت شمار ہوتی تھی۔اور دن رات قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی تھی۔اس سے بڑھ کر قرآن مجید، اسلام کا بنیادی قانون اور مسلمانوں کی زندگی کا آئین واصول تھا اور زندگی کے ہر شعبے میں قرآن مجید حاضر و موجود تھا۔

عقل یہ حکم لگاتی ہے کہ ایسی کتاب میں تحریف اور کسی کمی اور زیادتی کا امکان نہیں ہے۔آئمہ معصومین علیہ السلام سے جو روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ بھی قرآن مجید کی عدم تحریف اور تمامیت پر تاکید کرتی ہیں۔

امیر المومنین علیؑ، نہج البلاغہ میں واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

(انزل علیکم الکتاب تبیانا لکل شی و عمر فیکم نبیه ازمانا حتی اکمل له ولکم فیما انزل من کتاب، دینه الذی رضی لنفسه) (نہج البلاغہ خطبہ ۸۶)

(اللہ تعالیٰ نے ایسا قرآن مجید نازل کیا جو ہر شے کو بیان کرتا ہے پھر اس نے اپنے پیغمبر کو اتنی عمر فرمائی کہ وہ اپنے دین کو تمہارے لیے قرآن مجید کے وسیلہ سے کامل کر دیں)۔

نہج البلاغہ کے خطبوں میں بہت سے مقامات پر قرآن مجید کا تذکرہ ہوا ہے لیکن کہیں بھی قرآن مجید کی تحریف سے متعلق ذرہ برابر اشارہ نہیں ملتا بلکہ قرآن مجید کے کامل ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔

نویں امام حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنے ایک صحابی کو لوگوں کے حق سے منحرف ہو جانے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

(وہ کان من نبذهم الکتاب ان اقاموا حروفه و حرفوا حدوده) (کافی، جلد ۸ ص ۵۳)

(بعض لوگوں نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا ہے، وہ اس طرح کہ اس کے الفاظ کو انہوں نے حفظ کر لیا ہے اور اس کے مفاہیم میں تحریف کی ہے۔

یہ اور اسکی مانند دیگر احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ اس کے معانی میں تحریف ہوئی ہے۔ بعض لوگ اپنی خواہشات اور ذاتی منافع کی خاطر آیات کی خلاف واقع تفسیر و توجیہ کرتے ہیں۔ یہاں سے ایک اہم نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بعض

روایات میں تحریف کی بات ہوئی بھی ہے تو اس سے تحریف معنوی اور تفسیر بالرائی مراد ہے ہرگز الفاظ و عبارات کی تحریف نہیں۔

دوسری طرف سے بہت ہی معتبر روایات جو ائمہ معصومین علیہ السلام سے ہم تک پہنچی ہیں میں بیان کیا گیا ہے کہ روایات کے صحیح و غیر صحیح ہونے کی تشخیص کے لئے بالخصوص جب انکے درمیان ظاہراً تضاد و اختلاف پایا جا رہا ہو تو معیار، قرآن مجید کے ساتھ تطبیق دینا ہے۔ جو حدیث قرآن مجید کے مطابق ہو وہ صحیح ہے اس پر عمل کیا جائے اور جو حدیث قرآن مجید کے خلاف ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔

(اعرضوا هما علی کتاب الله فما وافق کتاب الله فخذوه وما خالف کتاب الله فردوه)(وسائل الشیعہ، جلد ۱۸ص ۸۰)

یہ بالکل واضح دلیل ہے کہ قرآن مجید میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر تحریف ہو جاتی تو قرآنِ مجید حق و باطل کی تشخیص کا معیار قرار نہیں پا سکتا تھا۔

ان تمام ادلہ سے بڑھ کر مشہور حدیث "حدیث ثقلین" شیعہ و اہل سنت کتابوں میں کثرت کے ساتھ نقل ہوئی ہے (وسائل الشیعہ، جلد ۱۸ص ۸۰) جس میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

(انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی احبیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلو)

میں تمہارے درمیان دو یادگار گرانبہا چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت ہے اگر ان دونوں سے تمسک رکھا تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔

یہ پُر مغز حدیث شریف بالکل واضح کر رہی ہے کہ قرآن مجید، عترت پیغمبرؐ کے ساتھ قیامت تک لوگوں کی ہدایت کیلئے انتہائی مطمئن پناہ گاہ ہے۔ اب اگر قرآن مجید خود تحریف کا شکار ہو جاتا تو وہ کس طرح لوگوں کیلئے ایک مطمئن پناہ گاہ بن سکتا تھا اور انہیں ہر قسم کی گمراہی سے نجات دلا سکتا تھا۔ الغرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ گناہ کبیرہ ہے کہ کسی پر ایسی بات یا ایسے کام کی تہمت لگائی جاتی جو اس نے نہ کہی ہو یا اُسے انجام نہ دیا ہو۔ ہم نے ہر مقام پر کہا ہے اور اب بھی کہتے ہیں کہ مذہب شیعہ کے علماء و محققین میں سے کوئی بھی (خود انکی اپنی کتابوں کی گواہی کے مطابق) تحریف کا قائل نہیں تھا اور نہ ہے۔ لیکن پھر بھی بعض متعصب اور ہٹ دھرم قسم کے لوگ اس تہمت پر اصرار کرتے ہیں۔ پتہ نہیں قیامت والے دن وہ کیا جواب دیں گے کیونکہ ایک طرف تو تہمت لگا رہے ہیں اور دوسری طرف قرآن مجید کی اہمیت کو کم کر رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

اگر آپ کا بہانہ وہ بعض ضعیف روایت ہیں جو ہماری کتابوں میں نقل ہوئی ہیں تو اس قسم کی ضعیف روایات آپ کی حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ جنکی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کوئی بھی مذہب ضعیف روایات کی بنا پر استوار نہیں ہوتا ہے۔ اور ہم نے کبھی بھی ابن الخطیب مصری کتاب (الفرقان فی تحریف القرآن) کی خاطر یا آپ کی ان ضعیف روایات کی خاطر جو تحریف قرآن پر مشتمل ہیں آپ پر تحریف قرآن کی تہمت نہیں لگائی۔ اور ہم کبھی بھی قرآن مجید کو تخریب کاری کرنے والے تعصب کا شکار نہیں ہونے دیں گے۔

سب کو مرنا ہے اللہ کے واسطے دن رات تحریف قرآن کی باتیں نہ کیجئے

اسلام، مسلمین اور قرآن مجید پر ظلم نہ کیجئے اور اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے بار بار تحریف

قرآن کی رٹ لگا کر پوری دنیا کے مسلمانوں کے اصلی سرمائے یعنی قرآن مجید کے اعتبار کو کم نہ کیجئے۔ دشمن کو بہانہ فراہم نہ کیجئے۔ آپ اگر اس طریقے سے شیعوں اور اہل بیتؑ کے پیروکاروں سے انتقام لینا چاہتے ہو تو جان لیں عنقریب رسوائی آپکا مقدر ہوگی۔ (انشاءاللہ العزیز) اب ہم آج تک اپنے اوپر لگنے والے بہتانوں کا ایک ایک کر کے جواب دے رہے ہیں تاکہ آئندہ کوئی اسطرح کی مذموم سازش کرنے کی جرات بھی نہ کرے۔

عقیدہ تحریف قرآن پر نظر ثانی کرنیکی دعوت

اعتراض (1): کیا یہ سچ ہے کہ مذہب کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہوتا ہے اور دلائل میں سے پہلا درجہ قرآن مجید کا ہے اگر قرآن مجید پر ایمان نہ ہو تو انسان ایماندار کہلانے کا حقدار نہیں رہتا؟

جواب:۔ جی ہاں! یہ سچ ہے۔

اعتراض (2):۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو فرمایئے جو لوگ تحریف قرآن کے قائل ہیں وہ آپ کے نزدیک مسلمان ہیں یا نہ؟

جواب:۔ جو شخص قرآن مجید کو محرف جانے مسلمان نہیں ہے۔ مگر یہ شیعہ عقیدہ ہے۔ مسلک اہلسنت یہ دعویٰ ثابت نہیں کر سکتا ہے جیسا کہ آگے بیان میں آئے گا۔

نوٹ:۔ لفظ تحریف مصدر ہے بات تفصیل سے جو حرف ماخوذ ہے اور حرف سے حد اور طرف

مراد ہے تفسیر کبیر میں امام رازی نے لکھا ہے کہ تحریف دراصل حق سے کسی چیز کا املہ ہونا ہے تحریف قلم اور محرف قلم سے قلم کو قط دیا جانا مراد ہوتا ہے۔ تحریف کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کسی عبارت کے تغیر و تحویل اور کسی کلمہ کی تقلیب و تبدیل کو تحریف کہتے ہیں۔ خواہ لفظ میں یہ تعبیر و تحریف واقع ہو۔ جیسے سراط کو صراط بنا دیا جائے۔ یا معنی میں واقع ہو جیسے ولیکم اللہ میں خلاف قرینہ ولی کو دوست مددگار کے معنی میں تبدیل کر دیا جائے۔ خواہ لفظی و معنوی دونوں قسم کی تحریف اور تبدیلی کی جائے۔ مثلاً صراط علی کو صراط علی سے بدل دیا جائے۔ یہ تحریف بالاعراب کہلاتی ہے۔ خواہ زیادتی کر دی جائے۔ جیسے والضالین کے ساتھ آمین کر دیا جائے۔ یہ سب اقسام تحریف کے ہیں۔

اعتراض (3):۔ اگر مسلمان ہیں تو کیوں؟ مدلل جواب درکار ہے؟؟

جواب:۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق تحریف قرآن کا معتقد مومن و مسلمان نہیں ہے مگر مذہب سُنیہ میں یہ شرط موجود نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کو پورا و مکمل کہنا ممنوع ہے۔ جیسا کہ مذہب اہل سنّت کے اساسی رہنما جناب عبداللہ بن عمر بن خطاب نے نصیحت کی۔

"لایقولن احد کم قداخذت القرآن کله ومایدریه ما کله قدذهب منه قرآن کثیر ولکن ظهز لیقل قد اخذت منه ما"

ظھر "(ابن عمر نے کہا) تم میں سے ہرگز کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن لے لیا۔ اُسے کس نے بتایا کہ پورا قرآن کتنا تھا۔ درآنحالیکہ بہت سا قرآن جاتا رہا ہے اور لیکن اُسے یہ کہنا چاہیے کہ میں نے اُتنا لیا ہے جتنا قرآن میں ظاہر ہوا ہے"۔ **(اتقان جلد۲۔۲۵)** پس جس طرح عبداللہ بن

عمر اور اُن کے مخاطبین قرآن کو نامکمل اعتقاد کرتے ہوئے اور اس کے اذہاب کی تشہیر و نصیحت کرتے ہوئے مسلمان تھے اسی طرح دوسرے مسلمانوں جو اپنے **ثقہ راوی و تابعی و صحابی** کی نصیحت پر عامل ہیں وہ بھی مسلمان ہیں۔

اعتراض (4):۔ اور اگر مسلمان نہیں تو آپ کی معتبر کتابوں میں ایسی روائتیں موجود کیوں ہیں؟

جواب:۔ جو قرآن حکیم رسول کریمؐ کے قلب پر نازل ہوا ہے اُس کے بارے میں ہمارے کسی کتاب میں ایک بھی ایسی روائت موجود نہیں ہے بلکہ اس کی محافظت و غیر محرف ہونے کے بارے میں واضح احادیث موجود ہیں البتہ نقلی قرآنوں کے بارے میں ایسی روایات ضرور موجود ہیں کہ جن میں اغلاط کمی و بیشی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ایسی روایات کتب اہل سُنت میں کثیر تعداد سے موجود ہیں۔ جو وقتاً وقتاً ازراہ مثال نقل ہوں گی۔ ہماری کتب کی روایات کا تعلق مصاحف صحابہ سے ہے اور وہ قرآن الحکیم سے متعلقہ نہیں ہیں جب کہ سُنی روایات براہ راست قرآن کے متعلق ہیں پس وضاحت اُن کو کرنا چاہیے کہ وہ ان کی موجودگی میں مسلمان کہلوانے کے حقدار کیسے ہیں؟

تفسیر صافی مصنفہ اخوند فیض کے ۱۰ امین ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے سامنے ترتیب نزولی والا قرآن پیش کیا تو لوگوں نے قبول نہ کیا تو آپ نے فرمایا۔

ماواللہ ماترونہ بعدیومکم ھذا ابداً

خدا کی قسم اس کو قیامت تک اب تم نہ دیکھو گے۔

پس جس پر آپ کا ایمان ہے وہ دنیا میں ناپید ہو گیا اور جو موجود ہے اس پر آپ کا ایمان

نہیں۔ جواب مطلوب ہے؟

جواب:۔ حضرت امیرؑ نے اُن لوگوں کو یہ جملہ فرمایا جس کے معنی ہیں "خُدا کی قسم اسکو تم آج کے بعد کبھی نہ دیکھو گے عرب میں الی القیامت کے الفاظ نہیں ہین۔ مخاطب صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کو قبول نہیں کیا (قرآن کو رد کر کے بھی مسلمانوں کے امام رہے) چونکہ ارشاد رسولؐ کے خلاف اُن لوگوں نے قرآن کے اصلی ساتھیوں سے تخلف کیا جو کبھی قرآن سے جُدا نہیں ہو سکتے جب تک بارگاہ رسولؐ میں حوض تک وارد نہ ہو جائیں۔ لہذا اُن کی شومئی قسمت یہی ٹھہری نہ ہی اُن کو دیدار قرآن نصیب ہوا۔ اور نہ ہی حصول ناطق قرآن کا شرف حاصل ہوا۔ ایک ثقل کو خود چھوڑ دیا۔ دوسرا خود بخود چھپ گیا۔ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے۔

پس ہمارا ایمان اُس قرآن پر ہے جس کے متعلق صاحب قرآن نے فرمایا کہ "علی قرآن کے ساتھ ہے" اور ارشاد کیا۔ "قرآن علّی کے ساتھ ہے" نہ قرآن علّی سے جدا اور نہ علّی قرآن سے علیحدہ ہو سکتے ہیں مگر آپ کے بزرگوں نے نہ ہی علّی کو مانا اور نہ ہی اُن کے ساتھی قرآن کو۔ یہی راہ آپ کی اختیار کردہ ہے کہ علّی کے قرآن کو فرضی اور ناپید کہتے ہیں اور خود اپنے لکھے ہوئے کو خدا کا لکھا کہہ کر اتراتے ہو۔ اب خود فیصلہ کر لو خدا کے قرآن پر ہمارا ایمان ہے یا تمہارا۔

کسی شے کا آنکھوں سے اوجھل ہونا اُس کے ناپید ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ہمارا اس قرآن پر ایمان ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ اُس دنیا میں موجود ہے جسے غیر مطہرین چھو تک نہیں سکتا جبکہ تمہارا اس قرآن پر ایمان ہے جسے ہر ناپاک چھو سکتا ہے اور وہ اکیلا بے یارومدگار ہے۔

جب ہمارا قرآن امامٔ طاہر کا دائمی ساتھی ہے۔ تمہارے قرآن کا کثیر حصہ اذہاب ہو چکا ہے یعنی ضائع ہو چکا ہے اور جسے پورا کہنے پر بھی تمہارے

مذہب میں پابندی ہے جب کہ ہمارے اعتقاد کردہ قرآن میں ہر خشک و تر موجود ہے اور وہ مکمل و جامع ہے اور اپنے مفسر و وارث کی حفاظت میں ہے۔ ایمان کا تعلق ہمیشہ اصل سے ہوا کرتا ہے نقل پر نہیں۔ پس ہمارا اصلی ہے اور تمہارا نقلی۔ آپ کے بزرگ اُس اصل قرآن کو ٹھکرا چکے ہیں اور قبول کرنے سے انکار کر چکے ہیں اور ان ہی کی سنت پر آپ کاربند ہیں۔ لہذا آپ کا ایمان بالقرآن ناقص ہے اور آپ کا ایمان اس قرآن پر ہے جس کا بیشتر حصہ رفت و گذشت ہو چکا ہے۔ پس جب تک عبداللہ ابن عمر کی نصیحت موجود ہے آپ کا قرآن پر ایمان ویسا ہی ہے جس طرح یہود و نصاریٰ کا ایمان توریت اور انجیل پر ہے جو کہ محرف ہیں۔ لیکن ہمارا ایمان قرآن صامت اور قرآن ناطق دونوں پر ہے اور ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن میں کسی قسم کی کوئی تحریف نہ ہوسکی کیونکہ اسکی حفاظت کا ذمہ خدا نے اپنے ذمہ لیا ہے اور یہ قرآن کسی بھی حالت میں اہلبیت سے جدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ضمانت خود صاحب قرآن کی موجود ہے۔ یہ ملاحظہ کیجیے حدیث ثقلین :-

اعتراض (5) :- امام محمد باقر کا فرمان ہے (معاذ اللہ)

وفی تفسیر العیاشی عن ابی جعفر قال لوہ انہ زید فی کتاب اللہ ونقص ماخفی حقنا۔

(تفسیر صافی ۱۰)

تفسیر عیاشی میں ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا اگر قرآن مجید میں کمی و بیشی نہ کی جاتی تو عقل والوں پر ہمارا حق مخفی نہ رہتا۔

جواب:۔ مذہب سنیہ کے چوٹی کے امام عکرمہ سے مروی ہے کہ جب ابوبکر سے بیعت ہو چکی تو علیؑ بن ابی طالب گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت ابوبکر سے کہا گیا کہ علیؑ نے آپ کی بیعت سے کراہت کی ہے بس ابوبکر نے کسی کو بھیج کر انہیں بلوایا اور کہا کہ آپؑ نے میری بیعت سے کراہت فرمائی ہے۔ انہوں نے جواباً کہا۔ قسم بخدا نہیں۔ ابوبکر نے کہا۔ پھر آپ مجھ سے مخفی کیوں ہوئے؟ فرمایا میں دیکھا کہ قرآن میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ پس میرے دل نے کہا۔ میں نماز کے سوا اپنی ردا نہ پہنوں گا حتیٰ میں قرآن جمع کر لوں۔ حضرت ابوبکر کہا آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ **(اتقان جلد ۱۔ ۹۵)** پس اس معتبر روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے قرآن میں اضافہ کی کوشش کی جس کی تصدیق آپ کے صدیق اکبر نے کی اور گواہی حضرت حیدرؑ کرار نے دی جو جواب آپ کا اس روایت کے بارے میں ہوگا۔ وہی جواب ہمارے طرف سے دہرا لیا جائے۔

جب کبھی ہمارے طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان نے قرآن کیوں جلوادیے۔ تو آپ لوگ عموماً یہی جواب دیتے ہیں کہ ان مصاحف میں کمی و بیشی تھی۔ لہذا اتحاد و مرکزیت برقرار رکھنے کی خاطر حضرت غنی صاحب نے ایسا گوارہ کیا۔ جب آپ کے خلیفہ راشد نے قرآن میں کمی و بیشی کا اعتراف کیا ہے۔ تو پھر آپ کسی اور پر اعتراض کرنے کی جراٴت کس طرح کرتے ہیں۔ پس قرآن میں کمی و بیشی کا اعتراف آپ کے تین خلفائے راشدین ہی سے حاصل ہو گیا۔ لہذا اگر امام محمد باقرؑ نے ایسا فرمایا تو ایک تاریخی حقیقت بیان فرمائی۔ اور آپ سے پہلے یہی بات خود حضرت علیؑ، حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کہہ چکے تھے۔

اعتراض (6):۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ لوگوں کے نزدیک موجود قرآن مجید مشکوک ہے کیونکہ یہ کمی بیشی سے پاک نہیں ہے۔ اسی تفسیر صافی میں ہے؟؟ امام صاحب نے فرمایا ان القرآن قد طرح منہ ای کثیرہ بلاشبہ قرآن مجید میں آئتیں ڈال دی گئی ہیں جب آپ لوگ نقص قرآن کے قائل ہوئے تو آپ کا ایمان موجودہ قرآن پر کیسے رہا؟

جواب:۔ جو کچھ قرآن مجید میں موجود ہے۔ وہ ہرگز ہمارے نزدیک مشکوک نہیں ہے اور قرآن میں کمی و بیشی تسلیم نہ کرنا خلاف قرآن ہے۔ کیونکہ جو آیات منسوخ ہو گئیں وہ بھی منزل من اللہ تھیں۔ اور قرآن کا حصہ تھیں۔ اسی طرح قرآن ساتھ حروف میں نازل ہوا تھا جب کہ اب صرف ایک حرف میں ہے۔ جن آیات کی طرح کا ذکر قول امام میں ہے وہ آیات منسوخہ بھی سمجھی جا سکتی ہیں۔ ہمارا ایمان پوری وحی پر ہے جبکہ سنی صرف ظاہر پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس صرف موجودہ قرآن پر ایمان رکھنا اور اس کے علاوہ کلام خدا کی تکذیب کرنا ناقص الایمانی کی دلیل ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو تنزیل قرآن اس وقت موجود ہے خدا کا کلام اور اس کا منسوخ شدہ حصہ اور احادیث قدسیہ بھی اللہ کا کلام ہے۔ پس ہمارا ایمان پورے قرآن پر ہے اور آپ کا ایمان صرف ظاہر قرآن پر ہے۔ اور جو کلام آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہے آپ اس کے منکر ہیں۔ ہم ظاہر و غائب دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ کے مذہب کے مطابق قرآن کو مکمل کہنا ممنوع ہے۔ جبکہ ہم پورے و سارے قرآن پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔

اعتراض (7):۔ تفسیر صافی میں ہے

ان فی القرآن ما مضی و ما یحدث وماھو کائن
کانت فیہ اسما الرجال فالقیت

بلاشبہ قرآن میں ہے جو کچھ گزر چکا اور جو کچھ پیدا ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے اور اُسی قرآن میں لوگوں کے نام تھے پس ان کو گرا دیا گیا۔

جب آپ کے مسلک میں موجودہ قرآن ناقص ٹھہرا کیوں کہ اس میں لوگوں کے نام نہیں ہیں تو کیا اس کے باوجود آپ کا ایمان موجودہ قرآن کے ساتھ وابستہ رہا۔ کیا آپ لوگ سالیت قرآن کے منکر نہ ٹھہرے؟

جواب:۔ علامہ سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض نے نزولی ترتیب پر قرآن مرتب کیا وہ مصحف علیؑ ہے۔ (اتقان جلد ا۔ ۶۴) تاریخ الخلفا ۹۹ میں ہے کہ ابن سیرین کہتے تھے کاش کہ حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن مل جاتا تو وہ علوم کا بہت اچھا ذخیرہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنیوں کے نزدیک موجود قرآن علوم کا ذخیرہ نہیں ہے حالانکہ اسی قرآن کا دعویٰ ہے **لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین** ۔ پس ہمارا اعتقاد اُس قرآن پر ہے جس میں ہر خشک وتر کا ذکر ہے۔ اور ہم سالم قرآن پر ایمان رکھتے ہیں جب آپ قرآن کے کثیر حصہ کا انکار کرتے ہیں۔ تفسیر در منثو جلد ۳۔ ۲۰۸ مطبوعہ مصر میں ہے کہ اخراج کیا ابن ابی شیبہ طبرانی، حاکم اور ابن مردویہ نے حضرت حذیفہ سے کہا کہ یعنی جس سورہ کو تم توبہ کے نام سے یاد کرتے ہو وہ درحقیقت سورہ عذاب ہے خدا کی قسم ہم صحابہ میں سے ایک بھی ایسا نہیں چھوٹا جس کے متعلق کوئی نہ کوئی عذاب کی آیت نہ آئی ہو اور تم (اب) اس سورہ توبہ میں (ان آیات کو) نہیں پڑھتے ہو جو کچھ کہ ہم پڑھا کرتے تھے مگر اس کا چوتھائی حصہ۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۸ ہی پر علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ سورہ برائت نازل ہوئی تو ہم نے گمان کیا کہ ہم صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا صحابی باقی نہ رہے گا۔ جس کے متعلق کوئی نہ کوئی فضیحت نہ نازل ہو۔ اور اسی لئے اس سورہ کا نام فاضحہ ہے۔

آپ فرمائیے آپ کے مذہب کے مطابق حسب نقل سیوطی وتخریج محدثین بقول عمر وحذیفہ قرآن

ناقص وغیر سالم ثابت ہوایا نہ ہوا۔ اور نام غائب ہو گئے کہ نہیں ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم اس قرآن موجود کو بھی کلام خدا اعتقاد کرتے ہیں اور جو غیب ہوایا جس کا نسخ ہوا اسے بھی اللہ کا کلام مانتے ہیں جب کہ تم صرف موجود کو مانتے حاضر کو تسلیم کرتے ہو۔ اور غیب کے منکر بنتے ہو۔ قرآن تمہارا سالم ہوایا ہمارا؟

اعتراض (8):۔ تفسیر صافی ص ۱۰ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ کیا اصلی قرآن کے ظہور کا وقت بھی معلوم ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔

نعم اذا اقام القائم من ولدی یظهره (تفسیر صافی ص ۱۰ سطر ۳۳)

ہاں جب میری اولاد میں سے امام مہدی اٹھیں گے تو اُس قرآن کو ظاہر کریں گے۔

معلوم ہوا کہ حضرت مہدی والا قرآن اور ہے موجودہ قرآن اور ہے بس جس پر آپ کا ایمان ہے وہ موجود نہیں اور جو موجود ہے اس پر آپ حضرات کا ایمان نہیں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں؟؟

جواب:۔ بلاشبہ جو نسخہ قرآن امام مہدی علیہ السلام کے پاس ھے وہ پورا ھے اس میں تمام منسوخ آیات اور موجودہ آیات اُسی ترتیب سے موجود ھیں

جس طرح وحی کی گئیں اور تمام تفسیری نوٹ اور وضاحتیں اُس نُسخہ میں ہیں اس میں حضورؐ کی بیان کردہ مکمل تشریح موجود ہے اس میں ماضی حال اور مستقبل کی تمام باتیں موجود ہیں۔ اور وہ جامع نسخہ ہے کہ جس میں ہر خشک وتر کا بیان جمع ہوا ہے۔ اور آپ حضرات کا اس بمطابق ترتیب نزولی قرآن پر ایمان نہیں ہے بلکہ صرف اس قرآن موجود پر ایمان ہے جس کا آپ ہی کے بقول کثیر حصہ جاتا رہا ہے۔ یعنی آپ کا ایمان غیر سالم قرآن ہے اور ہمارا اکمل وسالم قرآن پر ایمان ہے جو اہلبیتؑ سے جدا نہیں ہوا۔ اسی لئے زمانہ عدلیہ میں یہ قرآن ظاہر ہوگا۔ اور باطل کو مٹائے گا۔ اور خدا کی ضمانت کو ثابت کرے گا کہ اس میں ہر خشک وتر کا بیان ہے اسے کوئی غیر طاہر بھی نہیں کرسکتا ہے مگر صرف مطہرین اسے چھو سکتے ہیں۔ جب امام اس قرآن کو ظاہر کریں گے تو دُنیا سے باطل بھاگ اُٹھے گا۔ اور حق کا غلبہ آجائے گا۔ قرآن مجید جو اس وقت موجود ہے وہ اُسی قرآن کی آیات ہیں مگر اس کی ترتیب نزولی نہیں ہے اور اس میں حضورؐ کی تعلیم کردہ تفسیر وتشریحات نہیں ہیں۔ جب ہم موجودہ قرآن کو خدا کا کلام تسلیم کرتے ہیں تو پھر ہمارے ایمان کے بارے میں شبہ کیوں؟ ایمان کا نقص تو آپ کے مذہب میں پایا جاتا ہے جو صرف موجودہ کتاب کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔

اور اس کے اُس حصہ پر ایمان نہیں رکھتے ہیں جو ظاہر نہ ہوا۔ حالانکہ اقرار کرتے ہیں کہ اس کا بیشتر حصہ جاتا رہا ہے مگر اس جانے والے حصہ کو خُدا کا کلام تسلیم نہیں کرتے بلکہ تکذیب کرکے غیر سالم قُرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان تو ظاہر بھی ہے اور غائب پر بھی۔ لہذا ہم سالم الایمان ہیں۔ جب آپ ظاہر ایمان رکھتے ہیں اور غیب پر منکر ہیں۔ اس لئے آپ ناقص الایمان ہیں جب آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ کا پورے قرآن پر ایمان ہے تو اس سے مُراد موجودہ ہوتا ہے۔ کہ جب کہ دعویٰ قُرآن ہے کہ اس میں ہر خشک وتر کا بیان موجود ہے جب کہ آپ کے اعتقاد کردہ مکمل قرآن میں وجود

پاکستان کا ذکر نہیں مل پاتا مگر ہم جس پورے قرآن پر ایمان رکھتے ہی اُس میں جو کچھ گذر چکا اور جو کچھ گذرنے والا ہے ہر امر کا بیان موجود ہے۔ اور وہ مکمل قرآن اس دنیا میں محافظ کی حفاظت میں موجود ہے جسے کہ غیر طاہر لوگ مس نہیں کر سکتے یہ قرآنی فیصلہ ہے آپ کہ قرآن کی حفاظت کا یہ حال ہے اُسے ہر پاک و ناپاک جس حالت میں چاہے چھو سکتا اُس کے نُسخوں میں اغلاط و سہو کا امکان ہے۔ اس میں آپ موجودہ مملکت خُداداد پاکستان تک کا ذکر نہیں دکھلا سکتے ہیں جب کہ ہمارا دعویٰ جو قرآن مجید کا نُسخہ ہمارے امام کی حفاظت میں محفوظ ہے اُس میں ہر وہ بات موجود ہے جو ہو چکی یا ہونے والی ہے۔ پس ہمارا ایمان مکمل ہے اور آپ کا ناقص ہے کیونکہ آپ جزوی کلام کو مانتے ہیں اور بقیہ کلام کا انکار کرتے ہیں جبکہ ہم جزوی و کلی کلام کے معتقد ہیں۔

اعتراض (9):۔ الصافی ص ۱۱ میں ہے

انهم أثبتوا في الكتاب مالم قيله الله ليلبسوا على الخليقته

انہوں نے قرآن مجید میں وہ چیزیں ثابت کر دیں جو کہ خدا تعالےٰ نے نہیں کہی تھیں تا کہ مخلوقات پر کلام الٰہی کو ملا دویں۔

پس جب موجودہ قرآن کلام خالق اور کلام مخلوق کا مجموعہ ہوا تو ان پر آپ کا ایمان کیسے رہا؟

جواب:۔ اس عبارت منقولہ بالا سے مُراد ہے کہ انہوں نے خود ساختہ تاویلیں بنا کر کتاب خدا میں لکھ دی ہیں اور ان تاویلات کو منشا خُدا کے مطابق سمجھا جاتا ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جن کا انکار خلاف واقع ہے "**اثبتوا فی الکتاب**" اسی لئے کہا گیا ہے کہ کتاب میں ثابت کی ہیں یعنی متن وحی

میں لفظی تغیر کی بجائے اپنی اپنی تاویلیں گھڑی ہیں۔اور مخلوق میں اختلافات کا بیج بو دیا ہے۔ایک ہی آیت کے مختلف مطالب کی تاویلیں اور اُن پر اپنے اثبات و دلائل قائم کر کے انسانی رائے کو مقصود خُدا کہا جاتا ہے۔ایک ہی کتاب میں جو الفاظ خدا نے نازل کیے ہیں اُن کے ساتھ اپنی من گھڑت تفاسیری دلیلیں ثبت کر کے خالق و مخلوق کے کلام کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی ہے جیسے "والضالین" کے ساتھ "آمین" اپنی طرف سے بڑھا لیا ہے پس ہمارا ایمان صرف قرآن کے وحی کردہ کلمات ہے پروہ بے شک اللہ کا کلام ہیں جب کہ آپ کی توضیحات کو ہم کلام خُدا نہیں سمجھتے۔پس اس عبارت میں مخلوقات کی بنائی ہوئی تاویلیں مُراد ہیں جو خالق کے کلام کے ساتھ ثبت کی جاتی ہیں کہ لوگ گمراہ ہو جائیں۔اور چونکہ یہ تاویلات اللہ نے نازل نہیں کی ہیں بلکہ انسانوں نے قیاس کر کے بنائی ہیں لہذا ہم اُن کو غیر خدا کا کلام سمجھتے ہوئے وحی تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

اعتراض (10): الصافی ص ۱۱ میں ہے

اثبتوہ من تلقائھم فی الکتاب بمافی ذالک من تقویہ اھل العطیل والکفر والمل المنحرفقه عن قبلتنا

انہوں نے اپنی طرف سے قرآن میں ایسی عبارتیں داخل کر دیں جن سے کافروں اور قبلے سے منحرف شدہ لوگوں کو تقویت ہوتی ہے۔

تو کیا واقعی ایسی عبارتیں موجودہ قرآن مجید میں موجود ہیں جن سے کفر کو تقویت پہنچتی ہے۔

جواب۔اس سے مُراد وہی تادیلی عبارات اور تفاسیر بالرائے مُراد ہیں۔جن سے مخالفین کو قرآن مجید پر تنقید کرنے کا موقع ملتا ہے۔اور خوب دل کھول کر قرآن کے خلاف لکھتے ہیں جس کا جواب

آپ سے بن نہیں پڑتا ہے۔ اور آپ کی جمائی ہوئی گرد پھر شیعہ بے چاروں کو جھاڑنا پڑتی ہے۔ جب ہندوستان میں ایک سابق سُنی المذہب پادری عماد الدین نے ایک کتاب "المسلمین" لکھی اور قرآن پر اعتراضات کیے تو سُنی سوئے رہے مگر ایک حیدری ملنگ نے نعرہ حیدری بلند کیا اور "تنزیہ الفرقان" جیسی شاہکار کتاب پیش کر کے عیسائیت کو عبرت ناک ضرب لگائی اور جناب السید محمد صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقالہ نے عماد الدین کے تابوت میں آخری کیل لگا دی۔ چونکہ ہمارا ایمان قرآن مجید پر پختہ تھا۔ لہذا نصاریٰ کو مُنہ کی کھانا پڑی۔ اور سُنیوں کا ایمان ادھورا تھا۔ لہذا روپوش ہو گئے۔

اگر تاویلات و اختلافی تفاسیر کے انکار پر کسی کو منکر قرآن کہا جاسکتا ہے تو پھر شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو گا جو اس انکار سے محفوظ ہو۔ چونکہ ہم قرآن کی اُن عبارتوں پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں۔ جو متن وحی ہیں اور اُن عبارتوں کی انسانی توضیحات سے اختلاف رکھتے ہیں لہذا ہمیں منکر قرآن کہنے والا خود منکر قرآن ہے کیونکہ وہ غیر قرآن کو قرآن سمجھتا ہے۔ یہ بات تو تھی تاویلات کی مگر اہل سنۃ والجماعت متن قرآن موجود میں بھی کمی اور زیادتی کے معتقد ہیں مثلاً علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ سورہ اعراف پ ۸ کا شروع جو اس وقت المص سے ہوتا ہے دراصل صرف الم تین حروف تھے اس میں ایک صرف "ص" اس لئے بڑھایا گیا ہے کہ اس میں انبیاء کے قصص ہیں (تفسیر اتقان مطبوعہ احمدی ۲۶۴) اب غیرت مند کے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ جس کے گھر کا یہ حال ہو وہ کسی کامل الایمان مذہب پر تحریف کا بہتان کیسے باندھ سکتا ہے۔

اعتراض (11):۔

ثم دفعهم الا ضطرار بورود المسائل عليهم

عمالا یعلمون تاویله الی جمعه و تالیفه و تضمنه من قلقائهم مایقیمون به دعائم کفرهم فصرخ منا دلیهم من کان عنده شی من کان عنده شی من القرآن فلیا تنابه ووکلوا تالیف ونظمه الی بعض من وافقهم الے معاداة اولیاء الله فالفه علی اختیارهم و ترکوا منه ماظهر تناکره و تنافره الذی جدفی الکتاب من الازراء علی النبی فریة الملحدین۔ (تفسیر صافی ص ۱۱)

اس کے بعد ان سے ایسے مسائل پوچھے گئے جن کی تاویل نہ جانتے تھے تو قرآن کو جمع کرتے، تالیف کرنے اور انہی طرف سے اس میں ایسے کلمات ملانے پر مجبور ہو گئے جن سے انہوں نے اپنے کفر کے ستون کھڑے کئے پس ان کے مناوی نے آواز دی جس کے پاس قرآن سے کچھ ہو تمہارے پاس لے آئے اور قرآن کا بنانا۔ انہوں نے ایسوں کے سپرد کیا جو ان کے اولیاء اللہ کی دشمنی میں موافق تھے پس انہوں نے اپنے اختیار پر قرآن کی تالیف کی اور جس قدر ان کی قدرت ہوئی چھوڑ دیا۔ اور ایسی چیزیں زائد کر دیں۔ جن کا تناکر اور تنافر ظاہر تھا۔ اور جو کچھ قرآن میں سے حضور کی بے عزتی ظاہر ہوتی ہے یہ ملحدین کا افترا ہے۔

فرمایئے یہ روایت تفسیر صافی میں موجود ہے یا نہ؟

جواب ۸۷۶:۔ تاویل سازی کے سلسلے میں یہ عبادت تفسیر صافی میں مرقوم ہے۔

اعتراض (12):۔ اگر نہیں ہے تو خلاف واقع ہے اور اگر موجود ہے تو آپ کے نزدیک یہ روایت صحیح یا غلط؟

جواب:۔ مجیب کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔

اعتراض:۔ اگر غلط ہے تو وجہ بیان کیجئے اور آئمہ کے اقوال سے اس کی تردید کیجئے؟

جواب۸۷۸:۔ روایت ٹھیک ہے لہذا اسبب بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ مطلب ومفہوم کا فرق ہے۔

اعتراض (13):۔ اور اگر صحیح ہے تو فرمایئے کیا آپ کے نزدیک موجودہ قرآن مجید کلام الٰہی کا مجموعہ نہیں بلکہ لوگوں کے من گھڑت افسانوں کا مرقع ہے (العیاذ باللہ)

جواب:۔ روایت میں متن کلام الٰہی کی بات نہیں ہے بلکہ تاویل کا بیان ہے اور تمام مذاہب اسلامیہ اس بات پر متفق ہیں تاویلات کا شمار متن قرآن مجید میں نہیں ہوتا ہے۔ ان تاویلات کی بدولت دین میں تفرقہ بازی ہوئی۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا متن کلام الٰہی ہے مگر اس کی تاویلات خودساختہ ہیں اور ان میں تاکرو تنافر آج تک ظاہر ہے اور اُمت کی مرکزیت قائم نہیں ہوسکتی ہے۔ اللہ کے کلام کے ساتھ ساتھ اپنی تشریحات ظنی وتقاسیر قیاسی کو لکھ کر کلام الٰہی کو نشانہ تنقید بنادیا گیا۔

پس ہم آیات قرآنی کو کلام الٰہی تسلیم کرتے ہیں مگر اُن کی تاویلات مزعومہ کو من گھڑت

افسانوں کا مُرقع قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے امام اول نے تاویل قرآن پر جہاد کیا۔ اور رسول اللہؐ کی یہ پیش گوئی کہ میں نے تنزیل قرآن پر جہاد کیا، اور علی تاویل پر جہاد کرے گا۔ ارشاد پیغمبرؐ سے ثابت ہے کہ صحابہ نے غلط تاویلات وضع کر کے دین میں رخنہ اندازی اور فساد کا بیج بویا۔

اعتراض (14):۔ جب آپ نے تصریح کردی کہ اس قرآن میں ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جن سے کُفر کے ستون کھڑے ہوتے ہیں تو بتایئے آپ کا اس پر ایمان کیسے رہا؟

جواب:۔ یہ بات ایسی ہے جس پر اعتراض کرنا در حقیقت قرآن الحکیم پر معترض ہونا ہے اور اس کو تسلیم نہ کرنا قرآن کی تکذیب کرنا ہے۔ آپ کا اثبات کو قبول نہ کرنا ہی آپ کے عدم ایمان قرآن کی ناقابل تردید دلیل ہے کیونکہ خود ارشاد ربانی ہے کہ "**یضل به کثیراً ویهدی به کثیراً**"۔ یعنی اُس قرآن ہی سے خدا بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اسی سے بہتوں کو ہدایت کرتا ہے گمراہ تو اُن کو کرتا ہے جو مفسد ہوتے ہیں۔ اور خدا کے احکام کی اطاعت نہیں کرتے۔ پس اب خود ہی فیصلہ کرلو کہ تمہارا قرآن پر مکمل ایمان ہے یا ناقص۔ باقی اسی بات پر فیصلہ ہوگیا کہ آپ کے مذہب کے ستون بھی ایسے ہی ہیں کہ اقرار ایمان کر کے بھی تکفیر قرآن کرتے ہیں۔ بتایئے آپ کا ایمان کیسے قرآن پر قائم رہا اور ہمارا ایمان کیونکر مشکوک ہوا؟

اعتراض (15):۔ بقول آپ کے کیا واقعی اس قُرآن کے جمع کرنے والے اولیاء اللہ کے دُشمن تھے۔ اگر ایسا تھا تو یقیناً انہوں نے قُرآن میں تصرف کیا ہوگا۔ (معاذ اللہ)

جواب۔ اولاً گذارش یہ ہے کہ جمع قرآن اور اس کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے۔ اور یہ ذمہ داری خدا نے حضورؐ پر ڈالی اور حکم دیا کہ جو کچھ اُس نے اپنے رسولؐ پر نازل کیا ہے پہنچا دے۔ پس حضورؐ نے اپنا فرض منصبی پورا کیا اور اُمت کو مکمل کلام خدا پہنچایا۔ جمع قرآن بعد از رسولؐ جو کیا گیا۔ اصولاً غلط ہے اور اس سے توہین رسولؐ لازم آتی ہے پس ایسے لوگ جنھوں نے رسولؐ کے جمع فرمودہ اور حوالہ کردہ قرآن کو قبول نہ کیا۔ وہ کبھی بھی اولیاء اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے۔ اور نسخہ قرآن مرتبہ سرکار دو عالمؐ کو ٹھکرا دینا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ ان کی نیتیں خراب تھیں اور کلام خدا میں تصرف کرنے کی کوششوں کا ذکر ہم بزبان علیؑ بتائید ابو بکر علامہ سیوطی کے حوالہ سے اُوپر سپرد قلم کر چکے ہیں۔ اگر یہ سعی تصرف نہ ہوتا تو جناب امیرؑ ہرگز ردانہ پہننے کی قسم نہ کھاتے۔ یہ تو اعجاز خدا ہے کہ اس نے اپنے کلام کی حفاظت کی اور حق و باطل میں فرق نمایاں رکھا ورنہ یاروں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ ایسی کوشش کی معمولی سی جھلکی آپ کو اپنی ہی کتابوں کے آئینہ میں دکھاتے ہیں۔

فجلس الیٰ بی الدرداء فقاله ابولدر دامن انت قال من اهل الکوفة قال کیف سمعت عبدالله یقراء واللیل اذا یغشےٰ ! قال علقمه والذکرو لانثیٰ فقال ابوالدرداء اشهد انی سمعت رسول الله صلعم لیقراء هکذاو هولاء یریدونی علی ابی اقراء ها خلق الذکرو الانثیٰ والله لا اتابعهم الانثیٰ والله لا اتالبهم (تفسیر و منشور۔ جلد ۲ ص ۳۵۸ مطبوعہ مصر: امام جلال الدین سیوطی نے سعید بن منصور احمد، عبد بن حمید، بخاری مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر ابن المنذر اور ابن مردویہ سے روایت کی ہے)

یعنی علقمہ ایک مرتبہ شام میں آیا اور ابوالدرداء کے پاس بیٹھا انہوں نے

پوچھا کہ تم کن لوگوں میں سے ہو۔ علقمہ نے کہا میں اہل کوفہ میں سے ہوں پس ابودرداء نے کہا تم نے عبداللہ کو سورہ واللیل اذ یغشیٰ کس طرح پڑھتے سُنا ہے۔ علقمہ نے کہا میں (بجائیے **وما خلق الذکر والا نثی**) کے **والذکر والا نثی** پڑھتے سُنا ہے۔ پس ابودرداء نے کہا۔ میں شہادتِ دیتا ہوں کہ میں نے رسول صلعم کو بھی یہی پڑھتے سُنا ہے لیکن یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں **وما خلق الذکر والانثیٰ** پڑھوں بخدا میں ہرگز ان کی متابعت نہ کروں گا۔ (غور فرمائیں)

اعتراض (16):۔ مذکورہ بالاعبارت سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام کا جتنا بس چل سکتا تھا اتنا قرآن سے کم کر دیا۔ (فرمایئے) ایسے عقیدہ رکھنے والے پر آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب:۔ روایت زیر بحث میں یہ بات مرقوم نہیں ہے اور نہ قرآن سے جو کچھ کم یا زیادہ کرنا انسان کے بس میں ہے کیونکہ اس کا محافظ اللہ تعالےٰ خود ہے روایت میں تو کی بات ہے کہ جتنا اُن کو میسر آیا جمع کر لیا۔ باقی جو نہ ملا چھوڑ گئے۔ لیکن یہ بات آپ کے مذہب سے ثابت ہے کہ صحابہ نے قرآن کم کر دیا۔ چونکہ آپ کا عقیدہ ہے۔ لہذا فتویٰ اپنے ہاں تلاش کیجئے۔ ثبوت میں دیے دیتا ہوں۔

عنہ عائشۃ قالت سورۃ الاحزاب تقرفی زمان النبی صلعم مائتی آیۃ فلما کتب عثمان المصاجب لم تقدر منھا الا علیٰ ماھو الان (اتقان ۲۱۶)

یعنی حضرت عائشہ نے کہا کہ سورہ احزاب زمانہ پیغمبر میں دوسو آیتیں تلاوت کیں جاتی تھیں لیکن عثمان نے لکھتے وقت صرف اسی قدر (۷۳)

آیات سورہ احزاب میں لکھی ہیں جو اس وقت قرآن میں موجود ہیں۔

(تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۸۰)

ملاحظہ فرمالیا آپ نے۔ اب بتایئے صحابہ نے آپ کے مذہب کے مطابق قرآن کو کم کیا یا نہیں۔ تحریف کے قائل ہم ہیں یا آپ۔ بی بی عائشہ کے قول سے ثابت ہوا کہ زمانہ رسولؐ سورہ احزاب میں نہ صرف تنسیخ واقع ہوئی نہ تحریف بلکہ حضورؐ کی حیات میں یہ سورت دوسو ۲۰۰ آیات پر مشتمل تھی۔ اگر حضورؐ کے زمانہ میں تنسیخ ہوتی تو ناسخ آیات نازل ہوتیں۔ وہ سب کو معلوم ہو جاتیں۔ مگر پردہ اس طرح چاک ہوتا ہے کہ بی بی صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ حضرت عثمان نے قرآن لکھتے وقت سورۂ احزاب میں بجائے دوسو آیتوں کے صرف تہتر آیات لکھیں۔ اب فتویٰ لگانے سے پہلے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کر لیجئے گا کہ اس کی زد میں آپ کے تیسرے خلیفہ راشد نہ آجائیں۔

اعتراض (17):۔ کیا موجودہ قرآن آپ کے نزدیک غیر فصیح نہ ہوا۔ جب کہ کلام اللہ کی بہت سی آیتیں آپ کے نزدیک متنا کرالحروف اور متنافر الحروف ٹھہریں؟

جواب:۔ ہمارے نزدیک قرآن کی فصاحت مسلمہ ہے۔ روایت میں متنا کرو متنافر الحروف کی جو بات مرقوم ہے اُس کا تعلق تاویلات سے ہے یہ عقیدہ بھی آپ ہی کے مذہب کا ہے کہ آپ کا قرآن غیر فصیح ہے جیسا کہ ابوعبیدہ نے فضائل القرآن میں کہا ہے کہ ہم سے ابو معاویہ نے ہشام بن عروہ کی حدیث بیان کی۔ عروہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عائشہ سے قرآنی غلطیوں کے متعلق سوال کیا یعنی قوم خدا تعالےٰ میں المقیمین کیوں ہے (بلکہ المقیمون ہونا چاہئے) اور دوسرے قوم میں ان ھذان کیوں ہے (بلکہ ان ھذین ہونا چاہئے) اور تیسرے قوم باری تعالےٰ میں الصابئون کیوں ہے (بلکہ

الصائبین ہوتا) حضرت عائشہ نے فرمایا: اے میرے بھانجے یہ عمل کاتبوں کا ہے جنہوں نے لکھنے میں غلطی کی۔(اتقان جلد ۱ ص ۱۸۳)

نوٹ:۔ اس روایت کے بارے میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق اس کے اسناد صحیح ہیں۔پس آپ کے مذہب سے قرآن موجود میں اغلاط ثابت کرنے اور اس کے متنا کرالحروف اور متنافرالحروف قرار دینے کیلئے صرف یہی ایک حدیث کافی ہے جس کا جواب آج تک آپ نہ دے سکے اور نہ ہی تا قیام قیامت آپ سے اس کا جواب بن سکتا ہے۔

اعتراض (18):۔ براہ کرم اُن آیات کی نشاندھی کیجئے جن کو صحابہ کرام نے اپنی طرف سے داخل کیا ہے۔

جواب:۔ ہماری روایت میں ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ صحابہ نے قرآن میں اپنی طرف سے کوئی آیات داخل کی ہیں بلکہ ہم اُن تاویلات پر معترض ہیں جو قرآن کے ساتھ لکھی جاتی ہیں جب کہ وحی سے اُن کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔یہ عقیدہ بھی آپ ہی کے مذہب میں ہے کہ قرآن میں آیات داخل کی گئیں جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان ص ۲۴۶ میں اس طرح لکھا ہے کہ سورۂ رعد (پ ۱۳) کا شروع جو موجودہ قرآن میں **آلٓمّٓرٰ** سے شروع ہوتا ہے یہ بھی دراصل **آلٓمّٓ** نازل ہوا تھا۔اس میں ایک حرف زیادہ کردیا۔کیوں کہ اس سورت میں رعد اور برق کا ذکر ہے۔اسی طرح علامہ سیوطی نے احمد، بزار، طبرانی اور ان مردویہ سے ابن مسعود اور ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ ابن مسعود نے معوذتین (یعنی سورۂ الناس اور سورۂ الفلق) کو اپنے قرآن سے کاٹ دیا تھا اور کہتے تھے کہ قرآن میں غیر قرآن کو خلط ملط نہ کرو۔یہ دونوں سورتیں کتاب خدا میں شامل نہیں ہیں۔(تفسیر درمنثور جلد ۶ ص ۴۱۶)

اسی طرح امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ابن مسعود سورت الفاتحہ اور معوذ نین کو داخل قرآن ہونے سے انکار کیا کرتے تھے۔ (یعنی قرآن نہ سمجھتے تھے) (تفسیر کبیر۔ جلد اص ۱۶۹) اب غور فرمائیں کہ اتقان، درمنثور اور تفسیر کبیر سنیوں کی معتبر کتب سے یہ ثابت ہوا نہ تو سورت فاتحہ قرآن ہے اور نہ ہی سورہ فلق اور سورۃ الناس، حالانکہ موجودہ قرآن میں یہ تینوں سورتیں موجود ہیں۔ فرمایئے سنیوں کے مذکورہ بالا حوالہ جات کے مطابق قرآن میں زیادتی ثابت ہوئی یا نہیں اب معترض کس بل بوتے پر ہم سے غیر قرآنی آیات کی نشاندہی طلب فرماتے ہیں۔ جب کہ خود اُن کے نزدیک ابتداء قرآن بھی غیر قرآنی آیات سے ہے اور انتہائے کلام بھی غیر کلام الٰہی ہے۔ حالانکہ ہمارا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے۔

اعتراض (19):۔ مذکورہ بالا عبارت کے مطابق وہ کون سی آیتیں ہیں جن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توھین کی گئی ہے۔

جواب:۔ مذکورہ بالا عبارت سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ قرآن میں کوئی ایسی آیات موجود ہیں جن میں معاذ اللہ حضورؐ کی توہین ظاہر ہو مگر موضوع ادیلات اور معنوی تحریفات کی روشنی میں ایسی رکیک باتیں لوگوں نے قرآن سے منسوب کردی ہیں جن سے توہین رسول ہوتی ہے مثلاً اُمی کی تاویل کرکے ان پڑھ معنیٰ اخذ کرکے علم رسولؐ کا انکار کرنا اور انہیں معاذ اللہ جاہل ثابت کرنا یا لفظ "بشر" معنوی تحریف کرکے رسولؐ کو اپنے جیسا سمجھنا لفظ "ذنب" کی موضوع تاویلیں قیاس کرکے حضورؐ کو گنہگار و خاطی اعتقاد کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح قرآن سے ایسی موضوع تاویلات کی روشنی میں حضورؐ کا بتوں کی تعریف کرنا، بیان کرنا آپؐ کی توہین کے مترادف ہے۔

اعتراض (20):۔ تفسیر صافی ص ۱۲ میں ہے کہ ان دو آیتوں کے درمیان تیسرے

حصے قرآن سے زیادہ گرادیا گیا ہے۔ کیا اس روایت کے پیش نظر موجودہ قرآن ناقص و انقص نہ ٹھہرا۔ ایسے عقیدے والے پر آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب:۔ یہ تو دو آیتوں میں سے ایک تیسری آیت کے گرانے کا ذکر ہے۔ مگر آپ کے ہاں تو متعدد آیات کا ضائع ہونا مسلمہ ہے۔ مثلاً ہم نے ادھر ذکر کیا سورۂ احزاب کی ۲۰۰ آیات میں سے صرف ۷۳ باقی ہیں اسی طرح سورۂ توبہ کا صرف ۱/۴ باقی بچا اور ۳/۴ جاتا رہا۔ آیتوں کی تحریف کو تو جانے دیجئے سینکڑوں مثالیں نقل کرسکتا ہوں۔ آپ کے ہاں تو یہ بھی مرقوم ہے کہ قرآن کے سورے گرا دیے گئے۔ جیسا کہ امام سیوطی نے اتقان میں حسین بن منادی نے کتاب "ناسخ والمنسوخ" میں کہا ہے کہ۔

"**وممارفع رسمه من القرآن ولم يرفع من القلوب حفظه سورتا القنوت فى الوترتسى سورتى الخلع و الحفه**" یعنی منجملہ ان سورتوں اور آیتوں کے جن کے نقوش قرآن سے اُٹھالئے گئے ہیں مگر ان کی یاد دلوں سے نہیں گئی وہ دو سورے ہیں جو قنوت میں پڑھے جاتے ہیں اور سورہ الخلع اور سورہ الحفد کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ مگر اس وقت حضرت عثمان کے جمع کردہ قرآن میں ان کا نشان نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح مُلّا مرزا محسن کشمیری نے دلبستان المذاہب کے ص ۲۲۰ پر لکھا ہے کہ ایک سورہ "نورین" کے نام سے مشہور تھا جو اب قرآن میں موجود نہیں ہے مولوی موصوف نے اس پورے سورہ کی نقل بھی کی ہے اب جب کہ آپ کے علماء مشائخ نے اقرار کیا ہے کہ موجود قرآن مکمل نہیں ناقص و انقص ہے تو یہ آپ کے گھر کی بات ہے خود ہی فتویٰ قائم کرتے رہیے۔ ہمارے ٹانگ کیوں پکڑتے ہیں۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے ہی نہیں۔ کیوں کہ ہمارا ایمان مکمل و جامع قرآن مجید پر ہے اور اس کا جو حصہ اس وقت ظاہر ہے بلاشبہ کلام خدا ہے اور جو حصہ ظاہر نہیں ہے وہ بھی کلام الٰہی ہے۔

اعتراض (21):۔ تفسیر صافی ۱۲ میں ہے کہ۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:۔

ولو هشرت ١١ء كل ما اسقط و حرف و بدل معا يجرى هذا المجرى لطال وظهر مانخطره التقيه اظهاره

مجھے تقیہ مانع ہے ورنہ میں بتا دیتا کہ قرآن مجید کو کچھ قرآن سے ساقط کیا گیا اور تحریف و تبدیل کی گئی ہے۔

ذرہ برابر بھی خفی نہ رہا۔ اس مسئلے میں کہ آپ حضرات تقیہ کی وجہ سے اپنے مسلک تحریف سے ہمیں آگاہ نہیں فرماتے ورنہ آپ قرآنی آیات کے اسقاط کے قائل بھی ہیں۔ اور تحریف کے بھی اور تبدیل کے بھی پس ایک آیت کے قائم مقام جب دوسری عبارت رکھ دی گئی تو قرآن پر اعتبار نہ رہا۔ صحیح جواب عنایت فرمائیے؟

جواب:۔ مجیب عرض گذار ہے کہ مُراد حضرت امیرؑ کی اس عبارت سے ناسخ و منسوخ کلام بھی ہے آپ کو معلوم تھا کہ کون سی آیت منسوخ ہوئی اور اُس کی جگہ کون سی ناسخہ آئی۔ اور پھر یہ کہ کس ترتیب سے وحی کا نزول ہوا اور تفسیر کلام ہے کہ انہوں نے تقیہ کی خاطر ایسا نہ کیا کیونکہ حکومت نے ان کے پیش کردہ نسخہ قرآن کو لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور دریپش حالات کی موجودگی میں حضرت کا اپنے پیش کردہ نسخہ پر اصرار قبولیت کرنا یقیناً باعث افتراق و سبب انتشار اور وجہ ضعف مرکزیت و اتحاد تھا۔ لہذا سُنت الٰہیہ کے مطابق سکوت اختیار کر لیا۔ جس پر خدا نے اپنی پہلی کُتب کی قطع و برید پر خاموشی کو مصلحت سمجھا۔ چلئے کم سے کم آپ نے اتنا تو تسلیم کر لیا کہ ہم تقیۃً مسلک تحریف کے قائل نہیں یہ بھی ہماری فوقیت ہے کہ بقول آپ کے ہم حرف و بدل کو معلوا قبول نہیں کرتے۔ مگر آپ کی بے ایمانی کا یہ حال ہے کہ مسلسل تحریف کے قائل بھی ہیں۔ اور انکار بھی کرتے ہیں پھر یہ کہ اُلٹا چور ہوتے ہوئے کوتوال کو ڈانٹتے ہیں۔

لہذا آپ حضرات تحریف قرآن کے متعقد بھی ہیں اور دشمنان اسلام کے لیے مفید بھی پھر یہ کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

جبکہ ہمارا ایمان بالقرآن یہ ہے کہ اس میں تحریف کا ہونا محال امر ہے کیونکہ ناپاک ہاتھ اس تک رسائی ہی نہیں پا سکتے لیکن آپ کے چند علماء اقبال کرتے ہیں کہ آپ کا قرآن محرف ہے مثلاً آیت صلوٰۃ ہے ۲۳۸ **حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ہ البقرہ** پ ۲) یعنی تمام نمازوں کا عموماً اور درمیانی نماز کا خصوصاً تحفظ کرو۔ اور نماز میں اللہ کے آگے قنوت میں کھڑے رہو۔ شیعوں کا نماز میں قنوت کھڑا ہو کر پڑھنا اس آیت سے ثابت ہے۔

اب مستند روایات اہلِ سنۃ والجماعۃ سے اس آیت کی تحریف ملاحظ فرمالیجیے

" تفسیر درمنشور مطبوعہ مصر جلد اول ۳۰۲ میں امام سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ تخریج کیا ہے۔ مالک ابوعبیدہ، عبد بن حمید، ابویصلے، ابن جریر، ابن الانباری، المصاحف میں اور بیہقی نے سنن میں عمرو بن رافع سے کہ حفصہ نے کہا جب **حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰہ الوسطی** تک پہنچو تو مجھ سے پوچھ لینا۔ عمرو کہتا ہے کہ میں جب اس آیت پر پہنچا تو میں نے حفصہ سے حکم پوچھا۔ بی بی نے یہ آیت مجھے اس طرح املا کرائی ۲۳۸ **حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ہ**۔ اور فرمایا میں شہادت دیتی ہوں کہ میں نے اس آیت کو اس طرح رسول سے سنا ہے۔ سیلوطی نے بالکل ایسی ہی روایت کو مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مالک، احمد، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی داؤد و ابن الانباری اور بیہقی نے اپنی کتب میں بی بی عائشہ سے تخریج کیا ہے۔"

اب بتایئے اس میں ہمارا کیا قصور ہے مسلمانوں کی دو ۲ مائیں گواہ ہیں کہ "**والصلوٰۃ والعصر**" کا جملہ بمطابق قول سنیہ آیت میں سے گرادیا ہے۔

آیت تبلیغ:۔ ۶۷ **یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَ اللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** (پ ۶)۔

اس وقت قرآن میں موجود ہے یعنی اے رسول صلعم جو (حکم) تم پر تمہارے خدا کی جانب سے نازل ہوا ہے (بلاکم وکاست لوگوں کو) پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ تم نے رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا۔ اور اللہ تم لوگوں سے محفوظ رکھے گا"۔ اب ذرا سُنیوں کا اقبال جُرم تحریف ملاحظہ فرمایئے کہ اس آیت کی قائم مقام آیت کون سی ہے۔ علامہ سیوطی رقمطراز ہیں کہ اخراج کیا ابن مردویہ نے ابن مسعود سے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ہم جماعت صحابہ اس آیت تبلیغ کو اس طرح پڑھتے تھے۔

۶۷ **یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَ اللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** " مگر اس وقت ان علیا مولےٰ المومنین کا جملہ قرآن میں موجود نہیں ہے۔

فرمایئے جب عہد نبویؐ میں "ان علیا مولےٰ المومنین" بمطابق روایت سُنیہ مذکورہ قرأت ہوتا رہا ہے۔ تو پھر اس کے اخراج و تحریف کا کسی کو کیا حق تھا۔ مگر یہ جملہ آیت سے نکال لیا گیا۔ جب سُنیوں کے نزدیک ابن مسعود راوی ثقہ سیوطی سُنیوں کا مسلم امام درمنثور معتبر و مشہور تفسیر اس پر بھی اگر تم علیؑ کا نام قرآن سے نکال دینے کے بعد مسئلہ تحریف القرآن میں خود کو پاک دامن بناؤ تو یہ الو بنانے کے سوا اور کوئی کھیل نہ ہوگا۔ چلئے بقول آنجناب کے ہم نے پھر بھی تقیہ کا پردہ اوڑھ لیا۔ مگر آپ تو بالکل برہنہ نظر آتے ہیں۔ قرآنی آیات کے اسقاط کے لئے علانیہ مقر بھی ہیں اور تحریف کے قائل بھی۔ ترمیم کے بھی اقبالی ہیں اور اضافہ کے معترف ہیں۔ آیت کے مقابلہ میں دوسری آیت بھی رکھتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ کرنے کے باوجود آپ

اپنے ایمان کو معتبر خیال کیے ہوئے ہیں۔تو پھر ہماری علانی تحریف لاتعلقی کے باجود آپ ہمارے ایمانوں پر کس طاقت کے سہارے اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم صدیوں سے اعلان کر رہے ہیں کہ ہم قرآن مجید کو کلام الٰہی مانتے ہیں۔اس میں تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ایسی تمام روایات ہمارے نزدیک ناقابل قبول ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ خدا کے کلام میں کوئی مخلوق ردوبدل نہ کرسکا۔وہ ہر ترمیم سے پاک اور محفوظ ہے۔ لیکن خدا کی قسم آپ کا تو قرآن کی ایک آیت پر بھی ایمان ثابت نہیں ہے کیونکہ آپ کے مذہب میں ابھی تک حقیقت و ماہیت قرآن کا فیصلہ بھی نہیں ہوسکا۔اور آپ عبارت متنِ قرآن کو قرآن ہی تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ آپ کا قول ہے "صرف معانی کا نام قرآن ہے"۔جبریل صرف معنی لائے پھر رسولؐ نے عربی میں اسکی تعبیر کردی۔" (اتقان جلد اص ۴۴)

اعتراض (22):۔ تفسیر صافی ۱۲ میں ہے۔

المستفاد من مجموع هذاالاخبار و غیر ها من الروایات من طریق اهل البیت ان القرآن الذی بین اظهر نا لیس بمتماله کما انزل علیٰ محمد بل منه ماهو خلاف ما انزل الله ومنه ماهو مغیر محرف رانه قد حذف عنه اشیاء کثیرة.

ان حدیثوں اور اُن کے علاوہ اہل بیت کی روایات سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قرآن پورا وہی نہیں ہے جو کہ حضرت محمدؐ پر نازل ہوا تھا۔بلکہ بعض تو اصلی نازل شدہ قرآن کے خلاف ہے اور بعض متغیر ہے اور اس سے بہت سی چیزیں حذف کردی گئی ہیں۔!

کیا اس سے ثابت نہ ہوا کہ موجودہ قرآن محرف بھی ہے مبدل بھی ہے اور کلام الٰہی کے خلاف ہے کیا اب بھی ایسے اعتقاد رکھنے والے کے متعلق ہم ایمان بالقرآن کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

جواب۔ صاحب تفسیر صافی نے ازالہ شبہ اور رفع شک کی خاطر مفروضاً یہ عبارت عقیدہ تحریف کے خلاف قلم بند کی ہے اور بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ ان روایات کا تعلق متن قرآن مجید سے نہیں ہے بلکہ تاویلی توضیحات سے ہے لیکن چونکہ معترض کی بنیاد ایمانی تحریف پر قائم ہے اسلئے انہوں نے عملی خیانت کرتے ہوئے اس مفروضہ عبارت کو نقل کر کے اعتراض وارد کیا ہے حالانکہ مُفسر نے خود ہی اس پوری عبارت کی تردید کر دی ہے جو آئندہ نقل کی جائے گی دراصل صاحب تفسیر نے یہ مفروضہ قائم کر کے بڑی عمدہ بحث کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ہم تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ اس کے برعکس سُنی مذہب کے مطابق قرآن محرف ہے اور مبدل بھی نیز کلام خدا کے خلاف بھی ہے۔ بلکہ اُن کے مذہب میں قرآن سے مراد کوئی لفظی کتاب ہے ہی نہیں بلکہ وہ صرف معانی اور مطالب کو قرآن سمجھتے ہیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ جب ان کا ایمان وعقیدہ یہ ہے کہ لفظی قرآن، قرآن ہی نہیں بلکہ صرف معنوی قرآن ہے پھر اُن کا ایمان کلام خدا پر نہ رہا۔ بلکہ صرف فہم قرآن پر ہوا۔ اندریں صورت معترض کو منکر کلام الٰہی ہوتے ہوئے یہ حق ہی نہیں ہے کہ کتاب خدا کے ایمان پر گفتگو کریں۔ کلام کی تحریف پر وہ آدمی بولے جو کلام پر ایمان لائے جب کہ سُنی معنی ومفہوم کو مانتے ہیں کلام کو منزل ہی اعتقاد نہیں کرتے۔ یعنی پورے قرآن کی عبادت سے انکار کرتے ہیں۔ جب کہ ہم کلام وکلیم دونوں پر اعتقاد کرتے ہیں۔ تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ پس ہمارا دعویٰ ایمان سچا و پختہ ہے اور آپ کا تو ایمان ہی نہیں ہے کچھ نہیں تو عدم وجود سے نقص وجود بہتر مان لو۔

اعتراض (23):۔ جب اس میں تصریح کر دی گئی کہ اکثر روایات سے قرآنی

تحریف مستفاد ہوتی ہے۔ پس محبت اہل بیت کے مدعیان کیا اس کا انکار کر سکتے ہیں۔؟

جواب:۔ جب خدا نے قرآن میں یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ اکثروں کو گمراہ کرتا ہے اور آیات متشابہات کی تاویلیں بھٹکا دیتی ہیں تو کیا توحید کے پرستار اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ خدا کی کتاب گمراہی کا سبب بھی ہو سکتی ہے۔ جو جواب قرآن صامت کیلئے نام نہاد توحید پرستوں کا ہوگا وہی جواب محبین اہل بیتؑ کی جانب سے سمجھ لی جئے۔ اہل بیتؑ بھی قرآن ناطق ہیں صامت قرآن سے جدا نہیں ہیں۔ ایک دوسرے کے لازم وملزم ہیں۔ لیکن صاحب صافی نے یہ بات تحریر نہیں کی ہے کہ اہل بیتؑ کی روایات سے قرآنی تحریف مستفاد ہوتی ہے۔ بلکہ یہ محض فرضاً وتمثیلاً افہام وتفہیم کی خاطر لکھا گیا ہے جس کی تردید عبارت کے خاتمہ پر کر دی گئی ہے۔

اعتراض (24):۔ اگر یہ مکر کہا جائے کہ اس پوری کی پوری عبارت کو نقل کر کے صاحب تفسیر نے اس کی تردید کر دی ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے۔

ان صحت هذا الا مینا فلعل اتغیر انما وقع فمالا اخل بالمقصود کثیرا۔

اگر حدیثیں صحیح ثابت ہو جائیں تو شاید تغیر واقع ہوئی ہے تو اس میں سے جن سے مقصود میں زیادہ خلل واقع نہ ہو۔

فرمائیں اس عبارت میں صاحب تفسیر نے تغیر کا انکار کیا ہے یا اقرار۔

جواب (25):۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے سچی بات کی مخالفت مخالف ہی کے منہ سے اُگلوا دی اور اُس نے قبول کر لیا کہ صاحب تفسیر نے اپنی پوری عبارت کی تردید کر دی ہے لہذا مجھے ثبوت

پیش کرنے کی زحمت سے چھٹکارا مل گیا۔ اب جواب طلب امر کی جانب آیئے کہ اُصول عدالت یہ ہے کہ شہادت یقینی ہونی چاہیئے نہ کہ شکی۔ آپ نے جو عبارت نقل فرمائی وہ حتمی نہیں فرضی ہے اور گواہی کے درمیان اگر و بالفرض کی قید ممنوع ہوتی ہے اس عبارت سے بھی ہمارے مطلب کو تقویت ملتی ہے کہ اگر بالفرض ان روایات کو صحیح مان لیا جائے جن سے تحریف کا شبہ گزرتا ہے تو بھی تغیر و تبدل و خلل اصل مقصود (قرآ مجید) پر واقع نہ ہوگا بلکہ تاویلات و توضیحات سے متعلقہ ہوگا۔ اس عبارت میں صاحب صافی نے بالوضاحت تغیر کلام الٰہی کا انکار کیا ہے اور تاویلات میں رد و بدل کا اقرار کیا ہے۔

اعتراض (26):۔ صاحب تفسیر صافی کا عذر کب مسموع ہوسکتا ہے جب کہ مُلا باقر مجلسی نے مرءۃ العقول شرح الفروع والاصول ص ۱۷۱ جلد ۱ میں تصریح کر دی ہے۔

والا خبار من طریق الخاصه والعامة فی النقص و التغیر متواترة

قرآن مجید کے نقص اور تغیر کے سلسلہ میں حدیثیں متواتر ہیں۔

فرمایئے کیسی ہے طبیعت

جواب:۔ علامہ مجلسیؒ کے اس جملہ کا یہ مطلب ہرگز خلاف واقعہ ہے جو معترض نے ترجمہ کر کے اخذ کیا ہے اول "تو لفظ حدیث کا وجود ہی نہیں بلکہ "اخبار" ہے حدیث اور اخبار میں اتنا فرق ہے جتنا معصوم اور غیر معصوم میں ہوتا ہے۔ اور پھر یہاں متواتر سے مُراد حدیث متواتر نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ حدیث متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جو زمانہ پیغمبرؐ میں بھی مشہور ہو۔ جب کہ کوئی ایک بھی شخص اس کا قائل نہیں کہ حضورؐ کے دور میں تحریف ہوئی۔ اور پھر ہر طبقہ میں اُسے تواتر ہونا چاہیئے۔ دراصل علامہ مجلسی کی مراد یہ ہے کہ نقص و تغیر کی اخبار جو ہر خاص و عام طریقہ سے (یعنی شیعہ سنی روایات) ملی ہیں مسلسل

ہیں ۔ اوران اخبار کا تعلق یقیناً کلام خدا سے نہیں ہے بلکہ موضوع تاویلات سے ہے کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید میں ایک صرف بلکہ ایک نقطہ تک مبدل ومحرف نہیں ہوسکتا ہے۔ جب کہ آپ کا اعتقاد قرآن مجید کے بارے میں اس روایت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

ابوعبیدہ نے فرمایا! ہم سے حجاج نے ہارون بن موسیٰ کی حدیث فرمائی وہ کہتے تھے کہ مجھ سے زبیر بن حریث نے عکرمہ کی زبانی خبر بیان کی اُس نے کہا جبکہ مصاحف (قرآن) مکتوب ہونے کے بعد حضرت عثمان کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے ان مصاحف میں کچھ غلطیاں پائیں تو فرمایا انہیں بدلنا مت کہ عرب ان کو ٹھیک کرلیں گے"۔ (اتقان جلد ا ص ۱۸۴) غلطیوں کا ہونا محرف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جب خود جامع القرآن اغلاط کا معترف ہو تو پھر اور کسی گواہی کی ضرورہی نہیں ہے ۔

اعتراض (27):۔ فرمایئے کیا فصل الخطاب میں تصریح نہیں کی گئی۔

ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحۃ الاخبار المستفیضۃ!

بلاشبہ علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ تحریف قرآن کے سلسلے میں حدیثیں صحیح ہیں اور کثیر ہیں۔

جواب :۔ جی نہیں آپ نے اُلٹا مطلب نکالنا چاہا ہے۔ مُراد اس سے یہ ہے کہ لوگوں میں بہت کم افراد نے ایسی اخبار کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

اعتراض (28):۔ کیا مرأۃ العقول ص ۵۳۶ میں یہ عبارت موجود ہے۔

ولا یخفی ان هذا الخبر وکثیر من الاخبار الصحیحة دالة علی التغیر

مخفی نہ رہے یہ بات کہ یہ حدیث اور بہت سی حدیثیں بتائی جاتی ہیں کہ قرآن میں تبدل وتغیر واقع ہو چکا ہے۔!

جواب:۔ یہاں بھی لفظ حدیث استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اخبار ہے اور اس تغیر سے مُرادو یلات موضوعہ ہیں۔ نیز اس عبارت روایت میں لفظ قُرآن بھی نہیں ہے۔ اور گفتگو تاویلات ہی سے متعلق ہے۔

اعتراض (29):۔ کیا مرأۃ العقول ص ۱۷ میں یہ تصریح نہیں ہے۔؟

ذهب الکلینی والشیخ العفیه رخماعته الی ان جیع القرآن عندالئمة!

محمد بن یعقوب کلینی مصنف اصول کافی اور شیخ مفید اور شیعوں کی بڑی جماعت اس طرف ہے کہ قرآن اماموں کے پاس ہے۔

اب جو غیر قرآنِ غیر آئمہ کے پاس ہے وہ ناقص ثابت ہوایانہ؟ اور جو قرآن آئمہ کے پاس تھا اُسے انہوں نے چھپایا نہ؟

جواب:۔ یہ درست ہے کہ قرآن کا وہ نسخہ جسے حضورؐ نے املاد کروایا تھا۔ اور اس میں تمام حواشی وتفاسیر آنحضرتؐ نے قلمبند کروائے۔ جسے حضرت علیؑ نے اکٹھا کر کے حکومت کو پیش کیا۔ جسے بر سر اقتدار طبقے نے لینے سے انکار کر دیا آئمہ کے پاس ہے اب جو قرآن غیر آئمہ کے پاس ہے وہ آئمہ کے نسخہ قرآن کے مقابلہ میں تھوڑا ہے۔ اور نقل بمطابق اصل نہیں ہے اس لئے علماءِ سُنیہ نے اس میں غلطیاں تسلیم کی ہیں۔ جیسا کہ ابن الانباری نے بطریق ابو بشر سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ

تلاوت کرتے تھے **والمقیمن الصلوٰۃ** اور کہتے تھے یہ بات کہ قرآن میں کاتبوں سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ (اتقان جلد ا ص ۱۸۴) پس چونکہ نقل بمطابق اصل نہیں ہے ازروئے مسلک اہل سنتہ والجماعت ان کا قرآن جو غیر آئمہ کے پاس ہے ناقص ٹھہرا۔ کیونکہ نقل کی غلطی اصل کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے اصل نسخہ قرآن جو آئمہ کے پاس ہے تمام نقائص واغلاط سے پاک ومنزا ہے۔ بروئے قرآن مجید غیر آئمہ قرآن کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ لہذا غیر آئمہ کے قرآن کو اصلی کہنا اصلاً خلاف نصِ اصول ہے۔ اور جس طرح خدا نے لوحِ محفوظ میں قرآن مجید کو چھپایا ہے۔ اُسی طرح آئمہ نے بحکمِ خدا اُسے پوشیدہ کیا ہے اور ضرورت کے وقت اُسے ظاہر کیا جائے گا۔

اعتراض (30): کیا مراۃ العقول ص ۱۷۱ میں فیصلے کے طور پر اس مسئلے کو بیان نہیں کیا گیا۔

والعقل یحکم بانہ اذا کان متفرقاً ستنشراً عندالناس .

عقل حکم کرتی ہے کہ جب قرآن لوگوں کے پاس متفرق ومنتشر تھا۔

کہ صحیح عقل کا یہ فیصلہ ہے کہ جب قرآن آیات منتشر ہوں، متفرق ہوں، غیر معصوم لوگوں کے پاس ہوں۔ جمع کرنے والے بھی غیر معصوم تو لامحالا غلطی کا وقوع یقینی ہے۔

جواب:۔ علامہ مجلسیؒ کی اس رائے کے خلاف کہنا بالکل ایسا ہوگا جس طرح چڑھا سورج دیکھ کر روزِ روشن کا انکار کردیا جائے۔ اور کہا جائے کہ ابھی رات ہے نقل قرآن میں اغلاطِ سہوی کا رہنا بالکل ممکن ہے اور عملاً ایسی مثالیں موجود ہیں کہ آج بھی قرآن نسخوں میں اغلاط ہوتی رہتی ہیں اور حکومت پاکستان نے مجبوراً نیا قانون وضع کیا ہے کہ نقل قرآن میں احتیاط کی جائے۔ اور غلطی کی صورت

میں تعزیر کا حکم دیا گیا ہے۔ عقل کا یہ فیصلہ اپنی جگہ اٹل ہے لیکن یہ بات نقل سے مکمل طور پر ثابت ہے کہ اہل سنتہ کے بقول خود جامع القرآن حضرت عثمان نے غلطیوں کی موجودگی اور وقوع کا اعتراف کیا ہے۔ کُتب سنیہ سے ایسی مثالیں کثیر تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی کی اتقان کی دوسری جلد کے ص ۲۵ پر ہے کہ "علامہ ابوعبیدہ نے فرمایا کہ ہم سے حجاج نے ابن جریج کی روایت بیان کی۔ اُس نے کہا کہ مجھے ابن ابی حمیدہ نے حمیدہ بنت ابو یونس نے خبر دی۔ حمیدہ نے کہا میرے سامنے حضرت ابی بن کعب نے درآنحالانکہ وہ اسی برس کے تھے مصحف عائشہ میں آیت پڑھی۔

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلمو تسلیما وعلی الذین یصلون الصفوف الاول

حمیدہ نے کہا عثمان کے تغیر مصاحف سے پہلے کا یہ واقعہ ہے"۔ (یہ روایت صحیح ہے کہ سنیوں نے اس پر کوئی جرح قدح نہیں کی۔) اب جب حکم عقل و نقل سے آپ کے مذہب کے مطابق جامع القرآن مجرم تحریف قرار پاتے ہیں۔ اور آپ کے مسلک کے رد سے آپ کا قرآن محرف و ناقص ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر آپ شیعوں سے بحث کر کے اپنا بھرم کیوں گنواتے ہیں پہلے اپنے علماء کے ایمان کی حفاظت کریں پھر ہمارے ساتھ بات کریں۔ ہم تو غیر معصوم اور قرآن کے باہمی انسلاک کے قائل ہی نہیں لہذا ہمارا قرآن محفوظ ہے۔

اعتراض (31): علامہ باقر مجلسی اصفہانی گیارہویں صدی کے مجتہد کے اس فیصلے سے آپ کو اتفاق ہے یا اختلاف اگر اتفاق ہے تو فھو المقصود اور اگر اختلاف ہے تو وجوہ اختلاف پر روشنی ڈالیے؟

جواب:۔ علامہ مجلسیؒ کے مرقوم بالا قول سے مجھے اتفاق ہے اور سُنی علماء بھی اس سے متفق ہیں۔ زمانہ عثمان میں مدینہ کی جماعت صحابہ نے ان اصحاب کو تحریر کیا جو مصر میں رہائش پذیر تھے کہ "خدا کی کتاب میں تبدیلی کی گئی ہے۔ (الامامت والسیاست ج ا ص ۵۹) جب اہل مدینہ صحابہ کی ایک جماعت نے اس تبدیلی کا ذکر کیا اور احتجاج کیا تو علامہ مجلسیؒ کے محض عقلی استدلال پر آپ سیخ پاء کیوں ہورہے ہیں حالانکہ علامہ موصوف کی مراد امکان غلطی بسبب عدم معصومیت کو استحکام دینا ہے اور عقیدہ عصمت وطہارت کو تقویت پہنچانا ہے۔

اعتراض (32):۔ تفسیر صافی ص ۱۲ میں مشائخ اہل تشیع کا قول ملاحظہ فرما کر تائید فرمایئے یا اظہار برات

اما اعتقاد مشائخنافی ذالک فا الظاہر من ثقة الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی طاب ثراہانه کان یعتقد التحریف والنقصان

ہمارے مشائخ کا عقیدہ تحریف قرآن کے سلسلے میں پس ظاہر ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی سے یہ ہے کہ وہ تحریف ونقصان قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے؟

جواب:۔ ہم اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کلینیؒ تحریف کے معتقد ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ آنجناب صرف تاویلات وتشریحات وتفسیری حاشیوں کی تحریف وردوبدل کے قائل تھے۔ قرآن سے مراد اُن کی مصحف علیؑ تھا جو حضورؐ نے املا کرایا تھا۔ اور اُس میں تمام توضیحات وعلوم مشرح تحریر تھے۔ صاحب تفسیر صافی نے بھی آگے جاکر اسی غلط فہمی کو دور کیا ہے جو ظاہر دکھائی دیتا ہے کہ کلینیؒ تحریف کے قائل تھے وہ تحریف دراصل قرآن مجید کی نہیں ہے بلکہ مرادوہ تشریحات جو بطور

فوٹ نوٹ حضورؐ نے قلمبند کرائے تھے جن کو گرا دیا گیا اور اپنی من پسند تاویلات وتھا دی گئیں۔

اعتراض (33):۔ یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وتحریف کا قائل ہے۔ جب آپ نے محمد بن یعقوب کو مشائخ میں سے تسلیم کر لیا۔ نیز ثقۃ الاسلام بھی کہہ دیا تو کیا ہم حق بجانب نہیں کہ ہم آپ کو بھی اسی قائلین تحریف کی صف مین شمار کر لیں؟

جواب:۔ اولاً حضرت ثقۃ الاسلام جناب کلینیؒ اس تحریف کے قائل نہیں ہیں لیکن اگر بالفرض محال ہوں بھی تو وہ مشائخ و ثقۃ الاسلام کہلانے کے حق سے محروم نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر سے لے کر دور حاضر کے جید علماء اہل سُنت نے اقرار تحریف کیا ہے۔ ہم نے گذشتہ صفحات مسلک سُنیہ کے مطابق حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابودرداء، حضرت ابوکعب، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت علی علیہ السلام وغیرہ کے اقوال سے تحریف ثابت کی ہے۔ جب یہ صحابہ و صحابیات بھی اس قطار میں کھڑے نظر آتے ہیں پھر کلینیؒ کی اور ہماری لائن الگ کیوں بناتے ہیں۔ پہلے اپنی صف کو دیکھیں پھر ادھر نظر کریں۔ مگر کچھ اپنی بھی خبر لیں کہ آپکے قرآن کا ایک حرف بمطابق مسلک اہلسنت قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ نص آپ کے مذہب کے مطابق حدیث متواتر سے قائم ہے کہ قرآن حرف سبعہ (۷) میں نازل ہوا۔ علامہ سیوطی نے اکیس صحابہ سے یہ حدیث نقل کی ہے جن میں عمر بن خطاب، اور عثمان بن عفان جیسے سنی راشد خلیفے بھی شامل ہیں۔ لیکن اس بات پر سخت تعجب ہے کہ سیوطی لکھتے ہیں "اختلاف کیا گیا ہے آیا مصاحف عثمانیہ مشتمل ہیں کل حروف سبعہ (۷) پر"۔ پس فقہا اور قاریوں اور متکلمین کی جماعتوں کا اس کے خلاف مذہب ہے۔ انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔ اسبات پر کہ قرآن میں کسی حرف کی نقل چھوڑ دینا ہرگز صحابہ کو جائز نہ تھا۔

(بقول سیوطی) حالانکہ صحابہ نے اتفاق کیا تھا اس بات پر کہ صحف عثمانیہ نقل کیے جائیں ان صحیفوں سے جو ابوبکر نے لکھے تھے اُن کے ماسوا کو چھوڑ دینے پر صحابہ نے اتفاق کرلیا"۔ (اتقان جلد ا ص ۵۱) "الحاصل فقہائے اہل سُنۃ اور سنی قاریوں اور متکلمین کے اقوال ناقابل انکار سے آپ کے جرم تحریف کی پردہ پوشی نہیں ہوسکتی اور آپ کو قائلین تحریف کی صف سے الگ نہیں کیا جاسکتا"۔

اعتراض (34):۔ اگر یہ مکر کریں کہ تفسیر صافی کے ص ۱۲ سطر ۲۵ میں مندرج ہے۔

ان القرآن علی عهد الرسول الله صلی الله علیه وسلم کان معبسوعاً مولفا علی ماهو الان

بلاشبہ قرآن حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں مجموعہ مولف اسی طرح تھا جیسا کہ آج ہے۔

تو ذرا سطر ۳۲ پر نظر ڈال کر بتایئے کہ کیا اس میں آپ کے نظریے کی نقاب کشائی نہیں کی گئی۔

واما کونه محبوعا نی عهید البنی علی ماهو علیه الان فلم یثبت:۔

بہرحال قرآن کا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جمع ہونا جیسا کہ آج ہے یہ ثابت نہیں

جواب:۔ اس میں رتی بھر بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے رسول کریم ﷺ نے خود پورا و مکمل و مشرح نسخہ قرآن املا کروایا۔ اور اُمت کو کتاب اللہ و عترت کے حوالہ کیا۔ اور موجودہ قرآن کا نسخہ نقل بمطابق اصل نسخہ نہیں بلکہ نسخہ رسولؐ میں تحریر شدہ وہ اضافی عبارتیں جن میں علوم کے سمندر تھے اور

گمراہی سے نجات کے طریقے تھے۔قدسی احادیث تھیں اس حالیہ مجموعہ میں موجود نہیں ہیں ان کی جگہ خودساختہ تشریحات لکھ دی گئیں ہیں۔اس لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن کا اصلی نسخہ زمانہ حضورؐ میں موجود تھا اور جس طرح وہ تھا اب بھی ویسا ہی موجود ہے مگر جو نقل بنائی گئی وہ ایسی مکمل ومشرح نہ بنائی گئی جس طرح نسخہ اصل ہے۔گوکہ کلام الہٰی میں تغیر ممکن نہ ہوسکا مگر تشریح وتاویل کا حشر کردیا گیا۔

اعتراض(35):۔ صاحب تفسیر صافی ص۱۲ میں تصریح کی ہے کہ۔

قدحذف عنه اشیاً کثیره منها اسم علی فی کثیر من المواضع و منها لفظ آل محمد غیر مرة و منها الفاظ المنافقین نی مواضعها وغیر ذالک!

بے شک قرآن سے بہت سی چیزیں حذف کی گئی ہیں حضرت علیؓ کا نام بہت سے مقامات سے اسی طرح لفظ آل محمد بہت مرتبہ اور بعض جگہ منافقین کے نام تھے وہ بھی گرادیے گئے ہیں۔

جواب:۔اس مبینہ حذف سے مراد وہی چیزیں ہیں جو بطور تشریح وتفسیر حضورؐ نے لکھوادی تھیں۔ہم کلام الہٰی کے رد وبدل کے معترف نہیں ہیں۔جب کہ آپ کے ہاں آیات کا اخراج بھی شامل ہے جیسا کہ مسلمہ بن مخلد انصاری نے کہا کہ مجھے قرآن کی وہ دو آیتیں بتاؤ جو مصحف میں مکتوب نہیں ہیں۔پس کسی نے ان کو یہ نہ بتائیں۔پس ابوالکنور سعد بن مالک ان کے پاس بیٹھا تھا مسلمہ نے دونوں آیتیں تلاوت کیں۔(اتقان ص ۳۱۷)

اعتراض(36):۔ اگر قابل قبول نہیں ہے کیا آیات کی ترتیب یا سورتوں کی یعنی

اسی ترتیب جس سے دین کے اثبات پر حرف آتا ہو.... اگر قابل قبول ہے تو ذیل کی عبارت کا کیا جواب ہے؟

لیس ھو علی الترتیب المرضی عند اللہ وعند رسولہ (تفسیر صافی ص ۱۲)

قرآن کی ترتیب خدا کی رضا کے مطابق نہیں ہے اور نہ رسولؐ کی رضا کے موافق ہے:۔

جواب:۔ اگر ہمیں یہ ترتیب قبول نہ ہوتی اور یہ اعتقاد کرتے کہ اس ترتیب سے اثبات دین پر حرف آتا ہے تو ہم قرآن ہی دوسرا بنا لیتے۔ ہمارا نظریہ صرف یہ ہے کہ یہ ترتیب بمطابق نزول نہیں ہے یہی بات صاحب تفسیر صافی نے لکھی ہے کہ یہ ترتیب کے موافق نہیں ہے جو خدا نے رسولؐ پر نال کی ہے اور مرضی سے مطلب موافقت ہے نہ کہ رضامندی۔ مذہب سنیہ کے نزدیک بھی موجودہ ترتیب بمطابق نزول نہیں بلکہ غیر توفیقی ہے۔ جیسا کہ لکھا۔ ہاں! ترتیب آیات کے توفیقی ہونے پر اسی حدیث سے اشکال وارد ہوگا جس کو ابن ابوداود نے المصاحف میں اپنے والد زبیر سے روایت کی ہے زبیر نے کہا حارث بو حربمیہ آخر سورہ برات کی یہ دو آئیتں لائے اور بولے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ دونوں آئیتں رسول اللہ سے سماعت کر کے یاد رکھی ہیں۔ عمر بن خطاب نے کہا واللہ میں بھی شاہد ہوں کہ اس نے ان دونوں کو سنا کاش کہ یہ تین آئیتں ہوتیں تو میں ان کا جداگانہ سورہ بنا دیتا۔ خیر اب تم قرآن کا آخری سورہ دیکھو اور ان دونوں کو اسی میں لگا دو۔ (اتقان جلد نمبر ۱ ص ۶۴)

اس سے ظاہر ہوا کہ اصلاً قرآن کے آخر میں سورہ برات تھی اور اب قرآن مجید میں سورہ نواں ہے۔ پس اگر جناب عمر والا قرآن جس پر وہ ایمان رکھتے تھے بمطابق تعلیم رسول تھا۔ تو یہ قرآن

جو موجود ہے اور جس کے آخر میں حسب حکم عمر یہ سورہ برات نہیں ہے۔ سنی مذہب اور عمر کے فتوٰی کے تحت غلط ہے اور معترض کے مطابق غلط و محرف قرآن پر ایمان ممکن ہے۔ لہٰذا معترض بقول خود مومن با القرآن نہیں ہیں۔ اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اور اگر موجودہ قرآن صحیح ہے تو حضرت عمر والا قرآن غلط ہوگا۔ اور اگر موجودہ قرآن صحیح ہے تو خلیفہ کا ایمان جاتا رہے گا۔ اب ہم پر ترتیب کے اعتراض کو تو چھوڑیں اپنے اور اپنے فاروق اعظم کے ایمان کو بچائیں۔ واضح ہو کہ اس حدیث کو موضوع بھی کہہ کر جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔ کیونکہ علامہ سیوطی نے اسے غلط نہیں سمجھا ہے اور اس پر کوئی جرح نہیں کی ہے پس اسی روایت سے ثابت ہوا کہ رسولؐ اللہ کے قرآن کے مطابق اس قرآن کی ترتیب نہیں ہے۔

اعتراض (37):۔ اگر آپ قائل تحریف نہیں ہیں تو ذیل کی عبارت کا جواب دیجئے جبکہ خیر امتہ موجودہ قرآن میں نہیں ہے؟

واما ما کان خلاف ما انزل الله نهو نوله تعالی کنتم خیر امته اخرجت للناس فقال ابوعبدالله لقاری هذا لاية خير امة يقتلون امير المومنين والحسين بن علي فصيل لة كيف نزلت يا بن رسول الله فقال انما نزلت خيرائمة الخرجت للناس۔ (تفسیر صافی ص ۱۲)

بہر حال جو کلام الٰہی کے خلاف ہے وہ کنتم خیر امتہ ہے الی قولہ راوی نے عرض کیا اے بیٹے رسول اللہ! کیسے نازل ہوئی خیر امتہ اخرجت للناس نازل ہوگئی

جواب:۔ یہ قرآت کی غلطی ہے اور سہو کتابت بھی ہو سکتا ہے۔ اسے تحریف میں شمار نہیں کیا جا

سکتا ہے۔ کیونکہ امت کی دونوں شکلیں ایک سی ہیں اعراب کا فرق ہے جو بعد میں لگائے گئے۔ لیکن کتب اہل سنتہ کا یہ حال ہے کہ وہ وہاں لفظوں کی ردوبدل ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب، "صراط الذین انعمت علیھم" کو "صراط من من انعمت علیھم" قرآت کرتے تھے اور "ولاالضالین" کو "وغیرالضالین" پڑھا کرتے تھے۔ (تفسیر درمنشور جلد اص ۱۵ مطبوعہ مصر) اسی طرح عبداللہ ابن زبیر بھی "من انعمت علیھم" اور "غیر الضالین" پڑھا کرتے تھے۔ (حوالہ مذکورہ بالا) فرمایئے جبکہ مذکورہ الفاظ موجودہ قران میں موجود نہیں ہیں کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سنی فاروق اور ابن زبیر تحریف کرتے تھے اور اہل سنتہ والجماعتہ تحریف کے قائل ہیں حالانکہ لفظی اشکال میں بھی واضح فرق نمایاں ہے۔ جو جواب ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔

اعتراض (38):۔ اگر آپ تحریف کا عقیدہ نہیں رکھتے تو ذیل کی عبارت کا جواب دیجیے جبکہ من المتقین موجودہ قرآن میں نہیں ہے؟

نقیل لہ ابن رسول اللہ کیف نزلت فقال انانزلت واجعل لنامن المتقین اماماً۔ (تفسیر صافی ص ۱۲)

پس کہا گیا اے ابن رسول اللہ کیسے نازل ہوئی ہے فرمایا واجعل لنا من المتقین اماما نازل ہوئی ہے!

جواب:۔ ہم آپ کے اعتراض کا جواب اس روایت سے دیتے ہیں کہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ:۔

واما اخرجہ ابن اشتۃ وابن ابی حاتم من طریق عطاعن ابن عباس فی تولہ تعالیٰ مثل نورہ کمشکوٰۃ قال ہی خطاء من الکاتب ھو اعظم من

ان یکون توره مثل نورالمشکوٰۃ انماھی مثل نورالمومن کمشکوٰۃ

یعنی وہ حدیث جسے ابن اشتۃ اور ابن ابی حاتم نے بطریق عطا ابن عباس سے قوم باری مثل کمشکوٰۃ کے بارے میں نقل کیا ہے یہ ہے کہ ابن عباس نے فرمایہ کاتب کی غلطی ہے خدا اس سے بزرگ ہے کہ اس کے نور کی مثل کمشکوٰۃ سے ہو بلکہ آیت یوں ہے۔ "ومثل نورالمومن کمشکوٰۃ" (اتقان جلد ا ص ۱۸۶)

لفظ "المومن" موجودہ قرآن شریف میں نہیں ہے بتایئے آپ کا عقیدہ تحریف ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ وکیل اہلسنت ہ ابن اشتۃ ایسی روایات کا جواب دیتے کہ جامعین قرآن نے انتخاب حرف میں خطا کی ہے اور حروف سبعہ میں سے لوگوں کے اتفاق کیلئے حرف کے منتخب کرنے میں غلطی کی ہے اور ایسی روایات میں جو کچھ لکھا گیا یہ غلط ہے قرآن سے خارج ہے حالانکہ ایسی روایات کو ابن اشتۃ نے قبول کیا ہے اور راویوں پر کوئی جرح یا شبہ کا اظہار نہیں کیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک ابن اشتۃ کی ایسی روایات رکیک ہیں۔ تاہم جب آپ کی چادر پر ایسے داغ نمایاں ہیں تو پھر ہم پر اعتراض کیسے کر سکتے ہیں۔ جو بھی جواب آپ اس روایت کا دیں گے وہی ہمارے اعتراض کے جواب میں دھرا لیجئے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ "من المتقین" وضاحت کے طور پر لکھا گیا ہے۔ اس سے مطالب پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جب کہ آپ کی روایت کے مطابق تشبیہ ہی غلط ثابت ہوتی ہے اور مفہوم میں خطا ظاہر ہوتی ہے۔ یہ رکیک غلطی ہے۔

اعتراض (39):۔ ذیل کی عبارت کا مطلب ضرور سمجھایئے اگر آپ خدانخواستہ قائل تحریف نہیں ہیں جب کہ موجودہ قرآن میں من خلفہ ورقیب کا لفظ نہیں ہے؟

نقال انما انزلت له معقبات من خلفه ورقیب من بین یدیه یحفظونه بامر الله۔ (تفسیر صافی ص۱۲)

فرمایا آیت یوں نازل ہوتی ہے **له معقبات من خلفه ورقیب من بین یدیه یحفظونه بامر الله**

جواب:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کسی بھی حالت میں ہو مگر اس کے لئے اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں اس کے نگہبان مقرر ہیں کہ اس کی حکم خدا سے حفاظت کرتے ہیں "من خلفه ورقیب" کے الفاظ تشریحی ہیں۔ مفہوم کی وضاحت کرتے ہیں معنی میں کوئی تغیر و تبدیلی پیدا نہیں کرتے ہیں۔ غلط تاویلات سے روکتے ہیں۔ ان سے نہ ہی معنوی تحریک کا خدشہ ہے اور نہ ہی لفظی تحریک کا یہ الفاظ خطوط وحدانی کے ہیں۔ راوی کی غلطی سے حصہ متن دکھائی دیتے ہیں۔ مگر آپ سے گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل عبارت کا مطالب باضروری ہمیں سمجھا دیں کہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ احمد ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن النباری، ابن حبان، حاکم، ابن مرویہ اور بیہقی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے۔ **قال اقرء فی رسول الله صلعم انی انا الرزاق ذوا لقدة المتین۔** یعنی ابن مسعود نے کہا پیغمبر صلعم نے مجھے پڑھایا "**ان الله هو الرزاق ذوالقوة المتین**" یعنی اس آیت میں ان انا کو "**ان الله هو**" کے ساتھ تبدیل کر دیا ہے۔

اب فرمایئے اور تفسیر جلد ۲ ص ۱۱۶ مطبوعہ مصر کا مطالعہ فرما کر فیصلہ کیجئے کہ آپ کے مذہب کے مطابق قرآن میں لفظی تحریف واقع ہوئی یا نہیں جب اس تغیر سے لفظی تبدل کے ساتھ معنوی تغیر بھی پیدا ہوتا ہے۔ آیت ۲۷ ویں پارے کے تیسرے رکوع کی ہے۔ تلاوت فرمایئے اور گریبان جھانکئے کہ جب آپ کا مذہب آپ کے علماء کے مطابق قابل تحریف قرآن ہے۔ تو آپ کو ہم پر یہ الزام لگاتے وقت کچھ تو شرم کرنا چاہئے۔ ہماری تو ہر بات کو تقیہ سمجھتے ہیں۔ مگر خود کی خبر ہی نہیں۔ ہم جب بار بار کہتے ہیں

کہ ہم تحریف کے قائل نہیں تو آپ جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ شیعہ تقیہ کر رہے ہیں۔ اور ہماری غلط سلط روایات جن کو صدیوں سے ہمارے علماء نا قابل اعتبار قرار دیتے ہیں لیکر بات کا بتنگڑ بناتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہی باتیں آپ کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں۔ لیکن اُن کا کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔ اور خوامخواہ اپنا جُرم ہمارے سرتھوپے جارہے ہیں۔

اعتراض (40):۔ تفسیر قمی ۱۲۱ میں ہے فان تنازعتم فی شئی فارجعوہ الی اللہ والی الرسول والی اولی الامر منکم! فرمایئے آپ کا اس عبارت پر ایمان ہے یا قرآن مجید کی اصلی آیت پر اگر موجودہ قرآن مجید کی اصلی آیت پر ایمان ہے تو مہربانی فرما کر اس سے مطلع فرمایئے اور صاحب تفسیر قمی پر جناب کا کیا فتوٰی ہے کہ اس نے پوری آیت کو بدل ڈالا ہے۔

جواب:۔ اگر آپ کسی شیعہ ادارہ کا شائع کردہ قرآن مجید (شروع سے آج تک) ہمیں دکھا دیں جس کے متن میں یہ عبارت مرقوم ہو تو پھر ہم سرکار قُمیؒ کے بارے میں فتوٰی تلاش کریں گے لیکن اگر یہ تفسیری نوٹ ہے اور تشریحی عبارت ہے تو پھر اُن پر فتوٰی دینے سے قبل ہم آپ پر کذب کا خدائی فتوٰی صادر کریں گے کہ جھوٹوں پر خدا کی بے شمار لعنت اور آپ کے لئے دُعا کریں گے اللہ میاں آپ کا حشر آپ کے اُن بزرگوں کے ساتھ کرے جنہیں تخلف اہلبیتؑ کی سزا مل رہی ہے۔ ہمارا قرآن کی صرف لفظی عبارت پر ہی ایمان نہیں بلکہ ہم مفاہیم و مصادیق کے بھی معتقد ہیں اور یہ تشریحی عبارت موجودہ آیت کی وضاحت کرتی ہے۔ لہذا ہم لفظی آیت پر بھی ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اور معنوی مفہوم پر بھی۔ لیکن براہ نوازش ذرا مندرجہ ذیل عبارت مطالعہ فرما کر تو فتوٰی صادر فرمایئے۔ علامہ سیوطی، امام

مالک، امام بخاری، امام مسلم اور ابن خریس کی ابن عباس سے روایت لکھتے ہیں کہ۔

"عمر بن خطاب ایک روز خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے پس حمد و ثناء الٰہی کے بعد یہ کہا کہ اے لوگو! محمد صلعم کو حق کے ساتھ بھیجا اور اپنی کتاب ان پر نازل کی پس جو کچھ ان پر نازل کیا۔ اُس میں آیت رجم بھی تھی۔ جس کو ہم نے خود پڑھا اور سنا تھا اور وہ یہ آیت تھی۔ **الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتته** اور رسول ﷺ نے رجم کیا تھا اور ان کے بعد ہم کرتے تھے"۔ اب فرمایئے حضرت عمرؓ نے آیت رجم کا خدا کی طرف سے نازل ہونا۔ حضورؐ سے سننا اور خود پڑھنا حضورؐ کا عمل کرنا اور پھر ان کے بعد خود راوی کا عمل کرنا جب ثابت ہے تو پھر یہ آیت موجودہ قرآن سے کہاں چلی گئی یا تو اپنے فاروق۲ کو جھوٹا کہیئے یا پھر تحریف کا اقرار کر لیجئے۔ اور دونوں صورتوں میں فتویٰ سنا دیجیے۔ ہم پر جو اعتراض ہے وہاں نہ ہی آیت بدلی اور نہ نکلی بلکہ صرف حاشیہ میں تفسیری الفاظ لکھے گئے مگر یہاں تو پوری آیت غائب ہے اور منسوخ کہی نہیں جاسکتی کہ حضرت عمر نے اعتراف کیا ہے کہ بعد از رسولؐ ہم نے اُس پر عمل کیا۔ بہر حال جو بھی بن پڑے جواب بنایئے۔

اعتراض (41):۔ الصافی شرح اصول کافی مصنفہ ملا خلیل قزوینی ص ۷۹ ج ۳ حصہ ۲ ترجمہ مقبول ص ۸۵۲ ج ۳ میں آیت کو یوں درج کیا گیا ہے **ومن یطع الله و رسوله فی ولایة علی من بعده فقد فاذ فوذاً عظیماً۔**

آپ کا اگر آیت کے ان الفاظ پر ایمان ہے تو موجودہ قرآن مجید کی آیت آپ کے نزدیک ناقص ٹھہری فرمایئے کیا جواب ہے؟؟

جواب:۔ یہ عبارت بھی کسی قرآن کے نُسخہ میں متن کی عبارت میں نہیں دکھائی جاسکتی۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت بھی محرف نقل کی گئی ہے حالانکہ اصلی الفاظ یوں ہیں کہ **ومن یطع اللہ ورسولہ فی ولایۃ علی و الآئمۃ من بعدہ فقد فاز فوزاً عظیماً۔** اور ترجمہ مقبول ۵۱۲ میں بالصراحت اس سے قبل یہ جُملہ لکھا گیا ہے کہ اس آیت کی تفسیر منقول ہے۔" جب یہ عبارت تفسیری حاشیہ میں درج کی گئی ہے تو کسی صورت میں بھی اسے تحریف میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس سے آیت کو کوئی نقص پہنچتا ہے۔ حالانکہ آپ کے ہاں آیت درود اس طرح لکھی گئی ہے کہ "ابوداؤد نے المصاحف میں حمیدہ سے یہ روایت کی ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ کے نُسخہ میں آیت یوں مرقوم ہے **ان اللہ وملائکۃ یصلون علی النبی والذین یصلون الصفوف الاول** "اب آپ بتائیے کہ آیات موصوفہ پارہ ۲۲ رکوع ۴ میں ہے مگر وہاں **والذین یصلون الصفوف الاول** کے الفاظ موجود نہیں ہیں اور اتقان نوع ص ۴۷ ص ۳۱۶ میں علامہ سیوطی نے جو روایت لکھی ہے وہ اُس میں صاف اقرار کیا ہے کہ قرآن میں حضرت عثمان کے تغیر کرنے سے پہلے یہ الفاظ آیت میں موجود تھے۔ یعنی عثمان نے تحریف کی تھی۔ کیا اندریں صُورت آیت مرقومہ آپ کے مذہب کے مطابق ناقص ٹھہرتی ہے یا نہیں۔ تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۲۲۰ مطبوعہ مصر اور اتقان حوالہ مذکورہ مطالعہ فرما کر فیصلہ کیجئے۔

اعتراض (42):۔ ترجمہ مقبول ص ۴۰۴ کے حاشیہ پر والمومنون کی تردید کی گئی ہے۔ الماموِنوں کو صحیح بتایا گیا ہے کیا اس طریقہ سے موجودہ قرآن مجید غلط نہ ٹھہرا؟؟

جواب:۔ ترجمہ مقبول میں لفظ "مومنون" کی تاکید کی گئی ہے نہ کہ "ماموِنون" کی۔ ناظرین دیکھ سکتے ہیں۔

مگر معترض سے پوچھتے ہیں کہ حافظ سیوطی نے جو یہ لکھا ہے کہ شافعی عبدالرزاق قریابی، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر ابن المنذر، ابی ابی حاتم، ابن الانباری اور بیہقی نے ابن عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ **قال ماسعت عمر یقرئو ھافظا لا مضوا الی ذکر اللہ انتھی یلفظہ۔** "یعنی ابن عمر نے کہا کہ میں حضرت عمر کو سورہ جمعہ میں یہ آیت **فاسعوا الی ذکر اللہ** کو ہمیشہ فامضوا الی ذکر اللہ پڑھتے سُنا ہے اور پھر سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمر وقت موت تک "فامضو" بجائے فاسعوا کے تلاوت کرتے اور کہ ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور ابن زبیر بھی یہی پڑھتے رہے۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ ص ۲۱۹ مطبوعہ مصر)

اب جواب دیجئے کیا حضرت عمر ابن الخطاب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرابن عباس اور ابن زبیر غلط قرآن پڑھتے تھے۔ یا موجودہ آیت غلط ہے۔ (معاذ اللہ) حالانکہ یہ سورہ جمعہ کی آیت ہے جس میں ناسخ و منسوخ کا سوال بھی پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ اب تو اُن تمام قاری حضرات کو خطاوار قرار دیجئے۔ یا فامضوا کا فاسعوا سے بدل جانا قبول کر کے تحریک کا اقرار دیجئے۔ یا فامضوا کا فاسعوا سے بدل جانا قبول کر کے تحریف کا انکار کر لیجئے۔ آپ کے مذہب کی گردن کی اب یہ حالت ہے کہ دونوں پھندے پورے آرہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کس کو گلے کا ہار بناتے ہیں۔ اور کس سے گلو خلاصی پاتے ہیں ادھر عدالت صحابہ ہے ادھر صحت قُرآن جدھر جائیں گے اُدھر ہی یا علی مدد کہنے والا ہی غالب آئے گا۔

اعتراض (43): الصافی ص ۹۳ بسما اشترو ابہ انفسھم ان یکفروا کی جس قدر تغلیط کی گئی ہے آپ اس کے حق میں ہیں یا نہ اگر حق میں ہیں تو آپ کیا منکر قرآن نہ ٹھہرے؟؟

جواب۔ الصافی ص ۹۳ میں مذکورہ آیت کی کوئی تغلیط نہیں کی گئی ہے یہ اختراع ہے کہ ثبوت دیا

جائے پھر اعتراض کا جواب طلب کیا جائے۔ اگر تشریحی و تفسیری بحث کو تغلیط کہہ دیا جائے تو پھر کوئی آیت نہ رہیگی جس کے بارے میں یہ گمان نہ کیا جائے۔ جب تغلیط ثابت ہی نہیں تو تائید و تردید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کو منکر یا مومن قرار دینے کا جواز۔

اعتراض (44):۔ اور اگر اس کے حق میں نہیں ہیں تو ملا خلیل پر فتوے اصادر فرمایئے۔۔۔ دیدہ باید۔

جواب:۔ علامہ قزوینیؒ پر ہم وہی فتویٰ صادر کرنے کی سفارش کرتے ہیں جو قدرت نے آپ کے قلم سے نقطوں کی صورت میں ظاہر کروایا ہے کہ علامہ اعلی اللہ مقامہ پنجتنی ہیں۔ دیدہ باید۔ نقطے شمار کر لیجئے۔ پورے پانچ ہیں اور یہ اس لئے کہ ہم اُس کے حق میں ہیں۔ انہوں نے کوئی تغلیط نہیں فرمائی ہے۔ محض تفسیر بیان کی ہے۔

اعتراض (45):۔ الصافی ص ۹۳ میں ہے ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی علی فرمایئے "فی علی" کی زیادتی آپ کے نزدیک آیت میں داخل ہے یا تفسیر میں؟

جواب:۔ تفسیر میں۔ اگر ہم آیت داخل کرتے ہین تو آپ کوئی کا نسخہ ثبوت میں لایئے۔ جہاں متن آیت میں یہ الفاظ قرآنی عبارت کی شکل میں مسطور ہوں۔

اعتراض (46):۔ اگر آیت میں داخل ہے تو موجودہ قرآن ناقص رہا۔ اور

اگر داخل ہیں بلکہ تفسیری کلمہ ہے تو کسی امام کے قول مستند الی السند الصحیح سے ثابت کیجئے۔

جواب:۔ قرآن مجید میں آیت کے ساتھ اس کلمہ کا مرقوم نہ ہونا کیا یہ کافی ثبوت نہیں ہے کہ آئمہ کے نزدیک یہ کلمہ معنوی و مفہومی لحاظ سے مُرادلیا گیا ہے اگر وہ ایسا حکم بڑھا لیتے۔ یہ تو محض تفسیری کلمہ کی بات ہے آپ ذرا درج ذیل عبارت پر تو غور فرمایئے کہ امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ عبدالرزاق ابن منذر، حاکم اور ابن مرویہ نے ابن عمر سے روایت کی ہے **ان رسول الله صلعم قرء فطلقر هن فی قبل عدتهن** یعنی سورہ طلاق پ ۲۸ رکوع۱۲ میں اس وقت **فطلقوهن فی قبل عدتهن** حالانکہ پیغمبر صلعم **فطلقوهن فی قبل عدتهن آیت** میں پڑھا کرتے تھے۔ یعنی اس میں بھی قبل عاتھن کو بعدتھن سے تبدیل و تحریف کر دیا گیا۔ اس تغیر کو تفسیری نوٹ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ ہی نسخ کی بحث کی جا سکتی ہے کیونکہ دونوں میں معنوں کا متضادی فرق ہے۔ بہر تفسیر در منشور جلد ۶ ص ۲۲۹ مطبوعہ مصر میں پوری عبارت کا مطالعہ کیجئے اور پھر بتایئے کہ کیا آپ کے مذہب کے مطابق آپ کے نزدیک موجود قرآن ناقص و محرف قرار پاتا ہے یا نہ بصورت دیگر کسی حدیث متواتر سے اپنا موقف ثابت کر دیجئے۔

اعتراض (47):۔ حاشیہ ترجمہ مقبول ۴۰۷ میں التائبوف العابدون الحامدون کے قائمقام التائبین العابدین لکھا گیا ہے آپ کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے۔ موجودہ قرآن کا انکار ہے یا زائد کلمات کی تشریح تفصیلی جواب درکار ہے؟؟

جواب:۔ اس اعتراض کا جواب بھی ہم نے تفصیلی و تشریح کے ساتھ کاء الافہام کے جواب ۸۸ میں لکھ دیا ہے ملاحظہ فرمالیجئے گا۔ یہاں صرف اتنی گذارش کروں گا کہ تشریح بر بنائے انتخاب صرت ہیں کیونکہ ساتھ حرفوں میں جو ایک لیا گیا ہے اس سے یہ لفظی فرق ہو جاتا ہے ورنہ معنی و

مفہوم میں مفاہمت ہے۔نہ ہی یہ زائد کلمات ہیں اور نہ ہی انکو بدلا گیا۔حرفی ولفظی سہود ہے جس کی مثال ہم نے بی بی عائشہ کی روایت میں اُوپر بیان کردی ہے۔

اعتراض (47):۔ ترجمہ مقبول ص ۵۷۹ کے حاشیہ میں وہ یزدی الظلمین ال محمد الاخسارا لکھا گیا ہے آپ شینی مسلک سے آگا فرمایئے؟؟

جواب:۔ ترجمہ مقبول ص ۵۷۹ کے حاشیہ میں یہ بات لکھی ہوئی ہمیں نہیں ملی یہ آیت ص ۳۴۷ میں ہے مگر حاشیہ میں ایسی کوئی عبارت مرقوم نہیں ہے اور نہ ہی ضمیمہ میں ہے تاہم اگر حاشیہ میں ایسا لکھا ہوا بھی ہوتو بھی قابل اعتراض نہیں کیونکہ حاشیہ کی عبارت جزو متن نہیں ہوا کرتی۔ البتہ یہ تشریح حقیقت پر مبنی ہے کہ ظالم آل محمدؐ کے نقصان میں زیادی ہوتی ہے۔مگر مندرجہ ذیل روایت کی روشنی میں آپ ہمیں سُنی مسلک سے باخبر فرمادیجئے۔عبد بن صالح نے ہشام بن سعید اور اُس نے زیدبن اسلم اور اُس نے عطا بن بسار سے اور اُس نے واقد لیثی سے روایت کی ہے۔ **قال کان رسول الله صلعم اذا اوحی الیه ایتناه فعلمنا مما اوحی الیه قال محبت ذات یوم فقال ان الله یقول انا انزلنا المال وقام الصلوٰة وایتاء ارزکوٰة ولو ان لابن آدم و ادیاً من ذهب لاحب انیکون الیها الثالث والا یمدء ابن آدم الا استراب و یتوب الله علی من تاب انتهی بلفظه۔**

خلاصہ یہ ہے کہ ابی واقد نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے پس حضور صلعم وہ وحی ہمیں تعلیم دیا کرتے۔لیثی نے کہا کہ حسب معمول ایک روز جب پیغمبر صلعم کی خدمت میں گیا تو یہ خط کشیدہ آیت پیغمبرؐ نے پڑھ کر سُنائی اور فرمایا کہ خدا تعالےٰ ایسا فرماتا ہے(تفسیر اتقان نوع ۴۷ ص ۳۱۶)

مگر اس آیت مال کو ہم موجودہ قرآن مجید میں نہیں پاتے ہیں کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ سُنیوں کے مذہب کے مطابق قرآن میں تحریف کی گئی ہے قابل خصوصی توجہ بات ہے کہ یہ آیت مال سُنیوں کے ہاں ناسخ و منسوخ میں کہیں موجود نہیں ہے۔ اب کہیئے تحریف کے قائل سُنّی میں یا شیعہ اس روایت پر اپنے تبصرہ سے آگاہ کر کے مطلع کیجئے کہ آپ کا مسلک کیا ہے؟

اعتراض (48):۔ ترجمہ مقبول ص ۴۱۲ کے حاشیہ میں لقد جاناء رسول من انفسنا عزیز علیہ ماعنتنا حریص علینا حالانکہ موجودہ قرآن مجید میں یہ اس طرح ہے لقد جارکم۔۔۔ من انفسکم۔۔۔ من انفسکم۔۔۔ ماعنتم۔۔۔ حریص علیکم۔۔۔

فرمایئے آپ آیت مذکورہ کے کن الفاظ کی تائید میں ہیں۔

جواب:۔ مختصراً یہ کہ ترجمہ مقبول کے حاشیہ میں قرائت کا تذکرہ ہے اور وہاں صرف "اَنفسکم" کا مفتوح الف ہونا بیان کیا گیا ہے باقی کوئی بات نہیں۔ اگر ہم آیت کو اس قدر غلط سمجھتے ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ ہم نے اس کو قرآن سے نکال کر اس کی جگہ صحیح آیت کیوں نہ لگالی۔ جب کہ آپ نے خوامخواہ اور مُفت میں بدنام کر رہی رکھا ہے۔ کیا ہمارے ایمان بالقرآن کے ثبوت میں صرف یہی ایک بات کافی نہیں ہے کہ صدیوں کے جھوٹے پروپگنڈے کے باوجود کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا ہے ہم نے کوئی مختلف قرآن بنالیا ہو۔ اگر ہم محرف ہوتے تو یقیناً یہ کوشش کر لیتے کیونکہ الزام تو بلا ارتکاب ہی ہم پر عائد کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن یہ ہماری پختہ ایمانی کی برہان تامہ ہے کہ جب کبھی بھی قرآن کے خلاف غیر مذہب والے کوئی گستاخی کرتے ہیں۔ تو دفاع ہمارا ہی کوئی ملنگ کرتا ہے اور دُشمن کے دانت کھٹے کر کے

رکھ دیتا ہے۔ جب کہ آپ حجروں میں بغلیں بجاتے رہتے ہیں ہم بدنامی ورُسوائی کے باوجود قرآن کی معنوی ولفظی لحاظ سے حفاظت کرتے ہیں اور اسے ثقلِ رسولؐ مانتے ہیں۔ اس سے متمسک ہیں اس کے ابدی ساتھی عترت کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔

اعتراض ۵۱۹:۔ تفسیر صافی ۱۲ میں ہے اما ما ھو محذوف عنہ فھو قولہ لکن اللہ یشھد بما اُنزل الیک فی علی۔ اس سے صاحب کتاب نے ثابت کیا ہے کہ فی علی کا لفظ صحابہ نے گرادیا ہے اب یہ آیت کامل نہیں ہے۔ جواب دیجئے؟

جواب ۵۱۹:۔ صاحب تفسیر کی مُراد تشریحی الفاظ کا گرانا ہے جو حضورؐ نے املا کروائے تھے۔ بہرحال اس کا تفصیلی جواب اگلے اعتراض کے جواب میں دے رہے ہیں۔

اعتراض (49):۔ اسیطرح یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من رب فی علی کے متعلق بھی تفسیر صافی ص ۱۲ میں منقول ہے کہ فی علی کو اس آیت میں گرادیا گیا ہے؟؟

جواب:۔ صاحب تفسیر صافی کا مدعا دراصل یہ ہے کہ آیت تبلیغ دراصل شان علیؑ میں نازل ہوئی اور حضورؐ نے بصراحت جناب امیرؑ کا نام زبان وحی بیان سے تشریحاً ارشاد فرمایا اور جو نُسخہ شرح آنحضرت نے املا کرویا۔ وہاں اس قسم کی تمام تفسیری وتاویلی عبارات موجود تھیں لیکن اس مودہ کو قبول نہ کیا گیا لہذا اس آیت کو بلا تشریح جمع کیا گیا۔ لیکن خود سُنی علماء اقرار کرتے ہیں کہ اس آیت میں ان کے

مذہب کے مطابق تحریف ہوئی ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی رقمطراز ہیں کہ "ابن مسعود نے کہا پیغمبرؐ صلعم کے زمانے میں ہم صحابہ اس آیت تبلیغ کو اس طرح پڑھا کرتے تھے۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولے المومنین فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک الناس۔ (تفسیر در منثور ۲۹۸ جلد ص ۲) لیکن اس وقت قرآن مجید میں ان علیا مولے المومنین کا کلمہ موجود نہیں ہے زمانہ رسولؐ کے مشہور قاری عبداللہؓ بن مسعود کی گواہی مشہور مفسر امام جلال الدین سیوطی کی تائید جیسے شواہد کیا یہ ثابت نہیں ہے کہ سُنی مذہب کے مطابق آیت میں تحریف کر دی گئی جب کہ یہ آیت سورہ مائدہ کی ہے جس میں مسلک سُنیہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ نو آیات میں تنسیخ واقع ہوئی ہے۔ اور ان میں آیت زیر بحث کو شمار نہیں کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے افادۃ الشیوخ فی الناسخ والمنسوخ ص ۷۰ مطبوعہ لاہور، اب جب اس قسم کی روایات آپ کے مذہب میں موجود ہیں تو پھر کیوں نہ آپ کو تحریف کا قائل سمجھا جائے مجھے معترض پر تعجب ہے کہ اپنی مذہبی پوٹلی پر نظر کئے بغیر خوامخواہ ہم پر طعن کر کے اپنے مذہب کی رہی سہی ساکھ ختم کر رہے ہیں اور ذلت اٹھا رہے ہیں۔

اعتراض (50):۔ تفسیر صافی ص ۱۲ میں وسیعلم الذین ظلموا ال محمد حقھم ای منقلب ینقلبون لکھا ہے حالانکہ موجوہ قرآن میں آل محمد حقھم موجود نہیں؟؟

جواب:۔ یہ بھی تفسیری الفاظ ہیں۔ لیکن اگر ہم بالفرض آیت کہہ دیں تب بھی ہم پر آپ کے مذہب کے مطابق کوئی حرف نہیں آ سکتا کیونکہ قرآن سے کسی آیت کا کم کر دینا آپ کے مذہب میں قابل مذمت نہیں ہے ثبوت کے لئے روایت پیش کرتا ہوں۔ ابن ابی داؤد نے حسن کے طریقہ سے روایت کی ہے حضرت عمر نے قرآن کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا کسی نے جواب دیا۔ فلاں

(صحابی) کے ساتھ تھی۔ (یعنی اُسے زبانی یاد تھی)۔ جو جنگ یمامہ میں مارا گیا آپ (عمر) نے فرمایا انا اللہ اور جمع قرآن کا حکم صادر فرما دیا (یعنی آیت کو تلاش کرنے کی کوشش نہ کی)۔ (ارتقان جلد اص ۵۹)

اب جب کہ آپ کے مذہب میں جمع قرآن کا ایسا نقشہ دکھائی دیتا ہے تو پھر آپ ایسی غیر احتیاطی صورت میں اپنے مذہب کے مطابق قرآن مجید کو کس طرح پورا اور مکمل و غیر محرف ثابت کر سکتے ہیں ہماری تفسیری عبارتیں آپ کو گراں گذرتی ہیں اور اپنی فاش کاروائی بھی اوجھل نظر آتی ہے۔

اعتراض (51): تفسیر صافی ص ۱۲ میں وسیعلم الذین ظلموا ال محمد حقھم ای منقلب ینقلبون لکھا ہے حالانکہ موجودہ قرآن اس زیادتی سے پاک ہے فرمایئے آپ کے نزدیک موجودہ قرآن ناقص رہا کہ نہ؟

جواب:۔ یہ بھی تفسیری عبارت ہے مگر میں آپ کے محرف چہرہ سے نقاب کھینچ کر ثابت کرتا ہوں کہ خود اُن صاحب نے جنھوں نے قرآن کو جمع کروایا۔ اقرار کیا ہے اس میں غلطیاں ہیں اور جس میں غلطی ہوگی وہ خود بخود ناقص ہوا۔ ملاحظہ فرمائیں جناب عثمان پکارتے ہیں کہ حضرت عثمان نے ان تینوں قریشیوں سے فرمایا تم اور زید بن ثابت قرآن کی کسی بات میں اختلاف کرو۔ تو اُسے قریش کی زبان میں لکھ دینا کہ قرآن انہی قریش کی زبان میں نازل ہوا۔ پس ان لوگوں نے بمطابق حکم عمل کیا (یعنی اختلاف کو قریشی زبان میں اپنے الفاظ میں لکھ دیا) (اتقاق جلد اص ۶۰، ص ۶۱)

اب میں پوچھتا ہوں کہ قرآن کا لوح محفوظ سے سات حرفوں میں اُترنا متواتر حدیثوں سے ثابت ہے پھر حضرت عثمان کا باقی چھ زبانوں کو چھوڑ کر صرف قریش کی زبان لکھنے کا حکم صادر کرنا کلام خدا میں انسانی کلام ملانے کا حکم دینے کے برابر ہے جو ناقص قرار دینے کا بین ثبوت ہے۔

اعتراض (52):۔ تفسیر صافی ص ۱۲ میں وتری الذین ظلموا ال محمد فتهم فی غمرات الموت۔ مسطور ہے حالانکہ موجودہ قرآن میں اس زیادتی کا کہیں نام ونشان نہیں تک نہیں ہے۔

جواب:۔ یہ عبارت بھی تفسیر ہی میں مرقوم ہوئی ہے مگر ذرا بتانے کی زحمت گوارا کیجئے کہ ان الانباری بطریق عکرمہ ابن عباس ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ان عباس نے پڑھا تھا۔ "افلمیتبین الذین امنون لویشاء الله یهدی الناس جمیحاً" کسی نے ابن عباس سے کہا کہ یہ آیت مصحف عثمان میں اس طرح نہیں ہے بلکہ افلم پیاس الخ ہے فرمایا میرا گمان ہے کہ کاتب کو اس وقت اونگھ آگئی جب اس نے یہ آیت لکھی (اتقان ص ۱۸۶ جلد ۱) کیا موجودہ قرآن میں بھی یہ آیت اس طرح نقل ہوتی ہے۔ حالانکہ عکرمہ بہت بڑا امام مانا جاتا ہے اور ابن عباس کو بحر العلوم کہا جاتا ہے۔

اعتراض (53):۔ اگر آپ مکر کریں کہ ہم تحریف کے قائل نہیں تو براہ کرم ذیل عبارت کا جواب دیجئے؟

ثواب الاعمال میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقر سے زیادہ سے طویل تھی مگر چونکہ اس میں عرب کے مردوں اور عورتوں کی عموماً اور قریش کی خصوصاً بداعمالیاں ظاہر کی گئی تھیں اس لئے اسے کم کر دیا گیا اور اس میں تحریف کر دی گئی۔ (ترجمہ مقبول ص ۸۵۳)

جواب:۔ یقیناً ہم تحریف کے قائل نہیں ہے اور جس عبادت کی بنیاد پر آپ نے ہم پر ایسا نا جائز شُبہ کیا ہے وہی بات آپ کے ہاں بھی لکھی جاتی ہے۔ جیسا کہ امام اہل سُنتہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ زرین حبشی نے کہا کہ ابی بن کعب نے مجھ سے کہا کہ سورۂ احزاب کی تم کتنی آئیتیں شمار کرتے ہو؟ میں نے کہا ۷۲ یا ۷۳ آیات۔ ابی کعب نے کہا کہ اگر یہ سورت پوری رہنے دی جاتی تو سورہ بقر کے برابر ہوتی (اتقاق ص ۳۱۶) پھر اسی جگہ حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ عہد رسالت میں یہ سورت دوسو آیات سے تلاوت کی جاتی تھی لیکن حضرت عثمان نے لکھتے وقت بس اتنی آیات لکھی ہیں جتنی اس وقت موجود ہیں۔ اگر سوا سو سے زیادہ آیات کی تحریف با اعتراف صدیقہ اہل سُنتہ آپ کو قائل تحریف ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے تو پھر ہم غریبوں پر طعن کس وجہ سے کیا جاتا ہے جو جواب آپ اپنی روایت کا وضع کرتے ہیں۔ آخر اس کا فائدہ ہمیں کیوں نہیں پہنچ سکتا ہے۔

اعتراض (54):۔ حاشیہ ترجمہ مقبول ص ۸۴۰ میں یہ آیت "ترجن من تشاء منھن یا یھا النبی قال لازواجک" کے ساتھ مگر قرآن مجید جمع کرنے کے وقت پیچھے ڈال دی گئی۔

فرمایئے آپ اس تقدیم تاخیر فی القرآن کے قائل ہیں یا نہ اور اس کا کیا جواب ہے جبکہ یہ روایت امام جعفر صادق نقل کیا گیا ہے۔

جواب:۔ ہمیں موجودہ قرآن کی ترتیب پر اتفاق نہیں کیونکہ یہ نزولی ترتیب نہیں ہے ایسی صورت میں موخر و مقدم کا ہونا ممکن امر ہے لیکن آپ حضرات ترتیب موجود ہی کو اصلی ترتیب سمجھتے ہیں۔ اور بظاہر تقدیم و تاخیر القرآن کے قائل نہیں ہیں حالانکہ آپ کی کتب معتبرہ سے ثابت ہوتا ہے آپ

تقدیم و تاخیر فی القرآن کے معتقد معترف ہیں مثلاً علامہ سیوطی نے روایت لکھی ہے کہ سعید بن منصور وغیرہ نے بطریق عمرو بن دینار عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس پڑھتے تھے **ولقد آئیننا موسیٰ و ھارون الفقان ضیاء** اور کہتے تھے اس واؤ کو لوا سے یہاں یعنی آئینہ **الذین قال لھم الناس ان الناس قدجمعود الکم** سے پہلے لکھ دو۔ (اتقان جلدا) اس روایت سے معلوم ہوا کہ آئیہ ولقد آتینا میں سے ابن عباس نے واؤ کو اٹھوا کر آیہ **الذین قال لھم الناس** کے پہلے رکھوایا تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ آپ بھی تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں۔

اعتراض (55): حاشیہ ترجمہ ص ۱۰۵ میں ہے تفسیر قمی میں وارد ہے کہ یہ آیت اس طرح "**ان اللہ اصطفی ادام وال ابراھیم وال عمران وال محمد علی العلمین**" تو لوگوں نے اصل کتاب سے لفظ آلِ محمد کو گرادیا۔ بتایئے اب بھی آپ کا ایمان قرآن پر رہا؟

جواب:۔ آل عمران مراد آل محمدؐ ظاہر کی گئی ہے جو حضورؐ نے ارشاد فرمائی یعنی تفسیری ہدایت یا قوسی عبارت تھی جو حضورؐ نے تحریر کروائی اور نسخہء علویہ میں مرقوم تھی مگر لوگوں نے اسے گرادیا۔ اگر ایسی تفسیر بیان کردینے سے قرآن پر ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے تو جواب مطلوب ہے کہ لفظی ردوبدل تحریف کیوں نہیں ہے جیسا کہ سیوطی نے لکھا ہے "اور وہ روایت جس کا اخراج سعید بن منصور نے بطریق سعید بن جبرا ابن عباس سے کیا ہے یہ ہے کہ ابن عباس نے قول باری تعالیٰ وقضی ربک کے بارے میں فرمایا کہ اصل میں یہ آیت ووصی ربک تھی کہ "ص" سے "و" مل گیا۔ ابن اشتہ نے اس روایت کو مزید مضبوط کیا ہے اور لکھا ہے کہ کاتب نے بہت سی روشنائی قلم میں لی تھی کہ واؤ صاد سے مل گیا (مگر افسوس ہے کہ درستی پھر بھی نہ ہوئی) (اتقان جلد ا ص ۱۸۶)

انتہائی حیرت کا مقام ہے کہ معترض اپنی فاش اغلاط کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اپنے چہرہ تحریف کو چھپا رہے ہیں مگر ہماری توسی ضمیمی عبارتوں کو بھی تحریف کہہ کہ علمی خیانتوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اعتراض (56):۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اصل آیت یوں تھی ال ابراہیم وال محمد بجائے محمد کے عمران بنا دیا۔ جواب دیجئے اور مذکورہ دو روایتوں میں ایک روایت بایں الفاظ کو ترجیح دیجئے۔

جواب:۔ پہلے اس روایت کا مکمل حوالہ درکار ہے پھر جواب دیا جائیگا۔

اعتراض (57):۔ جب آپ کے نزدیک موجودہ قرآن محرف، مبدل، مغیر، متنا کرالحروف، مدخل فیہ، محذوف الآیات، محذوف الکلمات، محذوف السور ناقص قرار پایا اور اصلی قرآن آپ حضرت کے نزدیک ہی وہی ہے جو امام مہدیؑ کے پاس ہے تو کیا آپ اس مسئلے پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ اس اصلی قرآن کا تعارف کیا ہے؟

جواب:۔ ہمارے نزدیک قرآن ان عیوب سے منزا ہے اور یہ ساری باتیں آپ کے مذہب سے قرآن کے لئے ثابت ہوتی ہیں جیسا کہ ہم نے متعدد روایات سے اپنا دعویٰ پایہ ثبوت کو پہنچایا۔ ہمارا چیلنج یہ ہے کہ آپ اپنے مذہب کے مطابق نہ ہی قرآن کو الہامی ثابت کر سکتے ہیں اور نہ اس کا متواتر ہونا کسی حدیث سے بتا سکتے ہیں بلکہ ہم نے اوپر درج کیا ہے کہ آپ کے مذہب میں قرآن کلام نہیں ہے پس جو مذہب اپنی کتاب کو الہامی ہی ثابت نہ کر سکے اسے حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں پر اعتراض

کرے۔ آپ کا ایمان بالقرآن اس لحاظ سے بھی ناقابل اعتبار ہے کہ آپ اصل کا انکار کرتے ہیں اور نقل کی تائید کرتے ہیں درحالیکہ دستو عدالت رائج ہے کہ گواہی و ثبوت شمار نہیں کرتا ہے کہ آپ کے اعتقاد اور ہمارے ایمان میں یہی فیصلہ کن فرق ہے کہ آپ صرف نقلی ثبوت پر اکڑ رہے ہیں جبکہ ہم اصل ونقل دونوں سے متمسک ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن قلب رسول ﷺ پر نازل ہوا۔ آپ نے اسے اُمت کو پہنچانے کا اہتمام کامل فرمایا۔ پس وہ قرآن جو امام مہدیؑ کی تحویل میں ہے اس کا تعارف یہ ہے کہ وہ لوح محفوظ سے نازل شدہ آیات کا ایسا مجموعہ ہے کہ جس کو موافق تنزیل حضورؐ نے خود تدوین فرمایا اور اس کی مکمل شرح ولسط لکھوائی تا کہ تمام گمراہیوں کا علاج ہو جائے۔ ہر مسئلہ کا حل بن جائے اس قرآن کے مسودہ کو آنحضرتؐ نے اہل بیتؑ کے سپرد فرمایا اور ضمانت دی کہ قرآن اور اہل بیتؑ میں جدائی نہ ہوگی۔ اُمت کو ان دونوں کو سپرد کیا۔

کتاب اور معلم کتاب کو فرائض ہدایات تفویض فرمائے پس یہی وجہ ہے وہ قرآن اصل اہل بیتؑ کا دائمی ساتھی قرار پا گیا۔ اب اس کا تعارف یہ ہے کہ اس تمام خشک وتر کے حالات مکمل تفسیر شرح وتاویلات حقیقی کے ساتھ مندرج ہیں۔ حکم خدا کے مطابق اس قرآن کو کسی بھی حالت میں کوئی نجس ہاتھ نہیں چھو سکتا ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی پہچان ہے کہ موجودہ القرآن نقلی ہے اس کو ہر پاک وناپاک مس کر سکتا ہے۔ مشرک ونجس افراد تک اٹھائے پھرتے ہیں جبکہ قرآن کا حکم ہے کہ مطہرین کے سوا اس کو کوئی نہیں چھو سکتا ہے پس یہ قرآن اصل جس تک ناپاک ہاتھ کی رسائی ممکن ہے وہ امام مہدیؑ کے پاس محفوظ ہے۔

اعتراض ۹۲۵:- کیا اس قرآن اور موجودہ قرآن میں عینیت ہے یا غیریت

اگر عنیت ہے تو چھپانے کا کیا مطلب۔ وہ تو ظاہر ہو چکا ہے۔

جواب، ۹۲۵:۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اصل و نقل میں غیرت تسلیم کی جائے نقل خواہ بمطابق اصل ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کا اپنا وجود غیر ہی ہوتا ہے۔ عین نہیں ہوسکتا ہے کہ امر محال ہے۔

اعتراض (58):۔ اگر غیریت ہے تو من کل الوجوہ یا من بعض الوجوہ؟

جواب:۔ میرے خیال کے مطابق جو قرآن آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں کل الوجوہ غیریت ہے (آپ کے مطابق)

اعتراض (59):۔ اگر من کل الوجوہ غیریت ہے تو فرمایئے آئمہ کرام کا عمل زمانہ ماضی میں کس درجہ کا رہا۔ مقبول یا غیر مقبول۔

جواب:۔ اگر آپ نے آئمہ کے عمل کو قبول اعتقاد کیا ہوتا تو پھر ان سے تخلف کر کے اکیلی کتاب کو کافی کیوں سمجھتے آپ کے مذہب کے مطابق آئمہ کا عمل غیر مقبول ہے جبکہ رسول کی حدیث کے مطابق اور شیعہ عقیدہ کی رو سے آئمہ بذات خود بولتا قرآن ہیں ان کی ہر حرکت قرآن تھی وہ مجسم قرآن تھے۔ قرآن اور ہمارے آئمہ میں افتراق نہیں ہوسکتا اور دونوں میں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے۔

اعتراض (60):۔ اگر مقبول رہا تو کیسے۔ کیا غیر قرآن پر عمل بھی مستوجب جنت بن سکتا ہے۔

جواب:۔ غیر قرآن پر عمل مستوجب جنت نہیں بن سکتا ہے جبکہ آئمہ کا ہر عمل تفسیر قرآن ہے کیونکہ وہ خود قرآن ناطق ہیں۔

اعتراض (61):۔ اگر غیر مقبول رہا تو معصومیت کے بقا کا ابھی سے انتظام فرمالیجیے؟

جواب:۔ آپ کے مسلک کی رو سے آئمہ کا عمل غیر مقبول تھا اسی لئے آپ ان کی عصمت کے قائل نہیں ہیں جبکہ ہمارے عقیدہ عصمت آئمہ اطہار پر اساس رکھتا ہے جو بغیر موافقت قرآن کے ممکن ہی نہیں۔

اعتراض (62):۔ فرمائیے جامع جس کا ذکر اصول کافی میں وارد ہے اس سے مراد قرآن یا کچھ اور

جواب:۔ جامعہ ایک جدا کتاب ہے جو قرآن کی تشریح و تفسیر ہی سے متعلقہ ہے۔

اعتراض ۹۳۱:۔ اگر کچھ اور ہے تو اس کا ثبوت چاہیے اور اگر عین قرآن ہے تو اس عبارت کا جواب مرحمت فرمائیے:

فيها كل حلال و حرام و كل شئ يحتاج الناس اليه (اصول کافی ایرانی ۱۱۵)

اس میں سب حلال اور حرام ہے اور ہر وہ چیز ہے جس کی طرف لوگ محتاج ہوں

کیا یہی عبارت ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین کا ترجمہ نہیں؟؟

جواب۔۹۳۱:۔صحیفہ جامع عین قرآن تو نہیں مگر قرآن الحکیم کی صرف ایک آیت کی تفسیر ہے کہ اس میں خشک وتر کا مفصل بیان ہے اس کا ثبوت اسی روایت میں موجود ہے کہ یہ کتاب قرآن مجید کی اضافی ومشرح ہے جیسا کہ امام پاک نے فرمایا" اے بومحمد (کنیت ابوبصیر) رسول خدا نے علیؑ کو ہزار باب علم کے تعلیم کے لئے اور ان کے ہر باب سے ہزار باب اور ظاہر ہوئے میں نے کہا واللہ علم اس کا نام ہے پس حضرت کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا اے ابومحمد! ہمارے پاس جامعہ ہے۔لوگ کیا جانیں جامعہ کیا ہے میں نے کہا میں قربان۔

(اوان عندنا الجامعه ومایدر یهم ما الجامعه قال قلت فداک وما الجامعه) آپ بتائیں؟ فرمایا وہ ایک صحیفہ ہے ستر ہاتھ (گز) لمبا رسول اللہؐ نے اپنے زبان مبارک سے بیان فرمایا اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے اس کو لکھا اس میں تمام حلال وحرام کا ذکر ہے اور ہر اس شئے کا جس کی احتیاج لوگوں کو ہوتی ہے۔(قال صحیفه طولها سبعون ذراعا بذراع رسول الله واملائه من فلق فیه و خط علی علی بمینه فیها کل حلال و حرام کل شی لیحتاج الناس الیه)۔قرآن شریف کو ہر مسلمان جانتا ہے امامؑ کا ابوبصیریؒ سے یہ فرمانا کہ لوگ کیا جانیں جامع کیا ہے؟ اور پھر ابوبصیر کا اظہار ناواقفیت کر کے دریافت کرنا اس کا ستر ہاتھ لمبا ہونا اور حضورؐ کا املا کروانا بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ کتاب قرآنی تفسیر تو ہوسکتی ہے مگر بعینہ قرآن نہ ہی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔قرآن مخزن ہے مگر طب کی مشہور کتاب کا نام بھی مخزن حکمت ہے کیا ہم اس کتاب پر اعتراض کر دیں کہ یہ قرآن ہے کیونکہ قرآن کی صفت کا دعویٰ ظاہر ہے کوئی صاحب علم وحکمت ایسی بیہودگی نہیں کرے گا۔

اعتراض (63):۔ اور اگر اس سے مراد قرآن ہے تو کیا آپ کا قرآن ستر گز کا ہے

اگر قرار ہے تو فہوالمقصود اور اگر انکار ہے تو ذیل کی عبارت کا جواب عنایت فرمایئے؟

ما الجامعة صحيفة طولها سبعون ذراعا۔

کیا ہے جامعہ قرآن ہے جس کی لمبائی ستر گز ہے۔(اصول کافی ۔ ایرانی ص ۱۱۵)

جواب ۔ اگر آپ اس جملے کا ترجمہ بایں الفاظ صحیح ثابت کردیں اور عبارت میں اس کے سیاق و سباق میں "قرآن" کا لفظ متن میں دکھادیں تو میں سنی مذہب اختیار کرلوں گا۔ پچھلے اعتراض کے جواب میں ہم نے یہ جملہ مع عربی لکھ دیا ہے ناظرین خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ جامعہ سے مراد قرآن نہیں ہے بلکہ الگ صحیفہ تفسیری ہے۔ ستر گز کی طوالت کو بھی ہمارے مخالفین نے طعن بنا رکھا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ پرانے زمانہ میں کاغذ ایجاد نہ ہوا تا لہذا لوگ چمڑے اور پتوں وغیرہ پر لکھتے تھے اور اُن کو جوڑ کر لمبا کر لیتے تھے۔ کتابوں کی موجودہ شکل سے واقف نہ تھے۔ لہذا وہ مختلف چیزیں ایک دوسرے سے مل جب جڑتی تھیں تو اتنی لمبائی کو زیادہ نہ تھی۔ حالانکہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے کہ اگر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کروں تو ستر اونٹوں کا بوجھ بن جائے۔ اسی طرح دوسری جگہ مولاؑ نے فرمایا ہے کہ سارا علم ایک نقطہ میں ہے۔ یہ ہمارے آئمہؑ برحق کی علمی فضیلت ہے کہ انہیں فصاحت و بلاغت پر مکمل عبور ہے۔

اعتراض (64):۔ فرمایئے سیدہ فاطمہؑ کے مصحف پر آپ کا ایمان ہے یا نہ۔ اگر جواب نفی میں ہے تو بلا دلیل ہے اور اگر اثبات میں ہے تو کیا یہ سچ ہے کہ مصحف فاطمہؑ میں موجودہ قرآن مجید کا ایک لفظ بھی نہیں تھا۔

جواب:۔ ہمارا مصحف فاطمہؑ پر یقیناً ایمان ہے لیکن یہ بالکل سفید جھوٹ ہے کہ اس

مصحف میں موجودہ قرآن مجید کا ایک لفظ بھی نہیں تھا۔ یہ بات ہمارے ہاں قطعاً مرقوم نہیں ہے۔ سراسر افتراء اور بے بنیاد الزام ہے۔

اعتراض (65):۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو فہو المقصود کہ آپ موجودہ قرآن کے منکر قرار پائے اور اگر جواب نفی میں ہے تو ذیل کی عبارت کا جواب دیجئے:

وان عندنا المصحف ومایدرھیم ما مصحف فاطمہ قال قلت وما مصحف فاطمہ قال مصحف فیہ مثل قرانکم ثلاث مرات واللہ مافیہ قرانکم حرف واحد۔ (اصول کافی ایرانی ص ۱۱۵)

بلاشبہ ہمارے پاس سیدہ فاطمہؑ والا قرآن ہے اور ان کو کیا خبر کہ مصحف فاطمہؑ کیا ہے۔ مصحف سیدہ فاطمہؑ کا تمہارے قرآن سے سہ گنا زیادہ ہے خدا کی قسم اس میں تمہارے قرآن میں سے ایک حرف بھی نہیں ہے۔

جواب:۔ میں بڑے دکھ کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ جن لوگوں کے بارے میں قرآن میں ہے کہ قرآن بہتوں کو گمراہ کرتا ہے یقیناً آپ بھی ان ہی افراد میں سے ہیں کہ آپ کو دروازہ علم و حکمت سے کوئی خیرات نہیں ملی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ بہکی بہکی باتیں بناتے ہیں آپ کے اس اعتراض کا جواب بھی بندہ ناچیز اپنی کتاب ذکاء الافہام کے اعتراض ۴۹ کے جواب میں دے چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصحف اور قرآن ایک چیز نہیں مصحف کئی ہیں مثلاً مصحف عائشہ، مصحف حفصہ، مصحف عبداللہ ابن مسعود اور مصحف عثمان وغیرہم جبکہ قرآن مجید صرف ایک کتاب ہے۔ لہٰذا جب مصحف فاطمہؑ صرف قرآن نہیں بلکہ اس میں قرآن کی تشریح و تفسیر بھی موجود ہے تو پھر آپ کس طرح کہہ سکتے

ہیں کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے اسی عبارت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ قرآن اور کتاب ہے جبکہ مصحف فاطمہ قرآن سے سہ گنا بڑی ہے کہ اس میں تفصیلات و تشریحات کے تفسیری نوٹ مرقوم ہیں اس مصحف کو علم جفر کی ایک کتاب کہا گیا ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "صرف ایک راستہ" میں "علم جفر و اسرار الحروف" کے باب میں اس کی مفصل وضاحت کی ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے اپنی عادت کے مطابق اس عبارت کے ترجمہ میں بھی معنوی تحریف کی ہے مصحف کا ترجمہ قرآن کیا ہے۔ عبارت کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے کہ امام اس عبارت سے قبل علم جفر کی حقیقت ارشاد کرتے ہیں اور اس کے بعد خاموش ہو جاتے ہیں پھر فرماتے ہیں "ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے۔ لوگ کیا جانیں مصحف فاطمہ ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا ہے (سائل کا تعارف پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مصحف قرآن کے علاوہ کتاب ہے) فرمایا تمہارے اس قرآن سے (بلحاظ تفصیل و توضیح احکام) وہ مصحف تین گنا ہے۔ واللہ تمہارے اس قرآن میں ایک حرف ہے یعنی اجمال ہے۔ معترض نے بالکل غلط ترجمہ کیا ہے کہ "اس میں سے تمہارے قرآن سے ایک حرف بھی نہیں جب یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ قرآن سات حروف میں ہے اور موجودہ قرآن صرف ایک حرف میں ہے تو پھر حدیث میں کونسی ایسی بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس سے قرآن کی تکذیب ہو۔ ہم ناظرین سے گزارش کریں گے وہ اصول کافی جلد کتاب الحجت باب ۴۹ کی پہلی حدیث ۱۷۲ پر ضرور ملاحظہ فرمائیں اور خود فیصلہ کریں۔

اعتراض (66): جب آپ کے قرآن کی حقیقت معلوم ہو چکی کہ اس قرآن میں موجودہ قرآن کے حروف ہجا میں سے ایک حرف بھی نہیں تو براہ کرم آگاہ فرمائیے کہ آخر وہ کون سے حروف ہیں جن سے ان آیات کا ربط ہے؟

جواب:۔ جب ہم نے آپ کی خیانت ثابت کر دی کہ ہم مصحف فاطمہؑ کو قرآن مجید کی تفسیری کتاب مانتے ہیں اور یہ آپ نے جھوٹا الزام لگایا ہے کہ اس مصحف میں موجودہ قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے تو پھر اعتراض خود بخود باطل قرار پا جاتا ہے باقی مصحف فاطمہؑ کے بارے میں خود اسی حدیث میں یہ مرقوم ہے کہ اس میں قرآن کے احکام کی تفصیل و توضیح بیان ہوئی ہے اور وہ ضخامت کے اعتبار سے اس قرآن سے سہ گنا ہے۔ راوی حدیث نے آگے بیان کیا ہے کہ امام جعفرؑ صادق کو فرماتے سنا کہ ۱۲۸ ہجری میں منکر فلاسفہ ظاہر ہوں گے میں نے یہ مصحف فاطمہؑ میں دیکھا ہے میں نے پوچھا مصحف فاطمہؑ کیا ہے فرمایا جب رسول اللہ کا انتقال ہو گیا تو سیدہ فاطمہؑ پر ہجوم غم و اندوہ ہوا ایسا کہ جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا خدا نے ان کے پاس اس غم میں تسلی دینے کیلئے ایک فرشتہ بھیجا جس نے ان سے کلام کیا حضرت سیدہؑ طاہرہ نے یہ واقعہ امیر المومنینؑ سے بیان فرمایا۔ حضرت علیؑ نے ارشاد کیا اب جب فرشتہ آئے اور تم اس کی آواز سنو تو مجھے بتانا چنانچہ جب پھر فرشتہ آیا تو حضرت فاطمہؑ نے آگاہ فرمایا امیر المومنینؑ فرشتے کی تمام باتوں کو لکھتے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ باتیں اس مصحف میں لکھی گئیں۔ پھر امامؑ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں حرام و حلال کا ذکر نہیں بلکہ آئندہ ہونے والے واقعات کا ذکر ہے" اب ظاہر ہو گیا کہ قرآن زمانہ رسولؐ میں نازل ہو چکا تھا اور یہ مصحف بعد از رسولؐ سیدہ طاہرہؑ کی تشفی کی خاطر فرشتے نے بتایا جسے جناب امیرؑ نے محفوظ کیا۔ پس قرآن مجید اور ہے اور مصحف فاطمہؑ دیگر چیز ہے جس میں معصومہ کو آئندہ کے واقعات سے باخبر کیا گیا ہے۔

اعتراض (67):۔ اصول کافی ص ۱۱۶ مطبوعہ ایران میں ہے کہ وہ قرآن اونٹ کی ران جتنا موٹا ہے۔ کیا آپ اس کی تشریح آسان لفظوں میں فرما سکتے ہیں جس سے قلب مطمئن ہو جائے؟؟

جواب:۔ اگر آپ کا ایمان ہے کہ روز قیامت حساب دینا ہوگا تو آپ کو خوف خدا کرنا چاہیئے اور دین کے معاملہ میں کذب و افتراء سے اجتناب فرمانا چاہیئے۔ اصول کافی میرے سامنے موجود ہے مجھے تو یہ کہیں بھی لکھا نہیں ملا ہے کہ قرآن اونٹ کی ران جتنا موٹا ہے اگر آپ اصل عبارت میں یہ الفاظ ثابت کردیں تو میں آپ کو منہ مانگا انعام دوں نیز تا حیات آپ کی غلامی قبول کرلوں گا یہ بات کتاب "جامعہ" کے بارے میں اصول کافی میں اس طرح لکھی گئی ہے کہ اصحاب نے پوچھا کہ جفر کیا ہے امام جعفرؑ صادق نے ارشاد فرمایا وہ بیل کی کھال ہے جو مسائل علمیہ سے بھری ہوئی ہے پوچھا جامعہ کیا ہے فرمایا وہ ایک صحیفہ ہے جس کا طول ستر ہاتھ (گز) ہے اور جو لپیٹے جانے کے بعد اونٹ کی ران کے برابر ہوجاتا ہے۔ اس میں وہ تمام باتیں ہیں جن کی لوگوں کو احتیاج ہوتی ہے کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو اس میں نہ ہو یہاں تک کہ ہلکے سے زخم کی دیت کا بھی ذکر ہے۔ (**قال لہ فالجامعہ قال تللک صحیفہ طولھا سبعون ذراعاً فی عرض الادیم مثل فخذالفالیج فیھا کل مایحتاج الناس الیہ ولیسن من قضیۃ الا وھی فیھا حتی ارش الخدش**)

پس معلوم ہوا کہ یہ بات کتاب الجامعہ کے بارے میں ہے اگر خدا نے آپ کے دل پر جہالت کا قفل نہیں لگایا ہے تو اس آسان تشریح سے آپ کا اطمینان قلب ہوجانا چاہیئے کے پرانے زمانے میں کتابوں کی موجودہ شکل نہ تھی لوگ کھالوں اور پتوں وغیرہ پر لکھتے تھے۔ لہذا جس چیز پر کتاب الجامعہ لکھی گئی تھی اگر اس کو جوڑ کر رول بنادیا جاتا تو وہ یقیناً اونٹ کی ران کی برابر بن جاتا۔ یہ کوئی خاص خلاف عقل یا مخالف تجربہ و مشاہدہ بات نہیں ہے۔ ستر ہاتھ کا محاورہ زیادتی کیلئے استعمال ہوا ہے اور آج بھی اگر ستر گز کپڑے کو تھان کی شکل میں لپیٹ لیا جائے تو اس کی موٹائی تقریباً اونٹ کی ران کے برابر ہوجائے گی۔ یہ بات افہام و تفہیم کیلئے کہی گئی ہے جس سے مراد لوگوں کو ضخامت کا تعارف کروانا ہوتا ہے۔

اعتراض (68):۔ اگر آپ یہ مکر کریں کہ قرآن مجید میں "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون" وارد ہے معلوم ہوا کہ قرآن محفوظ ہے لہذا سب روایتیں مردود ہیں تو سوال یہ ہے کہ ملا خلیل قزوینی کی عبارت مندرجہ الصافی شرح اصول کافی ص ۶۷ سطر ۲ باب النوادر جز ششم کا کیا جواب ہے جب اس نے کھلے لفظوں میں اعلان کر دیا ہے۔

"این آیت دلالت نمے کند بر محفوظ بودن جمیع القرآن" یہ آیت دلالت نہیں کرتی کہ جمیع القرآن محفوظ ہے کیونکہ اس کے نسخ پر اور آیتیں نازل ہو چکی ہیں یا یہ مراد ہے کہ صرف ایک نسخہ امام مہدی کے پاس محفوظ ہے۔

جواب:۔ مجھے ایسے مکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں تو سیدھا سا آدمی ہوں۔ متمسک بالثقلین ہونے کے علاوہ اور کسی خوبی کا دعویدار نہیں ہوں۔ جاہل ضرور ہوں مگر گدائے باب مدینۃ العلم ہوں۔ لہذا اس دروازے کے مخالفین پر محض تمسک کی برکت سے غالب آ جاتا ہوں۔ محترم میری صاف رائے یہ ہے کہ اس آیت کا دراصل موجودہ قرآن سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اگر کوئی شیعہ عالم بھی ایسا کہتا ہے کہ قرآن موجود کی حفاظت کی دلیل ہے تو مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے اس لئے کہ یہ خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ یہ بات صرف عقیدہ کے تحت تو کہی جا سکتی ہے مگر غیر مسلم اسے صرف خوش فہمی سمجھیں گے۔ جب کتب سنیہ سے مکمل طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن موجود میں بہت سی آیات موجود نہیں۔ کئی سورے چھوٹ گئے ہیں۔ کئی الفاظ سہو کتابت سے غلط لکھے گئے ہیں۔ ترتیب میں تاخیر و تقدیم ہے۔ لفظی و معنوی تغیر پایا جاتا ہے تو خدا کا وعدہ کہاں پورا ہوا ہے اور کس طرح قرآن محفوظ رہا۔ اگر خدا نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تو پھر قرآن نذر آتش کیوں ہو گئے؟ آج بھی لوگ کتابت قرآن میں غلطیاں کر جاتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں۔ عدالتوں میں لوگ پیسے لے کر جھوٹے قرآن اٹھا کر

گواہیاں دے دیتے ہیں۔ایک ہی آیت کے مختلف مطالب وضع کئے جاتے ہیں اور نزاع پیدا ہوتے ہیں تفرقہ بازی جنم لیتی ہے۔پس ان حقائق کی موجودی میں خدا کا وعدہ حفاظت قرآن موجود معاذ اللہ صحیح ثابت نہیں ہو پاتا ہے اور یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ "الذکر" جس کی حفاظت کا ذمہ خداوند تعالیٰ نے لیا ہے وہ ذات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہے۔

چنانچہ قرآن مجید سرکارِ دو عالم ہی کو "ذکر" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔"**قد انزل الله اليكم ذكراه رسولا يتلوا عليكم ايات الله مبينت** (طلاق پ۲۴)" یعنی (تم کو) آگاہ کرنے کے لئے پیغمبر (محمدؐ) کو تمہارے طرف بھیج دیا ہے جو تم کو خدا کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔(ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد سنی المذہب) اسی لئے احادیث میں اہل الذکر سے مراد اہل الرسول لی گئی ہے۔پس جب میں اس آیت کو حفاظت قرآن موجود کی دلیل ہی تسلیم نہیں کرتا تو پھر اعتراض کے جواب دینے کی ذمہ داری سے بری ہوں۔علامہ قزوینی نے بھی اس آیت کو حفاظت قرآن کی دلیل تسلیم نہیں کیا ہے۔میرے نزدیک قرآن کی حفاظت کے سلسلے میں حدیث ثقلین سے بڑی اور کوئی دلیل نہیں ہے اور خود قرآنی شہادت ہے" ۲۱ **بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ** ۲۲ **فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ** "اور امامؑ کا ارشاد ہے کہ لوح محفوظ ہم اہل بیت ہیں۔بلکہ اس کا درجہ محض عربی زبان کی ایک نثر کی کتاب کا ہے۔اگر قرآن اہل بیت کے ساتھ ہے تو کتاب المبین ہے۔شفاء امراض ہے۔ہر مسئلہ حیات وممات پر حاوی ہے۔

اکیلا کافی نہیں ہے۔پس دعویٰ عام ہے کہ کروڑ قرآن کے نسخے اکٹھے کر لو اور ارب مرتبہ ان سب کی تلاوت کر لو ذرہ برابر بھی ثواب نہ ہوگا اگر اہل بیتؑ کی محبت دل میں نہ ہوگی۔لیکن اگر صدق ایمان سے محمد وآل محمد علیہم السلام کی مودت اور عقیدت کے ساتھ قرآن کا ایک حرف "الف" کہہ دو گے تو بیڑا پار ہو جائے گا۔

اعتراض (69):۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ صاحب تفسیر صافی نے یہ تصریح کی ہے کہ "بل ھو القرآن مجید فی لوح محفوظ" تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے مذکورہ بالا عبارتوں سے صاحب تفسیر صافی کا عقیدہ معلوم نہیں کرلیا۔ کیا اب بھی اس کی تفسیری عبارت سے استدلال درست ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ تفسیر صافی کی تمام عبارات کا جواب دے دیا گیا ہے اور ثابت کیا ہے صاحب تفسیر کا عقیدہ تحریف قرآن کے خلاف ہے اور یہی تمام شیعوں کا ہے اس حقیقت کا بھی انکشاف کردیا گیا ہے اہل سنۃ والجماعت اپنے چہرہ تحریف کو چھپانے کیلئے یہ داغدار چادر ہمارے اوپر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تفسیر صافی کی منقولہ عبارتوں کی روشنی میں صاحب تفسیر کی مذکورہ تصریح متعارض قرار نہیں پاسکتی ہے اس لئے استدلال درست ٹھہرتا ہے۔

اعتراض (70):۔ جب آئمہ معصومین (عندکم) کا عقیدہ مطابق تصریحات مذکورہ اس تفسیر کے خلاف ہے تو پھر استدلال کیسا؟

جواب:۔ آئمہ معصومینؑ کا عقیدہ تحریف قطعاً ثابت نہیں ہوسکا ہے بلکہ آئمہؑ نے بذات خود حفاظت قرآن کر کے اس تفسیر کی تقویت کیلئے دلیل مہیا کردی ہے اگر آئمہ مخالف قرآن ہوتے تو پھر حفاظت کیوں کرتے اور شیعوں کو کتاب اللہ کی پیروی وتمسک کا حکم کیوں دیتے؟

اعتراض (71):۔ کیا آپ کے مذہب میں امام کے قول پر کسی غیر امام کے قول کو ترجیح

دی جاسکتی ہے اگر جواب ثبوت (اثبات) میں ہے تو دلائل پیش کیجئے ورنہ مکر واپس لیجئے۔

جواب:۔ جب تک قول امام پیش نہ کیا جائے اعتراض کی کوئی بنیاد قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ کسی امام نے "قرآن الحکیم" میں تحریف کے عقیدہ کی تعلیم نہیں دی ہے ورنہ ثابت کیجئے اور منہ مانگا انعام لیجئے۔پس جب قول ثابت نہیں تو ترجیح کا تقابل کیسے ہوسکتا ہے۔

اعتراض (72):۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ صفین میں حضرت علیؑ کا امیر معاویہؓ کے سامنے موجودہ قرآن پیش کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ شیعہ کا اس قرآن پر ایمان ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ تب مقصود ہوتا جب اہل سنت حضرت علیؓ کی عظمت ومنزلت کے منکر ہوتے اور ان کو اہل السنّت والجماعت میں تسلیم نہ کرتے پس جب ایسا نہیں تو مکر قابل تسلیم کریں؟؟

جواب:۔ اولاً یہ بات تاریخ کے خلاف ہے کہ حضرت علیؑ نے معاویہ کے سامنے قرآن پیش کیا۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ لشکر معاویہ نے شکست سے بچنے کی خاطر یہ مکاری کی۔ دوم یہ کہ ہم ذات علیؑ کو قرآن ناطق سمجھتے ہیں۔لہذا ایسی دلیل ہمارے نزدیک کوئی وزن ہی نہیں رکھتی۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر بزعم شما ہم قرآن پر اعتبار نہیں کرتے ہیں تو پھر وہ قرآن جو ہم پڑھتے ہیں اور جو موجودہ قرآن سے مختلف ہے آج یا کسی ماضی کے زمانہ میں ثبوت کے طور پر پیش کردو تا کہ یہ جھگڑا ختم ہوجائے۔ جب آپ الزام لگاتے ہیں تو اخلاقی اور قانونی تقاضا کو پورا کیجئے اور نسخہ ڈھونڈ کر لایئے جو آپ کے زُعم میں ہمارا قرآن ہے یا کبھی تھا۔

اعتراض (73):۔ اگر یہ مکر کیجیے کہ قرآن مجید اور بھی کہیں نہ ہو لیکن لوح محفوظ میں تو ہم محفوظ ہونے کے قائل ہیں تو سوال یہ ہے کی پھر قرآن اور توریت و انجیل میں کیا فرق رہا جبکہ وہ کتابیں بھی لوح محفوظ میں ہیں اگر چہ دنیا میں محرف ہو چکی ہیں۔

جواب:۔ ہم کہتے ہیں کہ لوح محفوظ اہل بیت کے سینے ہیں اور اہل بیت میں کا آخری محافظ قرآن اس دنیا میں موجود ہے جس کے پاس قرآن بھی توریت بھی اور انجیل و زبور و صحائف متفرقہ بھی ہیں۔ خدا کی آیات تک عام انسانی ہاتھ کی رسائی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے عظمت قرآن کے بارے میں ارشاد کیا ہے کہ اگر قرآن پہاڑ پر اتارا جاتا تو ریزہ ریزہ ہو جاتے جس سے صاف ظاہر ہے عام انسانی ظرف متحمل قرآن ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ اسی لئے خدا نے صرف مخصوص ہستیوں ہی کو وراثت و حفاظت قرآن کیلئے منتخب کیا ہے۔ یہ قرآن کی بڑی بے قدری ہوگی اگر ہم اور آپ سب قرآن کے محافظ و وارث قرار پا جائیں۔

ہمیں تو صرف اتنا ہی علم قرآن حاصل ہے جتنا ہماری استطاعت کے ظرف سے منطبق ہو سکتا ہے۔ اگر ہم یہ کہنا شروع کر دیں کہ ہمارے پاس پورا قرآن اسی طرح ہے جس طرح قلب رسولؐ پر نازل ہوا تو میں دنیا کے سب مسلمانوں کو کہوں گا کہ اس دعویٰ کا ثبوت پیش کریں۔ قرآن سے پہاڑوں کو چلایا جا سکتا ہے۔ کوئی فرد مسلمان جو بہت بڑا حافظ و قاری مانا گیا ہو ذرا مجھے ایک ریت کا ٹیلہ ہی تلاوت قرآن سے متحرک کر کے دکھا دے۔ جب وارث قرآن نے سورج کو انگلی کے اشارے سے لوٹا کر کائنات کی کایہ پلٹ دی۔ اس کے استاد نے انگلی سے چاند میں شگاف پیدا کر دیا اور چاند کے دونوں ٹکڑے اپنے دائیں بائیں گزار کر دکھا دیئے۔ جب آپ کے پاس قرآن کی تاثیر ہی مفقود ہے تو پھر آپ کے مذہب کے مطابق دعویٰ حفاظت قرآن ایسا ہی ہے کہ بے جان و مردہ جسم کو کسی لیبارٹری میں محفوظ کر لیا جائے۔ دیگر کتب اور قرآن

میں فرق یہ ہے کہ ان کتابوں کی عبارتیں مفہوم اور اشکال سب محرف ہو چکی ہیں۔ وہ کتابیں ناپید ہیں اور موجودہ محرف کتابوں کا تضاد مضامین ثابت کرتا ہے کہ یہ کتب اصل کتب کی نقل نہیں ہیں۔ جبکہ قرآن مجید کی عبارتیں اور مفہوم میں نہ ہی تضاد ہے نہ اختلاف جس قدر موجودہ زمانہ کی ہدایت کیلئے تعلیمات کافی ہوسکتی ہیں وہ اس میں ظاہر کر دی گئی ہیں اور اگر محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی ہدایات کی روشنی میں اس سے رہنمائی حاصل کی جائے تو یہ ہدایت ہے ورنہ گمراہی کا سبب ہے۔ دیگر نام نہاد اسلامی کتب میں آئے دن تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے جبکہ قرآن میں کوئی ردوبدل نہ کیا جاسکا۔ اگر کوئی تغیر ہوا ہے تو ترتیب میں جس سے ہدایت پر کوئی ضعف نہیں آتا ہے۔ پس چونکہ قرآن موجود ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا قرآن نہیں بنا ہے اور نہ ہی اس میں اختلاف ہوا ہے اس لئے یہ خاصیت اسے دوسری کتب پر فوقیت دیتی ہے کیونکہ دوسری کتب میں تضاد ہے جو مانع الہام ہے۔

اعتراض (74):۔ کیا اسی نظریے کے پیشِ نظر آپ انا لہ لحافظون کا مفہوم مسلم طور پر پیش کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ ہم نے عرض کر دیا ہے حفاظت کا وہ مفہوم جو آپ کے زُعم میں ہے میرے لئے قابلِ قبول ہی نہیں ہے۔ لہٰذا بحث فضول ہوگی۔

اعتراض (75):۔ اگر یہ ذکر کیا جائے کہ صحیفہ علویہ ص ۲۰۳ میں قرآن مجید کے فضائل موجود ہیں کیا پھر بھی تحریف کے قائل ہونے کی ملامت ہم پر باقی ہے تو سوال یہ ہے

کہ بحث فضیلت میں ہے یا ایمان بالقرآن میں۔ پھر کیا آپ فضیلت کے باب میں موجودہ قرآن کی قید دکھا سکتے ہیں؟

جواب:۔ آپ کو ملامت کرنے کا حق ہی حاصل نہیں ہے کیونکہ نہ ہی آپ کے مذہب کے مطابق آپ کا قرآن پر ایمان ثابت ہوسکتا ہے اور نہ ہی آپ کو تحریف کے جرم کی سزا سے بچایا جانا ممکن ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ جو ہم پر تحریف کا الزام لگاتے ہیں ہمیں اس کا ثبوت دیجئے کہ کون سے نسخہ قرآن سے آپ ہم کو اس مذموم فعل کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔ ڈیڑھ ہزار سال میں کروڑ ہا نسخے قرآن کے لکھے گئے ہیں ان میں سے کوئی ایک ایسا نسخہ لے آیئے جس میں ہم نے تحریف کی ہے۔ جب آپ کے پاس ایسا کوئی ایک بھی ثبوت نہیں ہے تو پھر آپ یہ الزام بلا ثبوت کیوں لگاتے ہیں۔ جب آپ صحیفہ علویہ کے مرقوم فضائل کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں تو بتایئے ایمان کے بغیر بھی کسی چیز کی فضیلت کا اقرار ہوتا ہے اور قرآن کی قید تو تب دکھائی جائے جب ہم دو قرآن تسلیم کریں یہ تو آپ پر واجب ہے کہ آپ ثابت کریں کہ فضائل قرآن کے نہیں بلکہ کسی اور قرآن کے ہیں۔ ہم جب قرآن کی تعداد ہی ایک مانتے ہیں تو پھر تخصیص و وضاحت کیسی؟

اعتراض (76):۔ اگر تحریف قرآن کو بقول آپ تسلیم کرلیا جائے تو کیا شہادت کی کوئی وقعت رہتی ہے جبکہ آپ حضرات کا اعلان ہے کہ قرآن کی خاطر جان کو قربان کی تھی؟

جواب:۔ چونکہ ہم تحریف قرآن قبول نہیں کرتے اسی لئے کہتے ہیں قرآن کی حفاظت کے لئے حسین علیہ السلام نے سر کٹایا۔ جبکہ آپ تحریف کے قائل ہیں اور آپ کے مذہب کے سرخیل شخص نے یزید کی بیعت کو خدا اور رسول کی بیعت کہا اور قرآن سے محروم ہوا۔ بخاری اور مسلم شریف میں ان

صاحب کا تعارف حاصل کر لیجیے۔ آپ کا قرآن وہ ہے جس کے حفاظ وقاریوں نے قتل حسین کا فتویٰ دیا اور ہمارا قرآن وہ ہے جس کی تلاوت کٹے ہوئے سر نے نیزہ پر کی۔

اعتراض (77):۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ اہل سنت بھی تو نسخ کے قائل ہیں۔ کیا وہ تحریف میں شمار نہیں ہوتا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ نسخ اور تحریف کے درمیان مابہ الامتیاز لغوی اور اصطلاحی فرق بتایئے؟

جواب:۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہل سنتہ والجماعۃ نسخ سے واقف ہی نہیں ہیں اور وہ تحریف ہی کو نسخ کہہ کر اپنا عیب چھپاتے ہیں۔ ورنہ نسخ و تحریف میں بہت فرق ہے۔ نسخ کے لغوی معنی مٹانے کے ہیں اور اصطلاحی معنی نسخ الایۃ بالآیۃ یعنی ایک آیت کو دوسری آیت کے حکم سے اللہ تعالیٰ کا بدلنا۔ تحریف کا لغوی معنی رُخ بدلنا ہے جبکہ اصطلاحی معنی کسی عبارت کے معنی یا الفاظ بدل دینے کے ہوتے ہیں۔

اعتراض (78):۔ کیا نسخ امن ایۃ اور "یحروفون الکلمہ عن مواضعہ" میں پروردگارِ عالم نے یہ واضح نہیں کر دیا کہ نسخ فعل اللہ ہوتا ہے اور تحریف فعل العباد؟؟

جواب۔ یہی تو ہم کہتے ہیں نسخ فعل خدا ہے نسخ معنی ہیں کہ ایک حکم منسوخ ہو تو دوسرا اس کی جگہ ناسخ آئے پس سُنی جس کو منسوخ کہتے ہیں اس کی ناسخ دکھانے سے قاصر رہ جاتے ہیں لہذا ان کے مذہب میں تحریف ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ منسوخ بلا ناسخ محرف ہوگا۔

"میری گذارش یہ ھے کہ مذھب اھل سنتہ و الجماعتہ میں نسخ فعل اللہ ثابت نہیں ھو سکتا ھے بلکہ یہی نسخ جرم تحریف کے لئے آڑ بنایا گیا ھے۔ پس اب مجھے موقعہ ھاتھ لگ گیا ھے کہ اسی پردہ کو چاک کردوں تاکہ چہرہ تحریف بے نقاب ھو کر ھر شخص کے سامنے نمایاں ھو جائے اول ھم نسخ کے معنی سُنیوں کی مشھور تفسیر خازن سے نقل کرتے ھیں"۔

"لفظ نسخ کی وضع لغوی بمعنی نقل و تحویل ہے۔ اسی معنی سے نسخ الکتاب ہے وہ نسخ ہے کہ ایک تحریر ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کردی جائے۔ نقل کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ عبارت کی صورت اولی مٹادی جائے۔ بلکہ نقل یہ چاہتی ہے کہ نوشتہ اول کی مانند تحریر دوسری جگہ رکھی جائے۔ اسی معنی سے پورا قرآن منسوخ ہے اس لئے کہ قرآن لوح محفوظ سے نقل ہوکر آیا تھا اور سب کا سب دنیا پر نازل ہوتھا اور کبھی نسخ بمعنی رفع وازالہ بھی مستعمل ہوتا ہے وہ ایک چیز کو دوسری بعد والی چیز سے زائل کردیتا ہے۔ مثلاً آفتاب کا سایہ کو اور بڑھاپے کا جوانی کو دور کرنا۔ پس آیں معنی بعض قرآن منسوخ ہے اور بعض قرآن ناسخ ہے اور یہی معنی آیہ ما ننسخ آیۃ میں مراد ہے اس آیت میں نسخ کے معنی ہیں۔ ایک حکم کو بعد والے حکم سے زائل کرنا"۔ (تفسیر خازن بغدادی جلد ۱ ص ۸۰) پس "نسخ" تقاضا کرتا ہے کہ ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم قائمقام آئے پس اگر آپ کا دعویٰ نسخ ہے تو تمام منسوخات کا بدل ناسخات کی صورت میں قرآن میں

دکھانا آپ کے ذمہ ہے۔ اس ضعف کو آپ کے علامہ ابن حصار نے رفع کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھتے ہیں کہ "اگر کہا جائے قرآن میں بغیر بدل کے نسخ کیسے ہو گیا حالانکہ خدا نے فرمایا ہے "**ماننسخ من آیة** "ہم کسی کو نسخ یا ترک نہیں کرتے کہ اس سے بہتر یا اس کا مثل لاتے ہیں اور یہ ایسی چیز ہے جس میں غلطی کو دخل نہیں ہے۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کہیں گے جو اس وقت قرآن میں موجود ہے اور منسوخ نہیں ہوا ہے پس وہ بدل ہے ان آیتوں کا جن کی تلاوت نسخ ہو چکی ہے۔ الغرض اللہ نے قرآن کا جتنا حصہ نسخ فرمادیا جو اس وقت ہم کو معلوم نہیں ہے اسی کے بدلے میں یہ ہے جو ہمارے علم میں آچکا ہے۔ جس کے الفاظ اور معانی تواتر کے ذریعہ سے ہمارے پاس پہنچے ہیں"۔ (اتقان جلد۲ ص ۲۷)

لیکن مجیب کہتا ہے کہ یہ انتہائی لغو اور مہمل انداز صفائی ہے لہذا علمائے شیعہ نے اس عبارت پر کئی اعتراضات اٹھائے ہیں۔ اول اعتراض یہ ہے کہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور کو یقینی طور پر سلسلہ نسخ تلاوت کا ختم ہونا معلوم تھا اور آیت کے بدل کا آجانا علم رسولؐ میں تھا تا کہ قرآن موجود میں ہر ایک منسوخ التلاوۃ کا بدل مقصود ہو سکے حالانکہ سُنی مسلک کے مطابق یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ زمانہ رسولؐ میں قرآن کے جمع ہونے کی دلیل میں اہل سنتہ سر فہرست اسی بات کو لیتے ہیں کہ حضور کو آخر حیات تک نسخ تلاوت کا انتظار تھا لہذا عہد نبوی میں قرآن مجموع و مرتب نہ ہو سکا پس پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضور کو سلسلہ نسخ تلاوت کا انتظار تھا لہذا الیقین ہو گیا تھا ورنہ بروئے مسلک سُنیہ آپ نسخ تلاوت کا انتظار کیوں فرماتے؟ دوم یہ کہ یہ بات واقعتہً غلط ہے کہ جتنی آیات منسوخ التلاوہ تسلیم کی جاتی ہیں ان کا بدل اس قرآن موجود میں موجود ہے۔ ورنہ آئیہ رجم، آیہ رضا کبیر پانچ رکوع والی سورہ احزاب کی ۱۲۷ آیتیں منسوخ التلاوہ کہی جاتی ہیں ہر ایک کا بدل قرآن موجود میں دکھایا جائے اور حدیث متواتر سے ایسا بدل صحیح ثابت کیا جائے۔ پھر روایات سُنیہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنگ

یمامہ میں بہت سا قرآن صحابہ کے ساتھ شہید ہو گیا۔ یہ آیات نہ منسوخ التلاوۃ تھیں کہ قرآن میں ان کا بدل فرض کیا جائے اور نہ ہی اس قرآن میں بروئے اہل سنۃ ان آیات کا وجود ملتا ہے۔ سوم اعتراض یہ ہے کہ یہ بات بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ آپ کو منسوخ التلاوۃ آیات کا علم نہیں ہے اگر ایسا ہے تو نسخ تلاوت میں مثالیں کس بنیاد پر لکھی گئی ہیں۔ چہارم اعتراض ہے کہ جب وہ منسوخ التلاوۃ آیات آپ کو معلوم نہیں ہیں اور ان کے احکام کی اطلاع آپ کو نہیں ہوئی ہے تو پھر آپ نے لاعلمی کے باوجود یہ کیسے سمجھ لیا کہ فلاں فلاں آیت ناسخہ ہے اور ان کی آیا منسوخہ نامعلوم کا بدل ہے۔ پانچواں اعتراض یہ ہے کہ یہ بات آپ کے مذہب سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ الفاظ قرآن متواتر ہیں کیونکہ آج تک آپ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں کہ بسم اللہ جزو سورہ ہے یا نہ۔ نیز اختلاف قرأت بکثرت موجود ہے جو تواتر لفظی کے منافی ہے تواتر معانی کا دعویٰ بھی مہمل ہے ورنہ اہل سنۃ آیات قرآنیہ کے معنیٰ میں اختلاف کر کے متعدد فرقوں میں تقسیم نہ ہو جاتے۔ پھر اگر تواتر ثابت بھی ہوتا ہے تو محرف۔ پس جب نسخ ثابت نہ ہوا تو لامحالہ تحریف آپ کے حصہ میں آئی۔

اعتراض (79):۔ اگر آپ مکر کریں کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن جلوا دیئے تھے لہذا اہل سنت کا ایمان بھی قرآن پر نہ رہا تو سوال یہ ہے کہ یہ کہاں لکھا ہے قرآن جلا دیئے تھے۔ کیا بخاری شریف میں یہ عبارت موجود نہیں "امران یحرق بسما سواہ من القران" کیا تفسیری نوٹوں کا جلا دینا بھی قابل عیب ہے؟

جواب:۔ حضرت عثمان کا قرآنوں کو جلانا کم از کم ان معتبرہ کتب اہل سنۃ میں مرقوم ہے بمطابق حوالہ جات ملاحظہ فرمالیں:

۱۔ صحیح بخاری پ ۲۰ باب فضائل القرآن ص ۲۵ مطبوعہ بمبئی جلد ۶

۲۔ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ محمدی دہلی ص ۱۵۰

۳۔ تفسیر خازن جلد ۱ ص ۸

۴۔ اتقان ص ۸۴

۵۔ تاریخ اعثم کوفی فارسی ترجمہ مطبوعہ بمبئی ص ۱۴۷

۶۔ روضۃ الاحباب جلد ۲ ص ۲۲۹

۷۔ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص ۱۰۱

۸۔ تاریخ خمیس مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۳۰۴

۹۔ تحفہ نذریہ ص ۵۵

۱۰۔ فتح الباری اور فیض الباری وغیرہ

بخاری شریف میں جو عبارت لکھی گئی ہے اس سے بھی صاف ظاہر ہے سوائے القرآن (مصحف عثمان) کے سب کا احراق کر دینے کا حکم ہوا۔ اگر کوئی شخص بخاری کے متن سے یہ ثابت کر دے کہ تفسیری نوٹوں کے جلانے کا حکم دیا گیا ہم اس کو منہ مانگا انعام دیں گے اور پھر اگر بالفرض محال یہ قیاس آرائی مان لی جائے تو بھی تفسیری نوٹوں کا علیحدہ لکھا جانا ثابت نہ ہو سکے گا کیونکہ یہ نوٹ قرآن ہی کے حاشیے میں لکھے گئے تھے اور جب وہ تفسیری نوٹ جلائے گئے تو یقیناً آیات قرآنیہ بھی جل گئی ہوں گی۔

اعتراض (80):۔ اگر کوئی شخص کہنہ مسجد کو گرا دے اور اس کے قائم مقام نئی تعمیر کر دے تو کیا یہ بھی قابل اعتراض ہے؟

جواب:۔ پرانی مسجد کو گرا کر نئی مسجد بنا دینا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے لیکن اگر مسجد

ایک کنال کے احاطہ میں ہو اور اس کے قطعہ زمین میں سے کچھ زمین کو کاٹ کر کسی دوسرے غیر دینی مصرف میں لیا جائے اور بقیہ حصہ پر اپنی مرضی کا سامان عمارت لگا مسجد کھڑی کر دی جائے تو یہ حرکت یقیناً قابل اعتراض ہوگی۔

اعتراض (81):۔ جس روایت میں خرق آیا ہے اگر اسے تسلیم کرلیا جائے تو کیا پھر تحریق کا مفہوم باقی رہے گا؟؟

جواب:۔ قتل چاقو سے کیا جائے یا پستول کی گولی سے، مفہوم قتل قائم رہے گا۔ اب تحریق ہو یا اخراق بات ایک ہی رہتی ہے جبکہ زیادہ شواہد جلانے کے ہی ہیں اس لئے کثرت شہادت کی بنا پر رائے و فیصلہ کا جھکاؤ احراق کی طرف ہوتا ہے۔

اعتراض (82):۔ خرق بعد الغسل تو آپ کے نزدیک قابل عمل ہے پھر اعتراض کیسا؟

جواب:۔ اعتراض اس لئے ہے کہ وہاں استحباب و استحقاق کا فقدان ہے۔

اعتراض (83):۔ اگر تسلیم کرلیا جائے تو سوال یہ ہے کہ جس قرآن مجید کی اشاعت کی تھی وہی موجودہ قرآن تھا یا کوئی اور، اگر کوئی اور تھا تو ثابت کیجئے؟

جواب:۔ میں کہتا ہوں کہ جو قرآن جلائے گئے تھے وہ یہی تھے یا کوئی اور اگر کوئی اور تھے

صحابی عادل نہ قرار پائے۔ اور اگر یہی تھے تو توہین کا ارتکاب ثابت ہوا۔ بہرحال یہی قرآن تھا جس کی اشاعت ہوئی۔

اعتراض (84):۔ اگر موجودہ قرآن تھا تو آپ کا یہ استدلال پیش کرنا تحریف کے قائل ہونے کے سلسلے میں غلط ٹھہرا۔ کیونکہ جس کا ایمان نہ ہو کیا وہ بھی اس پر عمل اور اس کی مذہبی طور پر اشاعت کر سکتا ہے؟

جواب:۔ تفسیری نوٹوں کا احراق و اخراق آپ نے قبول کیا ہے ظاہر ہے کہ آپ کے مذہب میں صحابہ کی عدالت مسلمہ ہے لہذا ضروری ہوا کہ نوٹ صحابہ نے بمطابق ہدایت و تعلیم رسولؐ ہی محفوظ و مرقوم کئے ہوں گے اور تعلیم رسولؐ سراسر ہدایت تھی پس ان فرمودات رسولؐ کی تضیع دراصل ہدایت کے احکامات و تعلیمات میں تحریف تھی۔ اگر وہ نوٹ باعث گمراہی ہوتے یا بے فائدہ ہوتے یا فضول و بیکار ہوتے تو نہ ہی رسول اللہ ان کو بتاتے اور نہ ہی صحابہ لکھتے بصورت دیگر عصمت رسولؐ اور عدالت صحابہ مجروح ہوتی ہے۔ پس ان تفاسیری ارشادات کو ضائع کرنا تعلیم رسولؐ میں تحریف کہی جائے گی۔ باقی جنہوں نے قرآن کو نذر آتش کر دیا ان کا ایمان بالقرآن مشکوک قرار پا گیا۔ باقی رہ گئی اس کی اشاعت کرنا تو یہ ایک سیاسی حربہ تھا۔ اشاعت قرآن اگر دلیل ایمان بن جائے تو پھر آج عیسائی مشنریاں بھی قرآن شائع کر رہی ہیں۔ نولکشور نے بھی قرآن چھاپے تھے۔ مرزائی بھی قرآن ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں لیکن یہ اشاعت قرآن ان کا ایمان ثابت نہیں کر سکتی ہے۔

اعتراض (85):۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ اہل سنت کے قرآن کی فلاں سورت کو

بکری کھا گئی تھی تو سوال یہ ہے کہ اس سے ایمان بالقرآن کیسے ثابت ہوا۔ سورۃ کھا جائے بکری اور ثابت ہو آپ کا ایمان بالقرآن؟؟

جواب:۔ یہ روایت بھی آپ ہی کے عدم ایمان کی دلیل ٹھہرتی ہے کہ جو حصہ قرآن بکری ہضم کر گئی اور بی بی عائشہ نے اس کی گواہی بھی دے دی تو پھر کیا وہ آیت جزو قرآن تھی یا نہ۔ اگر تھی تو اپنے مذہب کے مطابق موجودہ قرآن میں دکھایئے اور نہ تھی تو آپ کے مطابق قرآن میں کمی ہوئی اگر نہیں ہوئی تو عائشہ صاحبہ کاذبہ ٹھہریں۔ بہر صورت جو بھی بکری بکرے کا کھیل ہو آپ کے لئے مضر ہوا۔ ہم جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ہمارے نزدیک قرآن دنیا میں محفوظ ہے اور موجود ہے۔ یہ آپ کے گھر کا معاملہ ہے کہ قرآن میں کمی بھی مانتے ہیں اور پھر بھی تحریف کا الزام بلا وجہ ہم پر تھوپتے ہیں۔ جبکہ ہم قرآن مجید تک انسانی ہاتھ کی رسائی تک کا بھی ہونا ممکن نہیں جانتے جب ہمارا عقیدہ یہ ہے تو پھر ہم قابل تحریف کیسے ٹھہرے؟



اعتراض (86):۔ قرآن کا مقام کاغذ کی سطح یا مسلمانوں کا دل ہے براہ کرم قرآنی آیات سے ثابت کیجئے؟

جواب:۔ قرآن کا مقام نہ ہی کاغذ کی سطح ہے اور نہ مسلمانوں کا دل ہے بلکہ اس کی منزل قلب محمد مصطفیؐ ہے۔

اعتراض (87):۔ محدث نوری ایک مشہور شیعہ عالم تھے۔ انہوں نے تحریف کے

اثبات کے لئے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام "فصل الخطاب" ہے۔ اگر شیعہ تحریف کے قائل نہیں ہیں تو وہ اس کتاب کی تردید کیوں نہیں کرتے؟؟

جواب:۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو شیعہ محققین نے اس کتاب کی تردید میں کتابیں لکھی تھیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

ا۔ فقیہ محقق شیخ محمود فرزند مرحوم شیخ ابوالقاسم المعروف بہ معرب تہرانی (المتوفی ۱۳۱۳ھ) نے فصل الخطاب کی تردید میں تین سو صفحات پر مشتمل کتاب لکھی۔ جس کا نام " کشف الارتیاب فی عدم تحریف الکتاب" ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مضبوط دلائل سے تحریف قرآن کی نفی کی تھی اور جب محدث نوری نے اس کتاب کو پڑھا تو انہوں نے اپنے کچھ نظریات دیئے تھے۔

۲۔ سید محمد حسین شہرستانی المتوفی (۱۳۱۵ھ) نے فصل الخطاب کی تردید میں عمدہ کتاب لکھی جس کا نام انہوں نے "**حفظ الكتاب الشريف عن شبهة القول بالتحريف**" رکھا۔

۳۔ علامہ شیخ محمد جواد بلاغی (۱۲۸۴۔۱۳۵۱ھ) نے اپنی کتاب "الاء الرحمن" کے مقدمہ میں فصل الخطاب کی تردید کی۔

۴۔ مرجع عالیقدر سید ابوالقاسم خوئی (۱۳۱۷۔۱۴۱۱ھ) نے تفسیر "البیان" میں ایک فصل قائم کی ہے جس کا عنوان "**صيانة القرآن عن التحريف** " ہے۔ اس فصل میں انہوں نے محدث نوری کی بیان کردہ احادیث کا مدلل جواب دیا ہے۔

۵۔ ہمارے استاد بزرگوار مرحوم آیت اللہ خمینی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: محدث نوری ایک صالح اہل تشیع تھے لیکن انہیں ضعیف وعجیب وغریب روایت جمع کرنے کا بڑا اشتیاق رہتا تھا وہ ایسی روایات نقل کرتے تھے جنہیں انسانی عقل قبول نہیں کرتی تھی۔

مگر اس کے باوجود فصل الخطاب انتہائی قدر وقیمت کی حامل ہے۔ واضح رہے کہ فصل الخطاب میں تحریف کے اثبات کے لئے مجموعی طور پر ۱۱۲۲ احادیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ ان میں سے اکسٹھ روایات ایسی ہیں جن میں عمومی طور پر تحریف کا اثبات کیا گیا ہے جب کہ ۱۰۶۸ روایات میں خاص جگہوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ مذکورہ روایات کی بھاری اکثریت کو بے سند اور بے اعتبار کتابوں سے نقل کیا گیا ہے۔ بعض ایسی کتابوں سے بھی روایات نقل کی گئی ہیں جن کے مولف ہی مجہول ہیں یا ان کی سند منقطع ہے یا پھر جعلی اور بے اعتبار ہیں۔ فصل الخطاب کی زیادہ تر روایات حسب ذیل تین کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ کتاب قراءات۔ مؤلفہ احمد بن محمد سیاری۔ اس کا تعلق آل طاہر کے کاتبوں سے تھا اور اس کے متعلق علماء لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث، فاسد المزہب اور زیادہ تر مرسل روایات نقل کرتا تھا۔ (فہرست شیخ طوسی ص ۴۷ شمارہ ۷۰۔ رجال نجاشی جلد اول ص ۲۱۱ شمارہ ۱۹۰)۔

۲۔ کتاب علی بن احمد کوفی (المتوفی ۳۵۲ھ) علمائے رجال نے اسے کذاب اور باطل کا پرستار قرار دیا ہے۔

علم الرجال کے مشہور شیعہ ماہر "نجاشی" اس کے متعلق لکھتے ہیں

وہ کوفی تھا اور آل ابوطالب میں سے تھا اس نے زندگی کے آخری ایام میں "غلو" کا عقیدہ اپنایا تھا۔ اس کا مذہب ختم ہو گیا۔ اس نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں اور اس کی اکثر کتابیں خطا اور اشتباہ سے بھری ہوئی ہیں۔ البتہ غالیوں کے ہاں اس شخص کا بڑا مقام ہے۔ (رجال نجاشی جلد۲ ص۹۶ شمارہ ۶۸۹)

۳۔ تفسیر علی بن ابراہیم قمی۔ یہ تفسیر اگرچہ علی بن ابراہیم کے نام سے معروف ہے لیکن یہ ساری کتاب ان کی تالیف نہیں ہے۔ اس کتاب کا ایک حصہ انہوں نے لکھا تھا جب کہ کچھ حصہ ابوالجارود کا لکھا ہوا ہے۔ علی بن ابراہیم قمی کے شاگرد نے ابوالجارود کے لکھے ہوئے حصہ کو بھی ان کی تحریر کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب کا راوی جو اپنے کو علی بن ابراہیم کا شاگرد بتاتا ہے اور اس کا نام ابوالفضل عباس بن محمد بن علوی ہے، وہ مجہول ہے اور کتاب رجال میں اس کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔ اسی لئے ایسی تفسیر پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(تفسیر قمی کی قدر و قیمت معلوم کرنے کیلئے کتاب، کلیات فی علم الرجال "۳۲۹-۳۴۰" کی طرف رجوع فرمائیں") چنانچہ اس طرح کی کتابوں سے محدث نوری نے ۸۱۵ روایات نقل کی ہیں۔ اگر ان روایات کو علیحدہ کر دیا تو پھر ۳۰۷ روایات باقی بچتی ہیں اور ان میں سے ۱۰۷ روایات کا تعلق اختلاف قرات سے ہے اور مسئلہ تحریف سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جبکہ محدث نوری نے صرف ۲۰۰ روایات معتبر کتابوں سے نقل کی ہیں جو کہ سب کی سب قابل توجیہ ہیں یا پھر یہ کہ وہ سرے سے تحریف پر دلالت ہی نہیں کرتیں اور محدث نوری نے انہیں خواہ مخواہ تحریف کی روایات میں شامل کیا ہے۔ جو حضرات اس مسئلہ کے تفصیلی جائزے کے خواہش مند ہوں تو انہیں آیت اللہ معرفت کی کتاب "**صیانۃ القران من التحریف**" کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (مزید معلومات کیلئے سید ہاشم المعرف حسینی لبنانی کی کتاب

بین التصوف والتشیع کا مطالعہ فرمائیں اس کتاب کا اُردو زبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے جس کا نام "تصوف اور تشیع کا فرق" ہے)۔

اعتــــــراض(88):۔ کہا جاتا ہے کہ شیعوں کے پاس ایک اور قرآن ہے جسے "مصحف فاطمہ" کہا جاتا ہے۔ یہ بات کس حد تک صحیح ہے؟

جواب:۔ قرآن کریم میں لفظ "صحف" استعمال ہوا ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔

۱۰ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ہ (سورہ التکویر آیت ۱۰)

(جب اعمال نامے پھیلا دیئے جائیں گے)۔

دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے۔

۱۸ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ہ ۱۹ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ہ (سورہ اعلیٰ/۱۸۔۱۹)

(یہ بات پہلے صحیفوں میں موجود ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں)۔

لفظ مصحف بھی اسی مادہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی رجسٹر یا جلد شدہ کتاب کے ہیں۔ واضح رہے کہ صدر اسلام اور حضرت رسول اکرم کی حیات طیبہ میں قرآن کریم کو لفظ "مصحف" سے یاد نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ ہر کتاب کو لفظ مصحف سے یاد کیا جاتا تھا۔

اب ابی داؤد سجستانی نے قرآن کریم کو مصحف میں جمع کرنے کے متعلق محمد ابن سیرین سے یہ روایت نقل کی ہے:

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کا انتقال ہو گیا تو علیؑ نے فرمایا:

"اقسم علی علی ان لایرتدی الرداء الا لجمعة حتی یجمع القران مصحف"

(علیؑ نے قسم کھائی ہے کہ وہ جمعہ کے علاوہ اپنی دوش پر ردا نہیں رکھیں گے جب تک قران ایک مجلک شکل میں جمع نہ کر دے)۔

ابو العالیہ نے لفظ مصحف کو مجلد کتاب کے معانی میں استعمال کرتے ہوئے کہا

"انهم جمعوا القران فی مصحف فی خلافة ابی بکر"

(انہوں نے حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں قران کو "مصحف" میں جمع کیا)

ابو العالیہ نے مزید کہا:

ان عمر بن الخطاب امر بجمع القران وکان اول من جمعه فی المصحف۔ (کتاب المصاحف تالیف حافظ ابوبکر عبد اللہ بن ابی داؤد سجستانی ص ۹۔۱۰)

(عمر بن خطاب نے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے قرآن کو "مصحف" میں جمع کیا)۔

مذکورہ جملوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں "مصحف" بڑے رجسٹر یا مجلد کتاب کو کہا جاتا تھا جس کے اوراق کو منتشر ہونے سے بچانے کیلئے جلد بندی کر دی جاتی تھی پھر وقت گزرنے کے ساتھ

ساتھ لفظ "مصحف" کے مفہوم میں تبدیلی آئی اور اس کا معنی قرآن کیا جانے لگا۔ ہمارے ائمہ کرام کی روایات میں بھی لفظ "مصحف" جلد شدہ کتاب یا لکھے ہوئے رجسٹر کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"من قرا القران فی المصحف یتمتع ببصره" (اصول کافی: ج۲ ص ۶۱۳)

(جو کوئی قرآن کو مجلد کتاب سے پڑھے تو وہ اپنی نگاہ سے لطف اندوز ہوتا رہے گا)۔

ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا:

"قراۃ القران فی المصحف تخفف العذاب عن الوالدین" (اصول کافی جلد۲ ص ۶۱۳)

(مصحف پر دیکھ کر قرآن کو پڑھنے سے والدین کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے)۔

مورخین نے خالد بن معدان کے حالات زندگی میں یہ کلمات لکھے:

"ان خالد بن معدان کان علمه فی مصحف له از اروعری"

(المصاحف سجستانی ص ۱۳۴۔۱۳۵) (خالد بن معدان نے اپنی معلومات کو ایک کتابچہ میں لکھ کر محفوظ کر لیا تھا اور کتابچہ پر اس نے بٹن لگوائے تھے اور اس کو پکڑنے کی جگہ بھی بنوائی ہوئی تھی) واضح رہے کہ خالد بن معدان تابعی تھا اور اسنے ستر صحابہ سے ملاقات کی تھی۔ ابن اثیر نے اس کے حالات مادہ "کلاعی" میں نقل کیے ہیں۔ (اللباب فی تھذیب الانساب، ابن اثیر جلد۳ ص ۲۶۔۶۳) مذکورہ بیانات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک لفظ "مصحف" قرآن کریم کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔ یہ لفظ کسی بھی مجلد کتاب اور کسی بھی ایسے مجلد رجسٹر کیلئے استعمال ہوتا تھا جس میں لوگ اپنی معلومات کو جمع کرتے تھے۔ قرآن مجید کو "صحف" کہنے کا رواج بہت بعد میں ہوا اور اس

کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ الفاظ قرآن ذہن سے باہر آئے اور انہیں اوراق پر منتقل کیا گیا اور ایک مجلد کتاب کی شکل دی گئی۔ کلینی نے الکافی میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: "**ان الائمۃ محدثون مفھمون**" اور اس موضوع کی احادیث جمع کی ہیں۔ تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ "محدث" وہ ہوتا ہے جو فرشتے کی آواز کو سنتا ہے لیکن اسے فرشتہ دکھائی نہیں دیتا۔ پھر کلینی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ تمام ائمہ اہل بیت "محدث" تھے۔ **(اصول کافی جلد اول ص ۳۲۵۔۳۲۷)**

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا محدث تھیں

رسول اکرمؐ کی دختر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے کمال وجود کی وجہ سے "محدثہ" تھیں یعنی آپ فرشتے کی آواز سنتی تھیں لیکن دیکھ نہیں سکتی تھیں۔ جب آپ کے والد ماجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو آپ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل امینؑ آپ کے گھر میں آتے تھے اور آکر حضرت سیدہؑ کو آنے والے حالات سے آگاہی دیتے تھے اور اس طرح سے بی بی کو تسلی اور ڈھارس بندھاتے تھے۔ آیئے مصحف فاطمہؑ کی خصوصیات اولاد فاطمہؑ کی زبانی سنیں: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وفات دی تو شدید غم نے حضرت فاطمہؑ کو گھیر لیا تب اللہ تعالیٰ نے سیدہ کی تسلی کیلئے ایک فرشتے کو بھیجا۔ حضرت فاطمہؑ اس کی زبان سے جو کچھ سنتی تھیں امیر المومنینؑ سے بیان فرما دیتی تھیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جب آپ فرشتہ کی آواز سنیں تو مجھے آگاہ کریں تاکہ میں اس کی کہی ہوئی باتوں کو لکھ لوں۔ چنانچہ فرشتہ حضرت فاطمہؑ سے کلام کرتا تھا اور حضرت علیؑ اسے لکھ لیتے تھے یہاں تک کہ وہ ایک کتابچہ کی شکل میں جمع ہوا اور اسے "مصحف" کا نام دیا گیا۔ اس میں حلال وحرام کے مسائل نہیں تھے۔

بلکہ اس میں آنے والے واقعات کی جھلکیاں تھیں۔(الکافی جلداول، باب فیہ ذکر الصحیفۃ حدیث ۲)

اعتراض (89):۔ کیا حضرت علی بن ابی طالبؑ کے پاس کوئی علیحدہ مصحف موجود تھا؟

جواب:۔ یہ سوال دوطرح سے پیش کیا جاتا ہے:

ا۔کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مصحف علیؑ سے کیا مراد ہے؟

۲۔کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ" کتاب علیؑ "سے کیا مراد ہے؟

"مصحف علیؑ " سے قرآن کریم کا وہ نسخہ مراد ہے جسے آپ نے ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا تھا۔ابن ندیم "فہرست "میں لکھتے ہیں کہ امیرالمومنینؑ نے یہ محسوس کیا کہ لوگ وفات پیغمبر کو اپنے لئے فال بد تصور کر رہے ہیں اسی لئے آپ نے قسم کھائی کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں تب تک اپنے کندھے پر چادر نہیں ڈالوں گا۔آپ نے تین دنوں میں قرآن جمع کیا اور مسجد میں لے آئے۔(تاریخ القرآن ص ۷۶ تالیف ابوعبداللہ زنجانی (المتوفٰی ۱۳۶۰ھ) طبع قاہرہ با مقدمہ احمد امین مصری) یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے رسول خداؐ کے وصال کے بعد قرآن جمع کیا تھا اور اسے سات حصوں میں تقسیم کیا تھا۔اس وقت قرآن مجید کے ساتھ اجزا اور ان میں مرقوم سورتوں کو یاد کیا جاتا تھا۔(تاریخ یعقوبی (ابن واضح اخباری) جلد ۲ ص ۱۲۶) یعقوبی نے حضرت علیؑ کے جمع کردہ قرآن کی جو خصوصیات بیان کی ہے اگر اس پر غور کیا جائے تو اس سے یہ بات معلوم ہوگی کہ اس کا موجودہ قرآن کے ساتھ سورتوں کے لحاظ سے کوئی اختلاف نہی تھا البتہ اگر کوئی اختلاف تھا تو سورتوں کے جمع کرنے کی کیفیت کا تھا۔

اگر ایسا قرآن فی الواقع موجود ہوتا تو اس کی وجہ سے کسی تحریف کا خطرہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا، علیؑ کے مصحف ہی میں سورتوں کی ترتیب کا فرق نہیں تھا۔ ابن عباس کے مصحف میں بھی سورتوں کی ترتیب کا فرق پایا جاتا تھا۔ اب ہم دوسرے سوال کا جواب عرض کرتے ہیں: "کتاب علی" سے وہ چیز مراد ہے جسے امیر المومنینؑ نے حیات رسول میں لکھا تھا آپ رسول خدا سے جو بھی حلال و حرام کا مسئلہ سنتے یا دوسرے مطالب سنتے تھے ان سب کو لکھ لیتے تھے۔ رسول خدا کی بیان کردہ احادیث کو آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور اس مجموعہ کو "کتاب علی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے بعد یہ کتاب نسلاً بعد نسلاً آپ کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی اور امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ اس کتاب سے استفادہ کر کے احکام بیان کرتے تھے۔

نجاشی مذہب شیعہ کے مشہور علم الرجال کے ماہر گزرے ہیں۔ انہوں نے محمد بن عذافر صیرفی سے روایت کی۔ اس نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں حکم بن عتیبہ کے ساتھ امام محمد باقرؑ کی خدمت میں موجود تھا۔ حکم مسلسل سوال کرتے رہے اور امام مسلسل جواب دیتے رہے لیکن ایک مقام پر ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ امام محمد باقرؑ نے اپنے فرزند امام جعفر صادقؑ سے فرمایا: فرزند! جاؤ (گھر سے) کتاب علیؑ لے آؤ۔ جعفر صادقؑ گھر گئے اور وہاں سے لپیٹے ہوئے طومار کی مانند ایک بڑی سی کتاب لے آئے۔ امامؑ نے اختلافی مسئلہ اس میں تلاش کیا اور حکم بن عتیبہ سے فرمایا: اسے رسول خداؐ نے لکھوایا اور مولا علیؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ تم اور تمہارے دوست سلمہ بن کہیل اور ابو المقدام جہاں بھی چلے جائیں تمہیں اس علم سے زیادہ مستحکم علم اور کہیں نہیں ملے گا کیونکہ جبرئیل ہمارے گھرانے میں نازل ہوتے تھے۔ (رجال نجاشی۔ شمارہ ترجمہ ۹۶۷) کچھ دوسری روایات میں یہ الفاظ مرقوم ہیں کہ اس کتاب کا طول ستر ہاتھ اور اس کی موٹائی اونٹ کی ران کے برابر تھی اور وہ ایک طومار کی طرح سے لپٹی ہوئی تھی۔

اس کتاب کے علاوہ امیر المومنینؑ کے پاس ایک اور کتاب بھی تھی جس کا نام "صحیفہ" تھا اس میں دیت کے احکام لکھے ہوئے تھے۔ اس صحیفہ سے کتب حدیث میں بہت سی روایات آئی ہیں۔ محقق فرزانہ مرحوم جناب میرزا علی میانجی نے صحیفہ سے کتب احادیث میں لی گئی تمام احادیث کو جمع کیا ہے۔ (مکاتیب الرسول جلد اول ص ۶۹۔۷۱) آخر میں ہم اپنے قارائین کرام کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ وفات رسولؐ کے بعد خلفاء نے کتابت حدیث پر پابندی عائد کردی تھی لیکن حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد اور آپ کے شیعوں نے حدیث رسولؐ کو لکھا اور اس کی ہر ممکن حفاظت کی اور انہوں نے ایک سو سال تک حدیث پر جاری رہنے والی پابندی کی پرواہ نہیں کی تھی۔ یہ ایک تفصیلی موضوع ہے جس پر ہم مناسب مقام پر گفتگو کریں گے۔

دعا کو قرآن سے زیادہ اہمیت دینا

اعتراض (90):۔ شیعہ حضرات قرآن کریم کی بہ نسبت دعاؤں کی کتابوں کو زیادہ اہمیت کیوں دیتے ہیں؟

جواب:۔ ائمہ اہل بیتؑ سے ہمیں جو تعلیمات حاصل ہوئی ہیں ان میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ دعا کو تلاوت قرآن سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ قرآن ایک جاودانی معجزہ ہے اور کتب آسمانی کی آخری کڑی ہے جس کی روشنی ہر دور اور ہر زمانہ میں باقی رہے گی۔ بہت سی روایات میں قرآن پڑھنے اور حفظ کرنے اور خوش الحانی سے تلاوت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کی اہمیت پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس بارے میں "قرآن در روایات اہل بیتؑ" نامی کتاب کا مطالعہ کافی ہے۔ یہ کتاب ایران اور مصر سے شائع ہوئی ہے اور اس میں ہادیان دین اور ائمہ طاہرین کی زبانی قرآن کریم کی عظمت بیان کی گئی ہے۔ زیارت بیت اللہ کا شرف نصیب ہوا۔ چنانچہ بندہ نے ایک رات مقام ابراہیمؑ کے پاس بیٹھ کر دعائے جوشن کبیر

پڑھی۔ میرے ساتھ ایک عرب جوان بیٹھا ہوا تھا وہ پوری توجہ سے دعا کو سنتا رہا اور روتا رہا۔ دوسری رات پھر اسی وقت میں نے وہاں بیٹھ کر دعائے کمیل پڑھی تو وہ جوان میرے قریب آ گیا اور دعا سن کر روتا رہا۔ دعا ختم ہونے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ شیعہ ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ جوان نے کہا کہ میں سعودیہ کا باشندہ ہوں آپ کے پاس ایسی پر درد اور پُر اثر دعائیں کیسے آ گئیں جب کہ ہمارے ہاں تو ایسی موثر دعائیں دکھائی نہیں دیتیں؟

میں نے عرض کیا کہ اپ لوگ حضرت علیؑ اور امام زین العابدینؑ سے دور ہیں۔ اگر آپ ان کے قریب ہوتے تو یہ جواہر ریزے آپ کے پاس بھی ہوتے۔ جوان نے کہا: بے شک جن کی دعائیں اس قدر بلند مرتبہ ہیں وہ واقعی حقیقی امام تھے۔ دعا اور مناجات کو عبادت کا بلند ترین درجہ قرار دیا گیا ہے اور اس کے متعلق یہ حدیث ہے "الدعاء مغز العبادة" (سفینۃ البحار اول مادہ دعا) (دعا اور خدا سے راز و نیاز عبادت کا مغز ہے)۔

اعتراض (91):۔ جب شیعہ قرآن کو تحریف سے پاک مانتے ہیں تو وہ ایسی روایات کو اپنی کتب حدیث سے حذف کیوں نہیں کر دیتے؟

جواب:۔ اسلامی ثقافت میں علمائے شریعت کی دو قسمیں ہیں:

الف۔ علمائے اسلام کا ایک گروہ وہ ہے جنہیں "محدث" کہا جاتا ہے۔ ان کا کام احادیث کو جمع کرنا ہے خواہ وہ مستند ہوں یا مرسل ہو۔ محدثین نے صحیح، سقیم، معتبر اور غیر معتبر احادیث کا خیال رکھے بغیر احادیث جمع کی ہیں۔ البتہ انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ جن الفاظ سے انہوں نے حدیث کو سنا ان ہی الفاظ سے اسے اپنے قارئین تک پہنچائیں۔

ب۔ علمائے اسلام کا ایک گروہ وہ ہے جسے علمائے عقیدہ وشریعت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ علمائے محدثین کی احادیث کی سند اور مضمون کی چھان بین کرتے ہیں چنانچہ تحقیق کے مراحل سے گزر کر وہ کچھ روایات کو قبول کرتے اور کچھ روایات کو رد کرتے ہیں۔ یہ گروہ حفظ امامت کے تقاضوں سے مجبور رہے اسی لئے یہ محدثین کی کتابوں میں کوئی ردوبدل نہیں کرتا۔ البتہ انہوں نے بعض کتابوں کی تلخیص کی ہے اور بعض علماء نے کسی کتاب سے صحیح احادیث کو علیحدہ شکل میں شائع کرایا ہے۔ لیکن تاریخ میں یہ کام ہوتا رہا ہے کہ محققین کا گروہ محدثین کے کام کی چھان پھٹک کرتا رہا ہے۔ بالکل ایک زمانہ (کے معمولات) کی مانند کہ کچھ لوگ اس کیلئے خام مال فراہم کرتے ہیں اور انجینئر وہم اس میں سے صحیح مواد چن کر اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ لہذا ہم نے کتاب ہذا میں بارہا عرض کی ہے کہ کتب احادیث کو کتب عقائد نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگر کافی جیسی کتاب میں بھی کوئی روایت دکھائی دے جو تحریف کو ثابت کرتی ہو تو وہ روایت ناقابل قبول شمار کی جائے اگرچہ کافی بذات خود ایک قابل قدر کتاب ہے۔

احمد بن حنبل نے احادیث کو جمع کر کے مسند تشکیل دی تھی اس کتاب میں تیس ہزار احادیث موجود تھے۔ ان روایات میں ضعیف اور غیر صحیح احادیث اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا انتخاب مشکل ہے۔ اس کے باوجود احمد کا کام رضائے خداوندی پر مبنی تھا اسی طرح علماء محققین کا کام بھی رضائے الٰہی جذبہ پر مبنی تھا۔ بنیادی طور پر علماء، نقد وتبصرہ اور مباحثوں نے ہر زمانے میں اسلام کو نئی زندگی دی ہے۔ اگر تحقیق کا یہ عمل ختم ہو جائے تو تھوڑے ہی عرصے میں دین کے چہرے پر غفلت ونسیان کا گردوغبار چھا جائے گا۔

شیعہ اور آیات متشابہات کی تاویل

اعتراض (93):۔ کیا شیعہ حضرات اپنے مذہب کی تائید کے لئے آیات قرآن

کی تاویل کرتے ہیں؟

جواب:۔اس مسئلہ کی وضاحت کیلیئے کچھ کی تاویل کے متعلق کچھ معروضات پیش کرتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ تمام علمائے اسلام تاویل کو جائز سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور فرمایا ہے:

ھو الذی انزل علیک الکتب منه ایت محکمت ھن ام الکتب واخر متشبھت فاما الزین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا الله. والرسخون فالعلم یقولون امنابه کل من عندربھا وما یزکرالا اولوالالباب۔ (سورہ آل عمران/۷) (وہی ہے جس نے اپ پر کتاب (قرآن) نازل کی اس میں کچھ آیات محکم ہیں جو کتاب کی بنیاد اور اصل ہیں اور ایک حصہ متشابہ ہے۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی اور انحراف ہے وہ فتنہ انگیزی اور "تاویل طلبی" کے لئے "متشابہ" کی پیروی کرتے ہیں جبکہ اس کی تاویل کو خدا اور راسخین فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ یہ کہتے ہیں کہ ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب آیات ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور اہل عقل کے علاوہ اور کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا)

اس آیت مجیدہ نے قرآن آیات کو دو حصول میں تقسیم کیا ہے:

ا۔محکم ۲۔متشابہ

"محکم" سے وہ آیات مراد ہیں جو بلحاظ دلالت واضح اور مستقل ہوں اور ان میں دو مفاہیم کا احتمال موجود نہ ہو۔ اس کے برعکس "متشابہ" وہ آیت ہے جس کا ظہور متزلزل ہوا اور اسکی وضاحت کے

لئے خود اس آیت میں اور اس سے مربوط دوسری آیات پر توجہ کی ضرورت محسوس ہو کہ اس کے بعد اس کا مطلب و مفہوم واضح ہو اور مفہوم میں پایا جانے والا ستم ہو اور آیت کی صحیح تفسیر سامنے آئے۔ متشابہ آیات کے متعلق علماء میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے لیکن اس کی تاویل کی ضرورت پر سب متفق ہیں۔ کبھی متشابہ آیات کی تاویل فتنہ گر افراد کرتے ہیں اور وہ اس سے غلط مطالب کا استنباط کرتے ہیں اور کبھی متشابہ آیات کی تاویل ایسے "راسخین فی العلم" کے وساطت سے سامنے آتی ہے جو پوری توجہ اور بے غرضی کے ساتھ اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات پر تحقیق کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور مقصود الٰہی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ متشابہ کی تاویل کیلئے کچھ حدود و ضوابط ہیں جو کہ ایک مفسر میں ہونے ضروری ہیں۔

﴿ذیل میں ہم تاویل مقبول کے چند نمونے بیان کرتے ہیں یہ تاویل دراصل تفسیر الآیات بہ آیت کے اصول پر مبنی ہے۔﴾

قرآن نے بلند و بالا معارف کو عام افراد کی ذہنی سطح تک لانے کی کوشش کی ہے تا کہ تمام افراد کسی استثنا کے بغیر ان معارف سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان معاف کو تمام افراد تک پہنچانے کے لئے مسائل عقلی کو حسی لباس پہنایا جس کی وجہ سے احتمالات نے جنم لیا اور کچھ ایسے احتمالات بھی منظر عام پر آئے جو قرآن کے مسلمہ اصولوں سے سازگار نہیں تھے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے کہ کوئی بھی ظالم و ستم گر خداوند عالم کے دست تصرف سے باہر نہیں ہے۔ خدا کو ان سب پر مکمل اقتدار حاصل ہے۔ اس کیلئے احاطہ قدرت سے کوئی بھی شخص باہر نہیں ہے۔ اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا:

۱۔ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ (سورہ فجر/۱۴)

(بے شک تیرا پروردگار گھات میں ہے)

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اپنی ہیبت و عظمت کے اظہار کیلئے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ (سورہ فجر/۲۲)

(قیامت کے دن جب ملائکہ صفیں باندھے کھڑے ہوں گے تو تیرا خدا آئے گا)

ان آیات کا مقصد خدا کی قدرت اور اس کی حکومت کو بیان کرنا ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ خداوند عالم تمام کائنات پر محیط ہوگا۔ لیکن اس مفہوم کو محسوس مسائل کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا گیا ہے۔ آیات متشابہات کے حقیقی مفہوم کو تلاش کرنے کے لئے اس سے پہلے کی آیات میں موجودہ قرآن اور اس جیسی دوسری آیات پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور جب کوئی قرآن کی شرائط کی پابندی کرتا ہے تو متشابہ آیات محکمات کے مساوی ہوجاتی ہیں۔

تاویل کی ایک اور قسم

قرآن کریم میں کچھ ایسی آیات بھی ہیں جو کہ محکم ہونے کے باوجود تاویل کے قابل ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ سائل کی مراد یہی تاویل ہو۔ تاویل محکم کا مقصد کسی کامل و اکمل مصداق کی نشان دہی ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید کہتا ہے

"اھدنا الصراط المستقیم"

مفسرین نے "صراط مستقیم" کی تفسیر میں مختلف احتمالات پیش کیے ہیں جب کہ ہماری تفاسیر

میں اس سے رسول خداؐ اور آپؐ کے جانشینوں کا راستہ مراد لیا گیا ہے۔ یقیناً اس طرح کی تاویل سے "صراط مستقیم" کا کامل واکمل مصداق بیان کیا گیا ہے کیونکہ تمام انبیاء واولیائے الٰہی صراط مستقیم پر تھے اورانہوں نے صحیح راستے پر ہی سفر کیا تھا لیکن رسول اکرمؐ اور آپؐ کا خاندان اس کا کامل نمونہ تھے اور انکی رفتار وگفتار "صراط مستقیم" کو واضح کرتی تھی۔

اس طرح کی تاویل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ اس کے لئے شرائط ہیں کہ وہ روایت صحیح سے ثابت ہو۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

4.5 إِنَّمَآ أَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (سورہ الرعد/۷)

(پیغمبر! آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر ملت کا ہادی ہوتا ہے)

ہماری روایات میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

"یا علی میں ڈرانے والا ہوں اور تو ھادی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام آئمہ اہلبیت اپنے زمانے میں ھادی منجانب اللہ ہیں"۔

کچھ خوف خدا رکھئے

ہمارے مخالفین ہمارا دل دکھانے کے لئے اپنے جرائم نقائص چھپانے کی خاطر اکثر ہم پر تحریف کا الزام لگاتے ہیں لیکن اگر بالفرض ان کا یہ الزام درست بھی ہو تو بھی ہمارا عقیدہ کم سے کم ایمان بالقرآن تو ثابت ہوتا ہے لیکن مذہب اہل سنت والجماعت کے اگر قرآنی عقائد کو دیکھا جائے تو اس مذہب میں قرآن کا نازل ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے ان کے مذہب کے مطابق ان کے پاس نہ ہی

اصلی قرآن کا وجود ثابت ہے نہ ہی نقلی قرآن کا۔ نہ ہی ان کے پاس حقیقی قرآن ہے اور نہ ہی فرضی یا جعلی۔ کیونکہ یہ قدامت قرآن پر عقیدہ رکھتے ہیں اس لئے کسی بھی وقت میں ان کے مزعومہ قرآن کا وجود متحقق نہیں ہوسکتا ہے مجیب کا نہ ہی عقیدہ ہے اور نہ ہی منکر قرآن ہے۔ ہمارے مسلک کے مطابق قرآن حادث ہے۔ خدا کا مخلوق ہے۔ اس کی صفت ذاتیہ نہیں ہے۔ نہ ہی قدیم ہے ہمارے پاس موجود ہے جس پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر سنی مذہب قرآن کو صفت ذاتیہ بھی کہتا ہے اور پھر صفات خدا کو اس کی ذات کا غیر اور زائد بھی مانتا ہے۔

پھر قرآن کو قدیم بھی سمجھتا ہے۔ اب بتائے کہ آپ کے مذہب کے مطابق خدا کی صفت اس کی ذات سے جدا ہو کر آپ کے پاس کہاں سے اور کیسے آگئی۔ قدیم چیز میں تغیر کس طرح واقع ہوا کہ اسے جبرئیل تھوڑا تھوڑا یعنی قدیم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کیسے لائے۔ پھر قدیم کو صحابہ کیسے کاغذوں پر لکھ لیا۔ پھر قدیم کی ترتیب آپ کے مذہب سے کیسے بدل گئی پھر قدیم کے ضائع ہونے کا اندیشہ کیوں ہوا کہ اس قدیم کے اجزا پراگندہ کو ایک جگہ بے ترتیب جمع کر لیا۔ پھر جناب عثمان نے اپنے منشا کے مطابق چھ زبانیں خارج کر کے صرف ایک زبان میں اس قدیم کو باقی رکھا۔ ان باتوں کو اپنے مذہب سے حل فرما دیجے پھر اپنے مذہب کے مطابق قرآن کے وجود کا اور اس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کیجئے۔

شیعہ مومنین قطعاً تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں لیکن آپ؟

ہم نے گزشتہ مباحث میں حضرات اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلمات عقائد سے سنی خلفائے

راشدین امہات المسلمین، اصحاب النبی، اکابر محدثین اور آئمہ مفسرین کے اقوال و مسانید و شواہد سے اہل سنۃ والجماعۃ کا عقیدہ تحریف حروف الفاظ آیات اور سورہ ہائے قرآن میں کمی زیادتی قرآن میں غلطیوں کا رہ جانا اور تقدیم و تاخیر آیات پورے حوالہ جات سے پیش خدمت کردی ہیں۔ اب ہم **اعلانیہ واضح کرتے ہیں کہ شیعان اہل بیت موجودہ قرآن کو منزل من اللہ غیر محرف مانتے ہیں۔ جو شخص قرآن میں کمی زیادتی کا ہونا ہماری طرف نسبت کرتا ہے وہ کاذب اور مفتری ہے۔ تمام اثنا عشری شیعوں کا یہی عقیدہ ہے۔** شیعہ کتب میں جو ایسی روایات اہل سنۃ نشان دہی کرتے ہیں اپنی عادت کے مطابق ان میں بھی معنوی تحریف کرتے ہیں۔ تفسیری عبارتوں سے متعلقہ یا دیگر صحائف سے متعلقہ باتیں قرآن سے منسوب کر کے ہم پر افتراء باندھتے ہیں، جس کا معاملہ ہم اللہ تعالیٰ کی قہر و جبر کی عدالت میں ڈالتے ہیں۔

اصحاب و امہات المومنین کا عقیدہ تحریف القرآن

اگر تحریف قرآن کا قائل فردمرتد ہے تو حضرت عمر

اگر تحریف قرآن کا قائل فرد مرتد ہے تو حضرت عمر کے اس فرزندار جمند کا کیا بنے گا جو کھلے لفظوں میں اعتراف کررہا ہے کہ اکثر قرآن ضائع ہوگیا ہے۔ اگر شیعہ مولفین سے کوئی روایت ملے گی تو ایک سورۃ ایک آیت کی تحریف کے متعلق ہوگی جبکہ حضرت عمر کا لائق فرزند اور خال المومنین کہہ رہا ہے کہ اکثر قرآن ضائع ہوگیا ہے۔ کیا آنجناب محترم اخلاقی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت عمر کے اس فرزند عزیز کو بھی شیعوں کے ساتھ شامل کریں گے؟

تفسیر اتقان، جلد دوم، ص۴۵، عروہ ابن الزبیر عنا ائشۃ قالت کانت سورۃ الاحزاب تقرأنی زمن النبی ماتتی آیۃ فلما کتب عثمان المضحف لم نقدر منھا الا ما ھوالان ۔ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں کہ زمانہ سرورِ کونین میں سورہ احزاب کی دوسو آیات کی تلاوت کی جاتی تھی۔ جب عثمان نے قرآن جمع کیا تو ہمیں یہ سورہ صرف اتنی ہی مل سکی جو اس وقت موجود ہے۔

اب خدا کے لیے اٹھایئے قرآن اور سورۂ احزاب کی آیات شمار کیجیے۔ اب قرآن میں آپ کو

صرف اور صرف تہتر آیات مل سکیں گی۔ یہ ایک سو تیس آیات کہاں جائیں گی۔ کیا یہ روایت بیان کر کے اُم المومنین عائشہ تحریفِ قرآن کی قائل نہیں ہو گئیں۔ اگر ہو گئیں ہے تو کیا آنجناب شیعوں کے ساتھ ساتھ تحریفِ قرآن کے قائل ہونے کے جرم میں اُم المومنین عائشہ پر بھی کفر وارتداد کا فتویٰ صادر فرما سکیں گے۔ اگر ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہو گی؟

بی بی کی تائید میں اسی صفحہ پر ذرا آگے ملاحظہ فرمائیں:

عن زرابن جیش قال قال لی ابی ابن کعب کاین تعد سورة الاحزاب قلت اثنتین وسبعین اية او ثلاثه وسبعين آية قال انكانت لتعدل سورة البقرة وان كنا لنقر فيها اية الرجم قال، اذا زنا الشيخ والشيخة فارجمعا هما البتة نكالامن الله والله عزيز حكيم "زرابن جیش کہتا تھا کہ مجھ سے ابن ابی کعب نے پوچھا: سورہ احزاب کی کتنی آیات شمار کرتے ہوں۔ میں نے کہا: یہ سورۃ بقرہ کے برابر تھی اور اسی میں ہم آیۃ الرجم بھی پڑھا کرتے تھے۔ میں نے کہا: وہ آیہ رجم کیا ہے۔ اس نے کہا: **الشیخ والشیخه فارجموها نکالاً مین الله والله عزیز حکیم**"۔

اگر آنجناب آنکھیں کھول کر دیکھیں تو ان کے فتوے کفر وارتداد میں شیعوں سے پہلے ان کے اپنے ایسے ایسے افراد آئیں گے جنھیں دائرہ کفر میں دیکھ کر انھیں اپنا اسلام تلاش کرنا پڑے گا۔

حمیده بنت ابی یونس قالت قرأ علی ابن ابی وهو ابن ثمانين ستة فی مصحف عائشة ان الله ومالا ئكته يصلون على النبی، يا يها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما وعلى الذين يصلون الصفوف الاول قالت قبل ان يغير عثمان المصاحف "حمیدہ بنت ابی یونس

کہتی ہے کہ ابی ابن کعب نے میرے سامنے اس وقت تلاوت قرآن کی جب وہ اسی برس کا تھا اور اس کے پاس مصحف عائشہ تھا۔ اس نے یہ آیت اس طرح پڑھی۔۔۔ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا یھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً وعلی الذین یصلون الصفوت الاول۔ لیکن یہ آیت اس طرح اس وقت پڑھی جاتی تھی جب عثمان نے قرآن کو بدلا نہیں تھا"۔

اب آنجناب کا کیا خیال ہے صرف شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں یا یہ لوگ جو آیات پیش کررہے ہیں اور کھلے لفظوں میں اعلان کررہے ہیں کہ عثمان نے قرآن کو بدل ڈالا ہے۔

عن عطاء ابن یسار عن ابی واقہ اللیثی قال کان رسول اللہ اذا اوحی الیہ ایتناہ مغلمنا مما اوحی الیہ قال نجئت ذات یوم فقال ان اللہ بقول انا انزلنا المال الاقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ ولو ان لابن ادم وادیا لاحب ان یکون الیہ الثانی ولو کان الیہ الثانی لاحب ان یکون الیھما الثالث ولا یملاء جوف ابن ادم الا اتراب ویتوب اللہ علی من تاب "عطاء ابن یسار ابو وقد لیثی سے روایت کرتا ہے کہ جب سرور کونینؐ پر وحی آتی تھی تو ہم آپ کے پاس آتے۔ آپؐ ہمیں وہ تعلیم دیتے۔ ایک دن میں آیا تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

انا انزلنا المال لاقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ ولو ان
لابن آدم وادیا لاحب ان یکون الیہ الثانی ولو کان
الیہ الثانی لاحب ان یکون الیھما الثالث ولا یملا
جوف ابن ادم الا اتراب ویتوب اللہ علی من تاب

کیا یہ لوگ تحریف قرآن کے قائل نہیں تھے؟ اگر تھے تو کیا ان کا شیعہ سے کوئی واسطہ ہے؟ اگر

ان کا شیعہ سے کوئی واسطہ نہیں تو کیا ان کا سوادِاعظم کے حزبِ اقتدار سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ اگر نہیں تو آپ ان سے تبرا فرمائیں۔ اگر ان کا حزبِ اقتدار کی جڑوں سے رشتہ ہے تو پھر آنجناب شیعہ کے ساتھ انھیں بھی کافرومرتد کہہ لیں، ہم خوش آمدید کہیں گے۔

ابن ابی ملیکه عن مسور ابن مخزه قال قال عمر لعبد الرحمن ابن عوف الم تجد فیما انزل علینا ان جاهدوا کما جاهدتم اول مره فانا لانجدها قال اسقطت مما اسقت من القرآن

"ابن ابی ملیکہ سے منقول ہے کہ عمر نے عبدالرحمٰن ابن عوف سے پوچھا کہ یہ آیت جب پہلی مرتبہ نازل ہوئی تو کیا اس طرح نہ تھی۔۔۔۔۔ **ان جاھدوا کما جاھدتم** لیکن اس طرح نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: یہ بھی اسی طرح ساقط کردی گئی ہے جس طرح قرآن کی دوسری آیات ساقط کردی گئی ہیں۔

اب آپ ہی فرمائیں یہ سائل کون ہیں۔۔۔۔۔ کیا پوچھنے والا اور جواب دینے والا دونوں تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں؟ اگر تحریفِ قرآن کے قائل ہیں تو کیا کفروارتداد صرف شیعہ کے لیے ہے؟ آیئے اور اخلاقی جرات کا مظاہرہ کرکے انھیں بھی شیعہ کے ساتھ کافرومرتد کہیے۔ پھر حضرت عثمان کے دستِ دولت میں اقتدار کی چابی دینے والے عبدالرحمٰن ابن عوف اور شوریٰ کی چھ رکنی کمیٹی بنانے والے حضرت عمر کو بھی شیعوں کی طرح کافرومرتد کہیے اور ان دونوں خلفاء کو خلافت راشدہ کی گدی سے ہٹایئے تاکہ صرف حضرت ابوبکر کو مسندِ اقتدار سے علیحدہ کرنا ہم غریب شیعوں کے لیے ذرا آسان ہوجائے۔

عن ابی سفیان الکلاعی ان مسلمة ابن مخلد الانصاری قال لهم ذات أخبرنی بایتین فی القرآن لم یکتب فی المصحف فلم یخبروه وعندهم ابوالکنود سعد ابن مالک فقال ابن مسلمة۔۔۔ ان الذین امنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل الله باموالهم وانفسهم الا البشروا انتم المفلحون۔۔۔ والذین اووهم ونصرو وهم جادلوا عنهم القوم الذین غضب الله علیهم اولئک لاتعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین جزاء بما کانوا یعملون

"ابو سفیان کلاعی کہتا ہے کہ ایک دن مسلمہ ابن مخلد انصار نے ہمیں ابوالکنو د سعد ابن مالک کی موجودگی میں کہا کہ مجھے ایسی دو آیتیں بتاؤ جو قرآن میں آئی تو ہیں مگر مصحف میں انہیں لکھا نہیں گیا۔ کسی نے اسے نہ بتایا۔ پھر اس نے خود کہا: وہ دو آیتیں یہ ہیں: ان الذین امنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل الله باموالهم وانفسهم الا البشروا انتم المفلحون۔ والذین اووهم و نصروهم جادلوا عنهم القوم الذین غضب الله علیهم اولئک لا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین جزاء بما کانوا یعملون"۔

آنجناب بتائیں یہ لوگ کون ہیں؟ کیا یہ حضرت علیؑ کو خلیفہ اول ماننے والے شیعہ یا کہ

بزمِ اقتدار میں آپ کے کلاس فیلو اور حضرت علیؑ کو خلیفہ چہارم ماننے والے ہیں۔ یہ کیسی آیات پیش کررہے ہیں کیا یہی تحریف نہیں؟ میرے محترم قارئین! اس مختصری تمہید کے بعد آیئے اب صحاح ستہ کی سیر کریں اور دیکھیں کہ حزبِ اقتدار کس طرح اپنا کوڑا کرکٹ شیعہ کے ہاں پھینکنے میں مکاری اور عیاری سے کام لیتے ہیں۔

اس وقت جو نسخہ میرے پاس ہے یہ مولانا وحیدی الزماں صاحب کا ترجمہ کردہ ہے۔ تاج کمپنی نے شائع کیا ہے بلکہ تا حال شائع ہو رہا ہے۔ اس وقت تک میرے پاس اس کی سات جلدیں پہنچی ہیں اور میرے سامنے چھٹی جلد ہے۔

صحیح بخاری، جلد ۶، پارہ ۲۰، ص ۴۳۹، حدیث ۴۴۲۶، کتاب التفسیر:

حدثنا یحیی قال سائلت ابا مسلمة ای القران انزل اول؟ فقال یایها المدثر فقلت انبئت انه اقرا باسم ربک الذی خلق فقال ابوسلمة سئالت جابر ابن عبداللہ ای القران انزل اول فقال یایها المدثر فقلت انبئت انه اقراء باسم ربک الذی خلق فقال لا اخبر الابما قال رسول اللہ قال رسول اللہ جاورت فی حراء فلما قضیت جواری هبطت فاستبطنت الوادی فنودیت فنظرت امالی و خلفی وعن یمینبی وعن شمالی فاذا هوا جالس علی عرش بین السماء والارض شمالی فاذا هوا جالس علی عرش بین السماء والارض فاتیت خدیجة

فقلت وثروني وصبوا علي ماء باردا وانزل خديجة

فقلت وثروني وصبوا علي ماء باردا وانزل علي

يايها المدثر قم فانذر وربك فكبر

"یحییٰ ابن کثیر نے کہا میں نے ابوسلمہ سے پوچھا قرآن شریف میں کون سی آیت پہلے اُتری ہے۔ انہوں نے کہا: یاایھا المدثر، میں نے کہا: لوگ تو مجھ سے کہتے ہیں: اقرا باسم ربک الذی خلق پہلے اتری ہے۔ انہوں نے کہا میں تجھ سے بیان کرتا ہوں جو آنحضرتؐ نے خود فرمایا ہے، آپؐ نے فرمایا: میں حرا پہاڑ میں اعتکاف کر رہا تھا۔ جب میرا اعتکاف ختم ہو چکا تو میں پہاڑ سے نیچے اُترا۔ نالہ کے اندر گیا۔ اس وقت ایک آواز آئی۔ میں نے آگے پیچھے دائیں اور بائیں سب طرف دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں وہی فرشتہ آسمان و زمین کے بیچ ایک تخت پر بیٹھا ہے۔ میں وہاں سے خدیجہؑ کے پاس آیا۔ میں نے کہا: ایک کپڑا مجھ پر اوڑھا دو اور ٹھنڈا پانی اُوپر سے ڈال دو۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ة۱ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ہ ة۲ قُمْ فَاَنْذِرْ ہ ة۳ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ہ۔

ہاں تو یہ ہے صحیح بخاری شریف جس میں ایک حدیث بھی غلط نہیں، (آپکے مطابق) ہمارے لیے کوئی فرق نہیں کہ پہلے اُترنے والی آیت ة۱ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ہ یا یاایھا المدثر ہو۔ اس وقت جو مصحف عثمان اُمت مسلمہ کے درمیان موجود ہے اس میں نہ پہلی آیت ة۱ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ہ ہے اور نہ ہی ة۱ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ہ ہے۔ اگر یہ تحریف نہیں تو کیا ہے؟ اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟۔۔۔ کیا جامعین قرآن میں کوئی شیعہ تھا؟ اگر

تحریف کا قائل ہونا کفر ارتداد ہے تو امام بخاری اور ان محدثین کے لیے کیا فتویٰ ہوگا؟ (صحیح بخاری، ج۶، پارہ ۲۰، کتاب التفسیر، ص۵۰۲، حدیث ۵۱۴) نوٹ:۔ یہی حدیث لفظی اور معنوی ہر لحاظ سے متحد انداز میں دیگر صحاح خمسہ میں بھی موجود ہے۔

عن عروة ابن الزبير ان المسور ابن مخزمه
وعبدالرحمن ابن عبدالقادی حدثاه انهما سمعا
عمر ابن الخطاب يقول سمعت هشامه ابن حكيم
يقرأ سورة الفرقان حياة رسول الله فاستمعت
لقرأة فاذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقر لينها
رسول الله فكدت اساوره فى الصلوة فتصبرت
حتى سلم ليته بردانه فقلت من اقراك هذه
السورة التى سمعت تقراء قال اقراء ينها رسول
الله فقلت كذبت فان رسول الله قد اقراء ينها
على غيره قرأت فانطلقت به اقوده الى رسول
الله فقلت انى سمعت هذا يقرأ بسورة الفرقان
على حروف لم تقرأيهنا فقال رسول الله ارسله
اقراء ياهشام فقراء عليه القرأة التى سمعته يقراء
فقال رسول الله كذلك انزلت ثم قال اقرأ ياعمر
فقرأت القرأة التى اقرأنى فقال رسول الله
كذلك انزلت ان هذا القران انزل على شيعة

احرف فاقرء واما تیسر منہ۔

"عروہ ابن زبیر نے بیان کیا ان سے مسور ابن مخزمہ اور عبدالرحمن ابن عبدالقادی نے، ان دونوں نے حضرت عمر ابن خطاب سے سنا وہ کہتے تھے: میں نے ہشام ابن حکیم کو آنحضرتؐ کی زندگی میں سورۃ فرقان پڑھتے سنا، میں سنتا رہا، دیکھا تو وہ ایسے حروف کثرت کے ساتھ پڑھ رہے ہیں جو آنحضرتؐ نے مجھے نہیں پڑھائے۔ میں تو عین نماز ہی میں اس پر حملہ کرتا مگر خیر میں نے نماز سے فراغت تک صبر کیا۔ جب انہوں نے سلام پھیرا، میں نے چادر ان کے گلے میں ڈالی، ان سے پوچھا: یہ سورۃ تم کو کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے کہا: آنحضرتؐ نے میں نے کہا: نہیں تم جھوٹے ہو، آنحضرتؐ نے تو خود مجھ کو یہ سورۃ اور طرز پر پڑھائی تم کو اس کے خلاف کیسے پڑھا سکتے ہیں؟ آخر میں ان کو کھینچتا ہوا آنحضرتؐ کے پاس لایا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! یہ سورہ فرقان کو اور اس طرح سے پڑھتا ہے جس طرح آپؐ نے مجھ کو نہیں پڑھائی۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا: اچھا ہشام کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا کہ ہشام پڑھ۔ انہوں نے اسی طرح پڑھا جس طرح میں نے ان کو پڑھتے سنا تھا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ سورت اسی طرح اُتری ہے۔ پھر مجھ سے فرمایا اب تو پڑھ۔ میں نے اس طرح پڑھی جس طرح آپؐ نے مجھے سکھائی تھی جب میں پڑھ چکا تو آپؐ نے فرمایا: ہاں اسی طرح اُتری ہے پھر فرمایا دیکھو یہ قرآن سات محاوروں پر اُترا ہے جو محاورہ تم پر آسان معلوم ہو اسے پڑھو"۔

مولانا وحید الزمان کا تبصرہ

بعضوں نے اس حدیث سے یہ مطلب نکالا ہے کہ قرآن میں ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ اس کا ہم معنی پڑھ لے تو درست ہے مگر صحیح یہ ہے کہ جو لفظ آنحضرتؐ سے ثابت ہے اس کے سوائے نیا لفظ پڑھنا درست نہیں اور بعد میں علماء کا اس پر اجماع ہو گیا۔

جائزہ: اس حدیث کا مطالعہ کئی پہلوؤں سے کیا جانا چاہئے کیونکہ اس میں صرف تحریف قرآن نہیں بلکہ بہت کچھ ہے۔☆ اخلاق حضرت عمر☆ تحریف قرآن ☆ سرور کونین کا تحریف قرآن کی حمایت کرنا۔ جہاں کہیں بھی ایسا مقام آیا کہ کسی فرد کے تعین کی ضرورت محسوس ہوئی تو ام المومنین عائشہ نے اس شخص کا نام گول کر دیا اور ہم آج تک لٹکتے پھر رہے ہیں۔ بی بی کی طرح حضرت عمر نے بھی زیر نظر حدیث میں وہی انداز اختیار کیا ہے۔ یہ تو فرمایا کہ ہشام حروف کثیرہ سے پڑھ رہا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ حروف کثیرہ کے مقابلہ میں حروف قلیلہ ہوں گے تو گویا حضرت عمر سورۃ فرقان کو حروف قلیلہ سے پڑھتے تھے مقام افسوس تو یہ ہے کہ حضرت عمر نے ہشام کے حروف کثیرہ بتائے نہیں کہ وہ کون کون سے تھے جو قرات ہشام میں زائد تھے۔

﴿اخلاق حضرت عمر یا رحماء بینھم کا مثالی نمونہ﴾

بخاری شریف کی حدیث اور اور مولانا وحید الزمان کا ترجمہ دونوں آپ کے سامنے ہیں۔

ہشام حضرت عمر کے خیال کے مطابق سورہ فرقان غلط پڑھ رہا ہے۔

☆ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہشام نماز پڑھ رہا تھا۔

☆ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نماز سے فارغ ہو چکے تھے یا نماز ابھی شروع نہیں کی تھی یا ویسے ہشام کی نگرانی کر رہے تھے۔

☆ حضرت عمر نے یہ نہیں بتایا کہ یہ نما کون سے وقت کی تھی؟ اور سرور کونین کہاں تھے؟ کیونکہ یہ تو یقین ہے کہ آنحضرتؐ وہاں موجود نہ تھے۔ اگر ہوتے تو حضرت عمر ہشام کے گلے میں کپڑا ڈال کر کشاں کشاں کھینچ نہ لاتے۔

☆ حضرت عمر نے سورہ فرقان سنتے ہی اپنا موڈ بنالیا اور ارادہ کر لیا کہ اسے نماز ہی میں دبوچ لوں لیکن خدا معلوم کیوں ترس آ گیا کہ نماز تک انتظار میں بیٹھے رہے۔

☆ جب ہشام نے نماز ختم کر لی تو بس پھر کیا تھا۔ چادر بھی ہشام کی اپنی اور گلا بھی ہشام کا اپنا، حضرت عمر نے ہشام کے گلے میں چادر ڈالی اور پوچھا یہ سورۃ تجھے کس نے پڑھائی ہے؟

☆ ہشام کا جواب سنا اور کہا کہ تو جھوٹا ہے پھر کشاں کشاں سرور کونینؐ کے پاس لے آیا اور جب تک آپ نے نہ فرمایا، اس وقت ہشام کی گلو خلاصی نہ ہوئی گویا یہ اختلاف فقط قرات کا نہ تھا۔ اختلاف بہت بڑا تھا۔ اگر صرف قرات کا اختلاف ہوتا تو حضرت عمر اتنے جذبات سے کام نہ لیتے اور ایک اچھے خاصے صحابی کو جھوٹا کہہ کر سرور کونینؐ کے پاس نہ پہنچاتے۔ راوی نے اگر چہ حضرت عمر کی وکالت کی خاطر اختلاف صرف قرات کا بتایا ہے لیکن حالات بتاتے ہیں کہ یہ اختلاف صرف قرات کا نہ تھا۔

﴿علمائے اُمت سے چند سوال﴾

☆ حضرت عمر نے ہشام سے ایسا سلوک کیوں کیا؟

☆ کیا اسلامی اخلاق ایسا سلوک کرنے کی اجازت دیتا ہے؟

☆ حضرت عمر نے اپنا یہ رعب اور دبدبہ کسی جنگ میں کیوں نہ استعمال کیا؟

☆ حضرت عمر کے اس فعل کو شجاعت کہا جائے گا یا کچھ اور؟

☆ حضرت عمر نے سرور کونینؐ کے سامنے جا کر آپؐ کی عظمت کے پیش نظر ہشام کو از خود کیوں نہ چھوڑا؟

☆ کیا حضرت عمر کے دل میں سرور کونینؐ کی عظمت تھی؟

☆ اگر تھی تو کیا یہ اسی کا مظاہرہ تھا؟

☆ رحمۃ للعالمینؐ کے زیر تربیت رہنے والے سے ایسے اخلاق کی اُمید کیسے کی جا سکتی ہے؟

☆ کیا حضرت عمر اتنا آزاد منش تھا کہ اس کے ذہن میں کسی کی عزت نہ تھی۔

☆ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت عمر ایسے اخلاق سے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ خود سرور کونین کو بھی مرعوب کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے؟

☆ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت عمر سرور کونینؐ اور اسلام کی نسبت خود سازی میں مصروف تھے؟

☆ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت عمر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں بھی اپنی اسی "حسن اخلاق" کی بناء پر خلافت کی بازی جیتی تھی؟

☆ حضرت عمر کے اس کردار کے پیش نظر جو سرور کونینؐ کی بزم میں رونما ہوتا رہتا تھا کیا یہ حقیقت نہیں کہ دختر رسولؐ کے دروازہ کو آگ لگائی گئی تھی؟

«تحریف قرآن»

ہشام کی قرات اور حضرت عمر کی قرات میں فرق تھا۔ قرات ہشام میں حروف کی کثرت تھی اور قرات حضرت عمر میں حروف کی قلت تھی۔ اگر ہشام کی قرات درست تھی تو حضرت عمر کی قلیل حروف والی قرات کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ اور اگر حضرت عمر کی آخری قلیل حروف والی قرات درست تھی تو ہشام کی کثرت حروف والی قرات کو کیسے درست کہا جا سکتا ہے؟ شیعہ کو تحریف قرآن کا قائل بتلا کر کافر و مرتد کہنے والے اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے۔ اگر تھوڑی سی گردن نیچی کر کے اپنے گریبان میں

جھانک لیں تو انہیں نظر آ جائے گا کہ تحریف قرآن کا راستہ صاف کرنے کی خاطر زمانہ رسالت تک ہاتھ دراز کیے جا چکے تھے اور ایسا کرنے والا کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ حضرت عمر خود تھے۔ مولانا وحید الزمان کا ذاتی تبصرہ دیکھئے اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت عمر اور ہشام کی قرات میں اختلاف زبر زیر یا قبائلی لغت کا اختلاف نہ تھا بلکہ اختلاف الفاظ کا تھا۔ ہشام کے پاس جو سورت تھی اس کے الفاظ زیادہ تھے اور حضرت عمر کے پاس جو سورۃ تھی اس کے الفاظ کم تھے۔ اب موجودہ مصحف عثمان میں خدا معلوم ہشام سے نقل کردہ سورۃ فرقان ہے یا حضرت عمر سے منقول سورہ فرقان ہ۔ جو بھی ہو تحریف ثابت ہے۔ اگر حضرت عمر کی نقل کردہ ہے تو یقیناً کمی ہے اور کمی بھی تحریف ہی کہلاتی ہے۔ اب میں درخواست کروں گا کہ تحریف قرآن کے قائل آنجناب کو کافر و مرتد کہتے ہوئے شیعوں کے ساتھ حضرت عمر کو کبھی نہ بھولیں۔

﴿سرور کونین کا تحریف قرآن کی حمایت کرنا﴾

کتنا تعجب ہے کہ بقول حضرت عمر سرور کونینؐ نے سورہ فرقان کی دونوں روایتوں کو درست تسلیم کر لیا۔ حضرت عمر کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ مجھے رسولؐ نے پڑھائی تھی اور ہشام کا دعویٰ بھی یہ ہے کہ مجھے آپ ہی نے تعلیم دی ہے۔ پھر دونوں سناتے بھی ہیں۔ آپ دونوں سے سن کر دونوں کو کہتے ہیں کہ اللہ نے اسی طرح نازل کی ہے گویا بالفاظ دیگر سرور کونینؐ خود اختلاف کی اجازت دے رہے ہیں اور کمی بیشی کی نسبت اللہ کی طرف جارہی ہے۔ حدیث کا مفہوم اور سرور کونین کی تصدیق یہ بتاتی ہے کہ سورہ فرقان دو مرتبہ نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ کی نازل کردہ سورہ ہشام نے پڑھی جو کثیر الحروف تھی اور دوسری مرتبہ کی نازل کردہ حضرت عمر کو پڑھایا جو قلیل الحروف تھا۔ اگر ایک مرتبہ نازل ہوا ہوتا تو یقیناً سرور کونینؐ یا حضرت عمر کو کہتے کہ تیری قرات درست ہے اور ہشام کو کہتے کہ تو ویسے پڑھ رہا ہے جیسے نازل ہوا ہے لیکن یہاں حضرت دونوں سے فرماتے ہیں کہ تم دونوں درست پڑھ رہے ہو یعنی جس کی قرات میں حروف کم ہیں وہ بھی ٹھیک ہے اور جس کی قرات

میں حروف زیادہ ہیں وہ بھی ٹھیک ہے۔ کیا کہنے اس رسول اعظمؐ کے، کیا بات ہے اس خلیفہ راشد کی۔ اور کیا عقیدت ہے مولانا بخاری کی تضاد واضح ہے لیکن سب اچھا۔

صحیح بخاری، پارہ ۲۰، کتاب التفسیر، ج ۶، ص ۵۰۳، حدیث ۵۱۵:

یوسف ابن مالک قال انی عند عائشة اُمه المومنین از جاء ها عراقی فقال ای الکفن خیر قالت ویحک وما یضرک قال یا امیر المومنین ارینی مصحفک قالت ولم قال لعلی اولف القران علیة فانه یقرأ غیر مؤلف قالت وما یضرک ایه قرأت قبل انما نزل اول ما نزل منه سورة من المفصل فیها ذکر الجنة والنار حتی ازا ثاب الناس الی الاسلام نزل الحلال و الحرام ولو نزل اول شیئی۔۔ لاتشربوا الخمر لقالوا الا ندع الخمر ابدًا ولو نزل لا نزنوا لقالوا الا ندع الزنا ابدًا لقد نزل بمکة علی محمد وانی جاریة العب۔۔ بلک الساعة موعدهم ادهی وامر وما نزلت البقرة والنساء الا وانا عنده۔قال فاخرجت له المصحف فاملت علیه ای السور

"یوسف ابن مالک نے کہا کہ میں حضرت عائشہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں عراق کا ایک شخص آیا۔ وہ پوچھنے لگا: کفن کیسا ہونا چاہیئے۔ انہوں نے کہا افسوس! اس سے کیا مطلب کس طرح کا بھی کفن ہو تجھے

کیا نقصان ہوگا پھر وہ کہنے لگا: اُم المومنین! ذرا اپنا مصحف تو مجھے دکھلایئے۔ انہوں نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: میں آپ کا مصحف دیکھ کر سورتوں کی ترتیب پہچان لوں۔ بعض لوگ اس کو بے ترتیب پڑھتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: پھر اس میں کیا قباحت ہے جو سورۃ تو چاہئے پہلے پڑھ جونسی سورۃ تو چاہے بعد میں پڑھ۔ اگر اُترنے کی ترتیب دیکھتا ہے تو پہلے تو مفصل کی ایک سورۃ اُتری اقراء باسم ربک جس میں بہشت کا ذکر ہے۔ جب لوگوں کا دل اسلام کی طرف رجوع ہو گیا۔ اس کے بعد حلال حرام کے احکام اُترے اگر کہیں شروع ہی میں یہ اترتا کہ شراب نہ پینا تو لوگ کہتے ہم تو کبھی شراب پینا نہ چھوڑ دیں گے۔ اگر شروع ہی میں یہ اترتا کہ دیکھو زنا نہ کرنا تو لوگ کہتے ہم تو زنا نہ چھوڑیں گے۔ میں بالکل چھوٹی بچی کھیل رہی تھی اس وقت مکہ میں آنحضرتؐ پر یہ آیت اُتری **بل الساعة موعدهم** (جو سورۃ قمر میں ہے) اور سورہ بقرہ اور سورہ نساء اس وقت اُتریں جب میں آنحضرتؐ کے پاس تھی۔"

ذرا غور فرمائیں:۔ حدیث آپ کے سامنے ہے، کتنی عجیب حدیث ہے۔ سائل کفن کے متعلق پوچھتا ہے کہ کیسا ہونا چاہئے۔ بی بی فرماتی ہیں جیسا بھی ہو۔ تجھے کیا نقصان ہے یعنی حلال ہو یا حرام ہو، پاک ہو نجس ہو، مباح ہو، غصبی ہو، کوئی فرق نہیں۔ سائل فوراً اپنے پہلے سوال کا جواب چھوڑ کر عرض کرتا ہے مجھے اپنا مصحف دکھائیں۔ بی بی کہتی ہے وہ کیوں؟ سائل کہتا ہے کہ میں اپنے قرآن کی ترتیب کو آپ کے مصحف کی ترتیب کے مطابق کرنا چاہتا ہوں۔ بی بی کہتی ہے اگر ترتیب نہ ہو تو کیا فرق پڑتا ہے، یہ تیری مرضی ہے جو سورۃ پہلے پڑھ اور جو چاہے بعد میں پڑھ۔

دیکھ لیا ہے آپ نے بھی بی بی خود تحریف کی ترغیب دے رہی ہے۔ گویا بی بی کے اسلام میں قرآن کی کوئی ترتیب نہیں ہے۔ جیسے جس کا جی چاہے پڑھ لے۔ علمائے سواداعظم تو اس بات کے روادار نہیں کہ ہم صرف اتنا کہ سکیں کہ مصحف عثمانی ازروئے ترتیب تحریف شدہ ہے۔ جونہی ہم کہتے ہیں فوراً دھاڑیں مارنے لگتے ہیں کہ وہ دیکھو شیعہ اس قرآن کو نہیں مانتے لہذا یہ کافر ہیں۔ بھلا اب کفر کون کررہا ہے۔ بی بی تو سرے سے ترتیب کی قائل ہی نہیں اور اپنے بچوں سے فرماتی ہیں کہ بیٹو! کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے چاہو پڑھ لو۔۔۔ اگر یہ تحریف ہے تو ہمارے ساتھ بی بی بھی قائل تحریف اور فتوے کفر وارتداد میں برابر کی شریک ہیں۔۔۔ اور اگر یہ تحریف نہیں تو پھر شیعہ کی تحریف قرآن کہنا چھوڑ دیا جائے۔ اگر آپ ذرا عقیدت کی پٹی آنکھوں سے ہٹا کر سوچیں تو بی بی کے اس میں کہ جو چاہو پڑھو اور جیسے چاہو پڑھو، آپ کو بہت کچھ مل سکتا ہے اور اس کی تائید بی بی کی وہ تمام احادیث جمع کرتی ہیں۔

اگر بی بی کی احادیث کے پیش نظر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ

☆ جو زوجہ سرورکونین کو خودکشی کا مرتکب قرار دیتی ہیں!!

☆ جو بی بی سرورکونین کو دوسری ازواج سے روکنے کی خاطر ہر قسم کے پلان بناتی ہیں!!

☆ جو بی بی خانہ رسولؐ میں گروہ بندی کی سرپرستی کرتی

☆ جو بی بی سرورکونینؐ کو جادو زدہ بتلاتی ہیں!!

☆ جو بی بی سرورکونینؐ کے قرآن بھول جانے کا پروپیگنڈہ کرتی ہیں!!

☆ جو بی بی سرورکونینؐ کے شب قدر کے بھول جانے کا ڈھنڈورا پیٹتی ہیں!!

☆ جو بی بی آیت تیمم کو اپنی طرف منسوب کرنے کی خاطر ہار کی گمشدگی کا فسانہ بناتی ہیں!!

☆ جو بی بی آیات افک کو اپنے ساتھ منسوب کرنے کی خاطر اتنے طویل قصے تراشتی ہیں!!

☆ جو بی بی دم مرگ وصیت کرتی کہ مجھے روضہ رسولؐ میں دفن نہ کیا جائے میں وہاں

پاک نہیں ہوسکوں گی!!

☆ جو بی بی سرور کونین کو ایک عام انسان سے بھی پست کر کے پیش کرتی ہیں!!

☆ جو بی بی آتش حسد میں جل کر خود کشی کی کوشش کرتی ہیں!!

جو اسلام، بانی اسلام، اور ضابطہ اسلام کو کیا سمجھتی ہے؟ اور اس کی نظروں میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ کیا ترتیب قرآن کی اہمیت گھٹانا، یہ نہیں بتاتا کہ بی بی دل و جان سے یہ چاہتی تھی کہ کسی نہ کی طرح بانی اسلام کی طرح آئین اسلام کی عظمت بھی پارہ پارہ ہوجائے۔

صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۷۰، مطبوعہ مکتبہ ایوبیہ، ارٹلری میدان نمبر ا، کراچی نمبر ا

عن علقمه قال قدمنا الشام ابوالدرداء فقال فيكم احديقه على قرأة عبدالله فقلت نعم انا قال فكيف سمعت عبدالله يقرء والليل ازا يغشى والذكر والانثى قال وانا والله هكذا سمعت رسول الله يقرتها ولكن هؤلاء يديدون ان اقرأ وما خلق فلا اتابعهم

"علقمہ نے کہا: ہم شام کو گئے تو ابودرداء ہمارے پاس آئے اور کہا تم میں کوئی عبداللہ کی قرات پڑھنے والا ہے۔ میں نے کہا: ہاں میں ہی ہوں۔ انہوں نے کہا کیونکر سنا تم نے اس آیت کو عبداللہ کو پڑھتے ہوئے، واللیل ازا یغشی والذکر والانثی۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں نے بھی رسول اللہ سے یونہی پڑھتے سنا ہے اور یہاں تک کے لوگ چاہتے ہیں کہ میں پڑھوں: ما خلق

الذکر والانثی۔ تو میں ان کی نہیں مانتا"

جائزہ: لیجیے یہ ہیں امام مسلم جو فرماتے ہیں کہ مصحف عثمان اور مصحف ابن مسعود میں کافی اختلاف تھا۔ مصحف عثمان میں کچھ اضافے کیے گئے اور مصحف ابن مسعود میں کچھ خامیاں رہ گئیں۔ جب زیادتی ثابت ہو جائے تو کمی کا امکان بھی ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس آیت میں مصحف عثمانی میں اضافہ ہوا اور دوسرے کسی مقام پر مصحف عثمانی میں کمی ہو۔ اب مقام فکر یہ ہے کہ کیا علقمہ، ابو الدرداء اور امام مسلم وغیرہ بھی تحریف قرآن کے قائل ہو کر ہمارے ساتھ دائرہ کفر اعظم کو جواب دینا ہوگا کہ وہ کیوں ہمارے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔

صحیح ترمذی، جلد دوم، ص ۳۴۷، حدیث ۸۴۰

انس ابن مالک ان النبی قرأ، ان النفس بالنفس والعین بالعین

"ان ابن مالک کہتا ہے کہ سرور کونینؐ نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے: ان النفس بالنفس والعین بالعین۔"

جبکہ موجود مصحف عثمانی میں لفظ "ان" موجود نہیں ہے کیا یہ تحریف نہیں؟ اگر تحریف نہیں تو کیسے؟ جبکہ ایک پورا لفظ موجود نہیں ہے اور اگر تحریف ہے تو پھر تحریف قرآن کے قائل ہونے کے جرم میں شیعہ پر جو کفر و ارتداد کا فتویٰ ہے اس میں انس ابن مالک اور امام ترمذی شامل ہوں گے یا نہیں؟

صحیح ترمذی، جلد دوم، ص ۳۵۰، حدیث ۸۵۰

عبدالرحمٰن ابن یزید عن عبداللہ ابن مسعود قال اقرانی رسول اللہ انی انا الرزاق ذوالقوۃ المتین

"عبدالرحمن ابن یزید، عبداللہ ابن مسعود سے روایت کرتا ہے کہ سرور کونینؐ نے مجھے یہ آیت اس طرح پڑھائی تھی۔۔ انی انا الرزاق زو القوۃ المتین۔"

بھلا اب مصحف عثمانی میں ملاحظہ فرمائیے کیا آیت اسی طرح ہے؟ دو ہی صورتیں ہوں گی یا ماننا ہوگا عبداللہ ابن مسعود تحریف قرآن کا قائل تھا اور یا حضرت عثمان کی جامع کمیٹی تحریف قرآن کی قائل تھی کیونکہ اگر عبداللہ کی آیت درست ہے تو موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے۔ اور اگر موجودہ قرآن درست ہے تو عبداللہ کا قرآن تحریف شدہ ہے۔ علمائے سواد اعظم تحریف قرآن کے قائل پر جو فتویٰ بھی صادر کریں ہم خوش آمدید کہیں گے۔

حرف آخر

میرے محترم!۔۔۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے کے طور صحاستہ سے چند احادیث پیش کی گئی ہیں جہاں تک روایات کا تعلق ہے وہ دونوں طرف موجود ہیں۔ اگر یہی چیز موجب کفر و ارتداد ہے تو پھر اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔۔۔ میں نے آغاز بحث میں بھی عرض کیا تھا کہ ہماری داستان مظلومیت کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اندر ایسے افراد گھسا دیئے گئے جنہوں نے ہمارے مسلمات کو پامال کرنے اور ہمیں بدنام کرنے کی خاطر ایسی روایات اپنی طرف سے جمع کرتے گئے۔ لیکن چونکہ سواد اعظم وفات سرور کونینؐ سے تادم تحریر ہمیشہ مسند اقتدار پر براجمان رہا ہے اس لیے ان کے پاس ایسا کوئی عذر نہیں۔ پھر سواد اعظم کے جید علماء تحریف قرآن کے قائل نظر آتے ہیں اور جہاں تک ایمان و اعتقاد کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ تمام امت مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ جو کچھ بھی موجود ہے یہ کلام خدا اور قرآن ہے۔ اس میں قطعی کوئی تحریف نہیں ہوئی۔

لہذا معقولیت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ فریقین اپنی روایات سے قطع نظر اپنے اصول وایمان کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلہ تحریف قرآن کو قطعی طور پر ختم کر دیں اور ایک دوسرے کے خلاف اس سلسلہ میں نہ کوئی کیچڑ اُچھالیں اور نہ ہی سستے فتوے شائع کر کے سستی شہرت خریدنے کی کوشش کریں۔ اس میں اُمت کا بھلا ہے، اسلام کا بھلا ہے، ملک کا بھلا ہے اور ملت وقوم کی خیر خواہی ہے۔ بصورت دیگر ہم مجبور ہوں گے کہ آئندہ جواب ہمارا انہیں الفاظ وانداز میں جن الفاظ کی زبان سے خود واقف ہیں اور جس انداز کو کبھی بھول نہیں سکتے۔

کتاب فصل الخطاب کی شیعہ علماء کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے

بلکہ علماء نے اس کتاب سے برات کا اظہار فرمایا ہے

حضرات: ارباب انصاف مذکورہ کتاب کے بارے چند شیعہ علماء کے نظریات پیش کر کے ہم دیانت اور انصاف کا واسطہ دیکر ہر دانش ور کو دعوت فکر دیتے ہیں شیعہ عالم لطف اللہ الصافی اپنی کتاب الخطیب ص ۵۶ میں لکھتے ہیں کہ۔ **"لم نریٰ فی علماء الامامیہ ومشایکم من یقنی بکتاب فصل الخطب ویستند الیدالخ"** کہ علماء امامیہ میں کوئی بھی ایسا عالم نہیں ہے جو اس کتاب فصل الخطیب کو اہمیت دیتا ہو اور اس کتاب کی تالیف میں خطا، ہی باعث بنی ہے کہ اس کتاب کا مولف اعتراضات کے تیروں کا نشانہ بنا ہے اور موصوف پر بہت تنقید ہوئی ہے اور خود شیعہ عالم محمد حسین شہرستانی نے اسکی رد میں یہ کتاب لکھی ہے، حفظ الکتاب الشریف عن شبہۃ القول بالتحریف اور شیعہ عالم شیخ محمد طہرانی یہ کتاب کشف الارتہاب اس فصل الخطاب کے رد میں لکھی ہے اور آغا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب اس فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ خود فصل الخطاب کے مصنف علامہ نوری کی زبان سے میں نے سنا تھا کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے اس کتاب کا نام رکھنے میں خطاء کی ہے بہتر یہ تھا

کہ میں اس کا نام یہ رکھتا، فصل الخطاب فی عدم تحریف الکتاب۔

فصل الخطاب ناقابل اعتبار ہے:

اہل تشیع کے مایہ ناز عالم علامہ محمد جواد البلاغی نے اپنی مایہ ناز کتاب آلا الرحمٰن ج ا ص ۲۶ میں فصل الخطاب کے بارے بڑی تفصیل سے صفائی پیش فرمائی ہے اور اس کا کچھ مقدار خلاصہ یہ ہے کہ فصل الخطاب میں ایسی روایات کو جمع کیا گیا ہے کہ جن پر اہل تشیع اپنے مذہب کی بنیاد نہیں رکھتے کیونکہ وہ ایسے لوگوں سے روایات کی گئی ہیں کہ جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ لوگ ضعیف الحدیث ہیں فاسد العقیدہ، مضطرب الحدیث ہیں، مجھو الروایہ اور غالی اور کذاب ہیں ختم عبارہ الرحمٰن ارباب انصاف کتاب فصل الخطاب کو شیعہ علماء کی بارگاہ میں اسی طرح شرف قبولیت حاصل نہیں ہوا۔ جس طرح کتاب الفرقان کو سُنی علماء نے شرف قبولیت نہیں بخشا، اور اگر فصل الخطاب جیسی کتاب چونکہ شیعوں میں تصنیف ہوئی ہے، پس اسی لئے شیعہ بے ایمان اور کافر ہیں، تو الفرقان کتاب اہلسنت میں بھی تصنیف ہوئی، تو کیا وہ بھی بے ایمان اور کافر ہیں، اور اگر شیعہ کتب میں روایات مشتبہ تحریف ہیں اس لئے شیعہ دین سے خارج تو ایسی روایات کتب اہل سنت میں بھی موجود ہیں، پس وہ بھی دین سے خارج ہونگے۔

اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن کامل ہے اور اسکی آیات میں نہ ہی کمی ہوئی ہے اور نہ ہی زیادتی ہوئی ہے

ثبوت کے لئے شیعہ کی معتبر کتابیں ملاحظہ ہوں،

(۱) اہل تشیع کی مایۂ ناز کتاب اعتقادات صدوق ص ۹۲ محمد بن علی قمی۔

(۲) اہل تشیع کی مایۂ ناز کتاب اوائل المقالات ص ۵۵ علامہ الشیخ مفید۔

(۳) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب تفسیر مجمع البیان ص ابو علی طبری۔

(۴) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب کشف الغطاء ص ج ا الشیخ جعفر کاشف الغطار۔

(۵) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب تفسیر الاء الرحمن ص محمد جواد۔ البلاغی۔

(۶) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب تفسیر المیزان ج ۴ ص ۱۰۴ از محمد حسین طباطبائی۔

(۷) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب تفسیر البیان ص ۲۰ خوئی۔

(۸) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب تفسیر صافی ج ۲ ملا محسن فیض کاشانی۔

(۹) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب الاشارات علامہ محمد الکباسی۔

(۱۰) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب اصل الشیعہ داصولہا محمد حسین کاشف الغطا۔

(۱۱) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب الفصول المہمہ عبد الحسین شرف الدین۔

(۱۲) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب نفحات الرحمن م شیخ محمد النہاوندی۔

(۱۳) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب رسالہ فی حفظ الکتاب الشریف عن شبتہ القول التحریف۔

(۱۴) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب علامہ محمد حسین الشیرستانی۔

(۱۵) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب مسائل طرابلسات۔

(۱۶) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب سعد السعود ص ۱۴۴ سید ابن طاوس۔

(۱۷) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب فوائد الاصول سید مہدی طبراطبائی۔

(۱۸) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب کشف الارتیاب فی رد فصل الخطاب۔

(۱۹) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب بحر الفوائد۔

(۲۰) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب تنقیح المقال، شیخ مامقسانی۔

(۲۱) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب مقدمہ تفسیر قرآن، سید علی نقی۔

(۲۲) اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب کشف الاسرار، امام خمینی۔

(۲۳) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب النقد اللطیف فی نفی التحریف۔

(۲۴) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب کشف، عبدالحسین۔

(۲۵) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب المدخل فی التفسیر، استاد فاضل۔

(۲۶) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب رد فصل الخطاب، شیخ محمود۔

(۲۷) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب تفسیر جامع ص ۲۷ مقدمہ۔

(۲۸) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب تفسیر القرآن لعبداللہ شبر۔

(۲۹) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب عقائد امامیہ ص ۸۵، شیخ محمد رضا مظفر۔

(۳۰) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب منہج الصادقین ص ۵ علامہ فتح اللہ کاشانی۔

(۳۱) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب تفسیر آیہ الکرسی ص ۳۳۲ از صدر الدین شیرازی۔

(۳۲) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب مناقب ال ابی طالبؑ ج ۱ ص ۱۹۔

(۳۳) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب المجلی ص ۲۰۲ از ابن ابی جمہور احسائی۔

(۳۴) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب تفسیر الوامع التنزیل ص ۲۳ پارہ ۱ از علامہ حائری۔

(۳۵) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب شرح وافیہ ص ۵۴ ط لکھنؤ از علا عبداللہ خراسانی۔

(۳۶) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب بحر الفوائد ص ۹۹ از محمد حسین آشتیانی۔

(۳۷) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب قوانین الاصول ص ۳۱۵ از علامہ ابوالقاسم۔

(۳۸) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب مصائب النواصب، از نور اللہ شوشتری۔

(۳۹) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب انیس الاعلام ص ۱۲۸ از محمد مصاری طہرانی۔

(۴۰) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب کلم الطیب ص ۲۹۱ از عبدالحسین طیب۔

(۴۱) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب تفسیر نوین۔

(۴۲) اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب تفسیر اصفی۔

(۴۳)اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب میانی الاستنباط ص ۲۴۴۔

(۴۴)اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب شرح باب حادی عشر ص ۴۰۔

(۴۵)اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب کفایۃ الموحدین ص ۱۰،۱۱، ۵۲۴۔

(۴۶)اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب حق الیقن شبرج اص ۱۴۹۔

(۴۷)اہل تشیع کی مائیہ ناز کتاب صراط مستقیم ج اص ۴۴۔

شیعوں کے آئمہ کا فرمان کہ ہر نماز کے بعد قرآن کی حقانیت کی گواہی دو

اہل تشیع کی کتاب اصول کافی ج ۲ ص ۵۴۸ کتاب الدعاء۔

اہل تشیع کی کتاب من الاحفرہ الفقیہ ج اص ۲۱۵۔

اہل تشیع کی کتاب تفسیر برہان ج اص ۵۴۵۔

اہل تشیع کی کتاب مفاتیح الجنان ص ۱۶ از کر تعقیبات نماز اصول کافی **اذا انصرفت من صلوۃ مکتوبتہ فقل، رضیت** کی عبارت، **ھا اللہ ربا وھالاسلام دینا و بمحمدؐ نبیا و بالقران کتاباً** کہ جب تم نماز فریضہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس دعاء کو پڑھو کہ میں اللہ پاک کے رب ہونے اور محمد مصطفےٰؐ کے نبیؐ ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر قرآن پاک کے کتاب خدا ہونے پر ایمان لایا ہوں۔ صحاب رسالتؐ قرآن کریم قول الحق کو ناقص سمجھتے تھے۔ لُو دھیانوی صاحب توجہ فرمائیں کے آپ کے اپنے معتبر ترین مفسرین قرآن نے اصحاب رسالتؐ کا تحریف قرآن مقصد ہونے کو روایات کتب صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر لابن کثیر ج ۳ ص ۴۶۵ احزاب۔

(۲) اہلسنت کی معتبر کتاب در منثور ج ۵ ص ۱۸۰ احزاب۔

(۳) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر اتقان ج ۲ ص ۳۰ نوع ۴۷

(۴) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۲۱۳ احزاب

(۵) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵۱ احزاب

(۶) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر مظہری ج ۶ ص ۳۰۲ احزاب

(۷) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر روح المعانی ص ۱۲۱ پارہ نمبر ۲

(۸) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر کشاف ج ۲ ص ۲۰۴ احزاب

(۹) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر عراب القرآن ج ۷ ص ۷۵ پارہ نمبر ۲۱۔

(۱۰) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر مدارک التنزیل ج ۲ ص ۱۴۸ احزاب۔

(۱۱) اہلسنت کی معتبر کتاب المحاضرات ج ۴ ص ۴۳۴ الحد ۱۲۰ از راغب۔

حضرت عمر نے آیت رجم کے قرآن سے گم ہونے کا اعلان فرمایا:

برائے تفصیلات مندرجہ ذیل بنیادی کتب اہلسنت ملاحظہ فرمائیں

(۱) اہلسنت کی معتبر کتاب صحیح بخاری ج ۸ ص ۱۶۹ باب رجم الحبلی۔

(۲) اہلسنت کی معتبر کتاب صحیح بخاری ج ۹ ص ۶۹ باب شہادۃ عند الحاکم۔

(۳) اہلسنت کی معتبر کتاب صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۴ باب حد الزنا۔

(۴) اہلسنت کی معتبر کتاب سنن ابن ماجہ ص ۱۸۶ کتاب الحدود۔

(۵) اہلسنت کی معتبر کتاب سنن ابی داؤد ص ۱۴۵ کتاب الحدود۔

(۶) اہلسنت کی معتبر کتاب مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۷۴ حدیث ۲۷۴۔

(۷) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۱ سورہ نور آیت ۲۔

(۸) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۸۰۔

(۹) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر اتقان ج ۲ ص ۳۱ نوع ۴۷۔

(۱۰) اہلسنت کی معتبر کتاب المحاضرات ج ۴ ص ۴۲۳ الحد ۲۰۔

قال عمر لو ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب الله لکتبت آیة الرجم بیدی باب شهادہ عند الحاکم۔

حضرت عمر نے کہا کہ اگر لوگوں سے یہ خطرہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ عمر نے قرآن پاک میں زیادتی کی ہے تو آیت رجم کو میں اپنے ہاتھ سے قرآن میں لکھ دیتا۔

حضرت عمر سورہ جمعه میں اپنی طرف سے (فاسعوا الی ذکر الله) کے بجائے (فامغوا الی ذکر الله) پڑھتے تھے، جو قرآن کریم میں عقیدہ تحریف کا ثبوت ہے۔

ملاحظہ فرمائیں مندرجہ ذیل کتب اہلسنت!

(۱) اہلسنت کی معتبر کتاب صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۵۱ کتاب التفسیر۔

(۲) اہلسنت کی معتبر کتاب فتح الباری ج ۸ ص ۴۹۲۔

(۳) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۶۔

(۴) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر در منثور ج ۶ ص ۲۱۹۔

صحیح بخاری کی عبارت: " کتاب التفسیر سورہ جمعہ وقرا عمر فامضوا الی ذکر اللہ " ترجمہ: جناب عمر سورہ جمعہ میں فاسعوا کے بجائے فامضوا پڑھتے تھے عثمان اور عمر کا الفاظ قرآن میں اختلاف شدید تھا۔ درمنثور کی عبارت "**عن ابن عمر قال لقدتوفی عمرو مایقول ھذہ الایۃ التی فی سورۃ الجمعتہ الافامضوا الی ذکر اللہ**"۔ ترجمہ: عمر کا بیٹا کہتا ہے کہ عمر سورہ جمعہ میں فامضوا ہی پڑھتا رہا اور اسی طرح وہ مر گیا، نوٹ: ابن عباس اور ابن زبیر کا فاسعوا پڑھنا بھی اسی روایت کے ساتھ لکھا ہے۔

درمنثور کی عبارت: **عن ابن مسعود انہ کان یقرأ فامضوالی ذکر اللہ قال ولو کان فامضو لسعیت حتیٰ لیسقط ردائی**"۔ ترجمہ: جناب ابن مسعود بھی فامضوا پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر فامضوا کا حکم ہوتا تو میں اتنی دوڑ لگاتا کہ میری چادر گر پڑتی۔ نوٹ: مذکورہ تبدیلی اصحاب کے قرآن میں کٹ مٹ اور تحریف کرنے کا روشن ثبوت ہے۔

امام اہلسنت حافظ ابن مردویہ کی گواہی کہ قرآن پاک میں حضرت علیؑ کا نام موجود تھا اور حضرت عثمان نے نکال دیا

بحوالہ وعقائد مستند علماء اہلسنت!

اہلسنت کی معتبر کتاب درمنثور ج ۲ ص ۲۹۸ آیت ۶۷ السابکرہ۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر روح المعانی ج ۹ ص ۱۹۳ پ ۶۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر فتح القدیر ج ۲ ص ۵۷ المائدہ آیت ۶۷۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر مظہری ج ۳ ص ۱۵۳ از ثناء اللہ عثمانی۔

اہلسنت کی معتبر کتاب مفتاح النجاۃ، از مرزا مستمتھ خان

روح امعانی کی عبارت: اخوج ابن مرویہ عن ابن مسعود قال کنا نقوا علی عھدی رسول اللہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من دبک ان علیاً مول المومنین وان لم تفعل الخ۔

ترجمہ: حافظ احمد بن موسیٰ بن مرودیہ الاصفہانی نے اپنے استاد سے عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود کہتا ہے کہ نبی کریمؐ کے زمانے میں ہم آیت بلغ کو اس طرح پڑھتے تھے کہ **ما انزل ایطف من ربک ان علیا مولیٰ المئومنین۔**

نوٹ: اس حدیث سے صاف ظاہر ہوا کہ علیؑ کا نام قرآن میں موجود تھا اور عثمان نے اپنے خفیہ کینہ کی وجہ سے اسکو قرآن سے نکال دیا تھا اور اگر حدیث قبول نہیں ہے تو ہم شیعہ خیر البریہ یہ کہتے ہیں کہ اہلسنت کے بانیان کو کیا مجبوری تھی کہ انہوں نے علیؑ کی فضیلات میں جھوٹی حدیث بنائی۔

امہات المئو منین میں سے حضرت عائشہ اور حفصہ اور ام سلمیٰ کا الزام کے حضرت عثمان نے تحریف قرآن کی

اہلسنت کی معتبر کتاب المصاحف ص ۹۴ تالیف۔

ابی بکر عبداللہ بن داؤد سلیمان بن الاشعث السجتانی۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر در منشور ص ۳۰۲ آیت حافظوا علی۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر طبری ج ۲ ص ۳۴۸۔

اہلسنت کی معتبر کتاب فتح الباری شرح بخاری ج ۸ ص ۱۹۷ احدیث۔

اہلسنت کی معتبر کتاب صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳۵ باب اوقات الصواۃ۔

صحیح مسلم کی عبارت: عن ابی یونس مولی عائشه انه قال امرتنی عائشه ان اکتب لها مصحفا وقالت اذابلغت هذه الاية فاذنی حافظوا علیٰ الصلوات والصلوة الوسطیٰ قال بلغتها اذنتها فاملت علی حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطیٰ وصلوة العصر و قوموالله قانتین قالت عائشة سمعتها من رسول الله۔

ترجمہ: راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں انکے لئے ایک مصحف لکھوں اور جب میں اس آیت حافظوا تک پہنچوں تو مجھے اطلاع دیں، پس حضرت عائشہ نے مجھے یہ آیت اس طرح لکھوائی صلواۃ الوسطیٰ کے بعد صلوٰۃ العصر اور فرمایا کہ اس آیت کو میں نے رسول اللہ سے اسی طرح سنا ہے۔

مُستند علماء اہلسنت کا دعویٰ کہ سورہ احزاب میں مولا علیؑ کا نام تھا

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر روح المعانی ص ۱۵۷ اب ۲۱ آیت ۲۵۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر در منشور ج ۵ ص ۱۹۲ الاحزاب آیت ۲۵۔

اہلسنت کی معتبر کتاب معارف النبوت، ذکر جنگ خندق۔

اہلسنت کی معتبر کتاب مفتاح النجاۃ، از مرزا محمد بدخشانی۔

روح المعانی کی عبارت: واخرج ابن مردویہ عن ابن مسعود انہ کان یقوا ھذا الحرف وکفی اللہ المومنین القتال بعلی ابن ابی طالب کان اللہ قویا عزیزاً۔

مفتی بغداد شہاب الدین کا عقیدہ کہ قرآن پاک میں علیؑ کا نام تھا

یہ علامہ لوسی لکھتے ہیں کہ ابن مردویہ نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ اس آیت کفی اللہ المومنین میں القتال کے بعد بعلی ابن ابی طالب کے الفاظ کو بھی پڑھتے تھے۔

سنی علامہ مرزا محمد بدخشانی کا عقیدہ کہ قرآن پاک میں علیؑ کا نام تھا

مفتاح النجاۃ کی عبارت: عن ابی مسعود رانہ کان یقرأو کفی اللہ المئومنین القتال بعلی بن ابی طالب کان اللہ قویا عزیزاً۔

ترجمہ: ابن مسعود سورہ الاحزاب کی مذکورہ آیت ۲۵ میں علیؑ کے نام پڑھتے تھے لفظ القتال کے بعد بعلیؑ بن ابی طالبؑ پڑھتے تھے۔

حضرت عثمان نے الفاظ قرآن کو غلط قرار دیا:

اہلسنت کے علماء و مفسرین قرآن کا الزام:

(۱) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر اتقان ج ا ص ۲۲۶ نوع ۴۱ از سیوطی

(۲) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر روح المعانی ج اص ۳۰ از شہاب الدین۔

(۳) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر کبیر رازی ج ۶ ص ۴۸ آیت ان ہذن لساحران۔

(۴) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۲۱۶ طہ آیت ۶۱ ان ہذان۔

(۵) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر فتح القدیر ج ۳ ص ۳۶۱ از قاضی محمد شوکانی

(۶) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر معالم التنزیل ج اص ۵۱۷ النسا، آیت (۲) از الفرالبغوی۔

(۷) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر الدرالمنثور ج ۲ ص ۲۴۶ سورہ مائدہ، از سیوطی۔

(۸) اہلسنت کی معتبر کتاب المحاضرات ج ۲ ص ۴۳۴ الحدء از راغب اصفہانی۔

(۹) اہلسنت کی معتبر کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، از شاہ ولی اللہ۔

(۱۰) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، از ثعلبی۔

(۱۱) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر فقیہ ابو اللیث سمرقندی۔

(۱۲) اہلسنت کی معتبر کتاب کتاب المصاحف، لابن اشتہ۔

(۱۳) اہلسنت کی معتبر کتاب کتاب الرد علی من خالف مصحف عثمان۔

(۱۴) اہلسنت کی معتبر کتاب کتاب شوکت عمریہ، از رشید خان۔

(۱۵) اہلسنت کی معتبر کتاب کتاب مشکل، از ابن قتیبہ۔

مذھب اصحاب میں قرآن کو آگ لگانا بھی خدمت اسلام ھے۔

تفصیلات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اہلسنت کی معتبر کتاب صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۸۴ باب جمع القرآن۔

(۲) اہلسنت کی معتبر کتاب البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۱۷ ذکر عثمان۔

(۳) اہلسنت کی معتبر کتاب الصواعق المحرقہ ص ۶۸ خلافت عثمان۔

(۴) اہلسنت کی معتبر کتاب ریاض النضرہ ج ۳ ص ۱۲۷ خلافت عثمان۔

(۵) اہلسنت کی معتبر کتاب مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۷۵ افضائل قرآن۔

(۶) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۵۳۔

(۷) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر اتقان ص ۴۷ نوع ۱۸۔

(۸) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۲۳۔

(۹) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر غرائب القرآن ج ۱ ص ۲۷۔

(۱۰) اہلسنت کی معتبر کتاب المحاضرات ج ۳ ص ۴۲۳ الحد۔

(۱۱) اہلسنت کی معتبر کتاب تحفہ اثناعشریہ ص ۳۲۱ مطاعن عثمان طعن ۵۔

(۱۲) اہلسنت کی معتبر کتاب تیسیر الوصول ج ۴ ص ۳۰ ب، جمع القرآن۔

(۱۳) اہلسنت کی معتبر کتاب تاریخ خمیس ج ۲ ص ۲۷۳ ذ خلافت عثمان۔

(۱۴) اہلسنت کی معتبر کتاب تاریخ اعثم کوفی ص ۱۴۷ ذ، خلافت۔

(۱۵) اہلسنت کی معتبر کتاب روضۃ الاحباب ج ۲ ص ۳۲۹۔

(۱۶) اہلسنت کی معتبر کتاب نجاۃ المومنین از ملا محسن کشمیری۔

(۱۷) اہلسنت کی معتبر کتاب تحفہ نذریہ ص ۱۵۵ از قاری عبدالرحمٰن پانی پتی۔

عثمان کے جمع کردہ اور لکھوائے گئے قرآنوں میں بعض الفاظ غلط ہیں اور یہ خطا قرآن لکھنے والے کاتبوں سے ہوئی ہے

(۱) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر اتقان ج ۱ ص ۲۲۵ الحد ۴۱۔

(۲) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر در منثور ج ۲ ص ۲۴۶ المائدہ۔

(۳) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر مظہری ج ۶ ص ۱۴۹۔

(۴) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۲۱۶۔

(۵) اہلسنت کی معتبر کتاب اہل سنت کی معتبر کتاب تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۳۱۔

(۶) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۲۱۔

(۷) اہلسنت کی معتبر کتاب المحاضرات ج ۳ ص ۴۳۵ الحد ۴۰۔

(۸) اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر در مصون فی علوم الکتاب المکنون۔

(۹) اہلسنت کی معتبر کتاب رسالہ مقنع ج ۲ از ابو عمرو دانی۔

اتقان اور روح المعانی کی عبارت ملاحظہ ہو: **قال رسالہ مقنع عن لحن القرآن عن قولہ ان ھلان لسا حران، دعن قولہ والمقمین الصلوۃ والمئوتون الزوکوۃ عن قولہ ان الذین آمنوا والدین ھادوا الصابین فقالت یا بن اخی ھذا عمل الکتاب اخطئوافی الکتاب ھذا سناد صحیح علی شر الشیخین۔**

ترجمہ: راوی کہتا ہے کہ میں حضرت عائشہ سے مذکورہ آیات کی بابت پوچھا کہ ان ہذان کیوں

ہے جبکہ ان نصب دیتا ہے اور المقیمین کے بجائے المقیمون چاہیے تھا علی ہذا القیاس، حضرت عائشہ نے کہا کہ پتہ یہ قرآن لکھنے والوں کی کارگزاری ہے انہوں نے کتابت میں خطا کی ہے۔

حضرت عثمان نے قرآن پاک کو آگ لگا کر اسکی توہین کی ہے

حضرت عائشہ نے اسی وجہ سے انکے کافر ہونے کا فتویٰ دے کر انکو قتل کروادیا

(۱) اہلسنت کی معتبر کتاب سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۵۶ باب معجزات النبیؐ۔

(۲) اہلسنت کی معتبر کتاب المناقب العلوی ص ۱۷ ذکر قتال اہل جمل از محدث ہذا۔

(۳) اہلسنت کی معتبر کتاب تذکرہ خواص الامہ ص ۳۸ ذکر جمل از سبط بن جوزی۔

(۴) اہلسنت کی معتبر کتاب الامامت والسیاست، ذکر جمل۔

(۵) اہلسنت کی معتبر کتاب نہایہ لابن اثیر ص ۸ لغت نعثل۔

(۶) اہلسنت کی معتبر کتاب قاموس ص ۵۰۰ نعثل از فیروز آبادی۔

(۷) اہلسنت کی معتبر کتاب لسان العرب ج ۱۱ ص ۶۷۰ لغت نعثل۔

سیرت، مناقب اور تذکرہ کی عبارت: **وکتب الی عائشة امیر المومنین علیؑ ولقد کنت تقولین بالامس اقتلو انعثلا قتل الله نعثلا فقد کفر، وفی النهایه حدیث عائشه اقتلوا لعثلاً تعنی عثمان۔**

ترجمہ: حضرت علی نے جنگ جمل کے موقع پر حضرت عائشہ کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ جملہ بھی تھا کہ کل تک تو عثمان کی بابت یہ کہتی تھی کہ اس نعثل کو قتل کرو، خدا نعثل کو قتل کرے یہ کافر ہوگیا، اور

نہایہ ابن اثیر میں یہ لکھا ہے کہ فتویٰ عائشہ کو نعثل کو قتل کر، مراد نعثل سے وہ عثمان کو لیتی تھیں۔

ابن مسعود صحابی کا معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار

اہلسنت کی معتبر کتاب فتح الباری ج ۸ ص ۷۴۲ کتاب التفسیر۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۴۱۶ از علامہ سیوطی۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر لابن کثیر ج ۴ ص ۵۷۱۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر قرطبی ج ۲۹ ص ۲۵۱۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۲۷۹۔

اہلسنت کی معتبر کتاب شرح مواقف ص ۶۷۹۔

فتح الباری کی عبارت: عن عبدالرحمن بن یدید النخعی قال کان عبدالله بن مسعود یحل المعوذتین من مضاحفه ویقول انها لیستا من کتاب الله.......... والطعن فی الردیات المحیحة تعیر مستند لا یقبل۔

ترجمہ: صحابی رسولؐ عبداللہ بن مسعود، دو عدد سورۃ قرآن قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ان معوذتین کو اپنے مصاحف اور قرآنوں سے رگڑتے اور مٹاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ قرآن سے نہیں ہیں۔

نوٹ: ابن مسعود کی طرف اس قول کی نسبت دینے کو جو لوگ غلط اور ضعیف سمجھتے ہیں، صاحب فتح الباری نے انکی زبان اس طرح بند کی ہے کہ ابن مسعود کا انکار روایات صحیحہ سے ثابت ہے اور روایات صحیحہ میں طعن کرنا بغیر دلیل اور کسی مستند کے قبول نہ کیا جائے گا۔

امیر معاویہ بھی امام اعظم کی مانند بسم اللہ کے جزء قرآن ہونے کے منکر تھے

تفصیلات ملاحظہ فرمائیں بنیادی کتب اہلسنت

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر الکبیر ج ا ص ۱۰۵ تفسیر بسم اللہ۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر غرائب القرآن ج ا ص ۸۸۔

اہلسنت کی معتبر کتاب سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۵۰ کتاب الصلوۃ۔

اہلسنت کی معتبر کتاب عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۷۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر ابن کثیر۔

اہلسنت کی معتبر کتاب المستدرک للحاکم ص ۲۳۳ کتاب الصلواۃ۔

اہلسنت کی معتبر کتاب کنز العمال ج ۴ ص ۲۱۰ کتاب الصلوۃ۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر در منثور ج ا ص ۸۔

اہلسنت کی معتبر کتاب نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۲۵ باب بھار فی بسم اللہ۔

اہلسنت کی معتبر کتاب سنن الدار قطنی ج ا ص ۱۱۶ کتاب الصلواۃ۔

تفسیر کبیر کی عبارت: ماوواہ شافعی باسنادہ ان معاویة قدم المدینه فعلی بهم ولم یقرأ بسم الله الرحمن الرحیم ولم یکبر عنه الحفض الی الرکوع والسجود فلما سلم ناداہ المهاجرون والا نصار یا معایة سرقت من الصلواۃ این بسم الله الرحمن الرحیم و این التکبیر عند الرکوع واسجود واما علی ابن ابی طالب کان یجهو بالتفسمیة فقد ثبت بالتواتر ومن اقتدی فی دینه بعلی ابن

ابی طالب فقد اهتدیٰ والدلیل علیه قوله اللهم ادارالحق مع علی حیث دار ان علیا کان یبالغ الجهر بالتسمیة فلما وصامت الدولة الیٰ بَنی امید بالغوافی من الجهر.......... الخ)

اور امام اعظم کے نزدیک بسم الله کو جزء قرآن ثابت نہیں کر سکتے

اہلسنت کی معتبر کتاب نورالانوار ص ۹۔

اہلسنت کی معتبر کتاب قمرالاقمار ص ۹۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر کبیر ج ا ص ۱۵۱۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر مدارک ج ا ص ۱۳۔

اہلسنت کی معتبر کتاب تفسیر کشاف ج ا ص ا۔

اہلسنت کی معتبر کتاب عمدۃ القاری ج ا ص ۱۲۔

تفسیر کبیر کی عبارت: واما ابوحنیفه فانه قال بسم الله لیس بایته و سنبینُ فی مسئلته مفردة ان قول ابی حفیضه مرجوع منضیغه۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک بسم اللہ قرآن کی آیت نہیں ہے اور فخر الدین راز کہتا ہے کہ ایک الگ مسئلہ میں بیان کریں گے، کہ امام اعظم اس مسئلہ میں چھوٹا ہے۔

نوٹ: اہلسنت کے امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ آیہ قرآن ہے اور جو ایک آیت قرآن کا بھی منکر ہے وہ کافر ہے پس امام اعظم امام شافعی کے نزدیک کافر ہے۔

حمد خدا اور درود سلام بر محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کے بعد نعرہ "یا صاحب الزمان ادرکنی" کے ساتھ لدھنیاوی صاحب کے مرقومہ اعتراضات نامہ کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

اعتراض:۔ جب قرآن کے نصوص قطعیہ سے عورت کا خاوند کے مال سے وارث ہونا ثابت ہے تو آپ کے مذہب میں عورت کیوں محروم کردی جاتی ہے۔ قرآنی آیت پیش کریں؟

جواب:۔ ہمارے مذہب میں بالکل قرآن مجید کی سورۃ النساء آیت ۱۲ کے مطابق بیوی کا شوہر کے ترکہ میں وارث ہونا ثابت ہے جب ہم عورت کا وارث ہونا مانتے ہیں تو اعتراض کیسا؟ حکم قرآن کے تحت الف، لام اور من تبعیض کی شرط ضرور ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ بعض اشیاء میں عورت کا حصہ نہیں ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ شیعوں میں بیوی شوہر کے مال سے محروم کردی جاتی ہے بالکل غلط اور جھوٹا الزام ہے۔

اعتراض:۔ حضرت علی کے بھائی حضرت جعفر طیار کی بیوہ کا نام اسماء بنت عمیس ہے اگر آپ کے نزدیک صدیق اکبر منافق مرتد، ظالم اور غاصب تھے تو حضرت علی نے اسماء کا نکاح صدیق اکبر سے کیوں کیا؟

جواب:۔ عتبہ اور عتیبہ دونوں صریحاً کافر تھے کیا بتا سکتے ہیں کہ حضورؐ نے اپنی دونوں ربیبہ بیٹیاں رقیہ اور اُم کلثوم (جو بعد میں حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں) ابولہب جیسے دشمن اسلام کے دونوں کافر بیٹوں سے کیوں بیاہ دی تھیں جو جواب ہوگا وہی اس اعتراض پر دھرا لیجئے نیز یہ کہ حضرت آسیہؑ کا زن فرعون ہونا معیوب نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت اسماء بنت عمیسؓ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جبکہ حضرت ابوبکر مسلمان تو تھے۔

اعتراض:۔ "مراۃ العقول" میں ہے کہ حضرت علی کی والدہ کی تدفین کے لیے آقائے نامدار نے صدیق اکبر کو شریک کار کیا۔ اگر دشمن تھے تو آپ نے ایسا کیوں کیا؟

جواب:۔ حکم ہمیشہ ظاہر ہوا کرتا ہے جس طرح کے منافق پر کوئی حد قائم نہیں ہو سکتی جب تک نفاق ظاہر نہ ہو جائے بعد از رسولؐ جو لوگ مرتد ہو گئے ان میں کافی اکثریت منافقین کی تھی۔ لیکن موجودگی رسولؐ میں ان کو اسی طرح مراعات حاصل تھیں جس طرح ایک صحیح العقیدہ مسلمان صحابی کو تھیں۔ لہذا حضرت فاطمہؑ بنت اسد کی تجہیز و تکفین یا دفن میں شریک ہو جانا دلیل فضیلت نہیں ہو سکتا۔ اگر تدفین میں شرکت باعث فضیلت ہے تو پھر حضرت ابوبکر کی دفن رسولؐ و دختر رسولؐ سے محرومی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ نیز مشہور منافق عبداللہ بن ابی کے جنازے میں حضورؐ کی شرکت بھی اسے کوئی فضیلت نہ دے سکی۔

اعتراض:۔ آپ کے مذہب میں اولاد کا سید ہونا ماں کی وجہ سے ہوتا ہے یا باپ کی وجہ سے؟

جواب:۔ دراصل نسب باپ سے ہوتا ہے۔ چونکہ حضورؐ کی حدیث ہے کہ میرا نسب وسلسلہ اولادِ علیؑ و فاطمہؑ سے جاری ہوگا۔ اس لیے سید اولادِ علیؑ و فاطمہؑ ہی کہلائے گی۔ آیت مباہلہ میں "ابنانا" سے اسی لیے حضورؐ نے صرف حسنین کریمین علیہما السلام کو اپنے فرزند مراد لیا ہے۔ پس حسنؑ وحسینؑ کی اولاد بھی سید ہے۔ اسی لیے ان کو فرزندان رسولؐ یعنی ابنائے رسول اللہؐ بھی کہا جاتا ہے۔ اور جنگ صفین کے موقع پر اس کا ایک واقعہ تاریخ ابوالفدا اور حبیب السیر میں اس طرح مرقوم ہے کہ جنگ صفین میں حضرت محمد حنفیہؒ بن علی علیہ السلام بار بار حملہ کرکے کچھ تھک گیے اور والد گرامی قدر کی خدمت میں عرض کی کہ اب حضرت امام حسنؑ کو حملہ کے لیے حکم فرمائیں تو حضرت امیر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حسنؑ و حسینؑ رسولؐ کے فرزند ہیں اور تم میرے بیٹے ہو۔ لہٰذا ان دونوں شہزادوں کی اولاد سید ہے۔ کیونکہ وہ ذریت رسول ہے۔ دوم یہ کہ بتولؑ دبا عفت مخدرات کو کچھ انعامات تخصیصی منجانب خدا حاصل ہیں۔ اور ان کا تذکرہ خدا نے بلند کیا ہے۔ جس کی مثال مادر حضرت عیسٰی علیہ السلام جناب بی بی مریم علیہا السلام سے سمجھی جا سکتی ہے کہ حضرت مسیح کو عیسٰی بن مریمؑ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں نسب ماں لینے میں کوئی امر مانع معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ عموماً نسب باپ ہی سے ہوتا ہے۔

اعتراض:۔ اگر باپ کی وجہ سے ہے تو حضرت علیؑ کی باقی اولاد سید کیوں نہیں۔ اگر ہے تو اپنی کسی کتاب کا حوالہ بیان کیجیے؟

جواب:۔ تمام اعزازات کی عطا بارگاہ رسالتؐ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تک حضورؐ سے سند حاصل نہ ہو جائے ہم کسی کو سردار نہیں مانتے۔ خواہ وہ حضرت علیؑ ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل منبع

عز و شرف آپؐ سرکار ہی ہیں۔ لہذا حضرت علیؑ کی دوسری اولاد جو بی بیؑ پاک کے بطن سے نہ تھی ان کو حضورؐ نے سید کا اعزاز نہیں بخشا نہ ہی حضورؐ کے بعد کسی معصوم ہستی نے حتیٰ کہ نہ ہی جناب امیر علیہ السلام نے اور نہ ہی اولاد مذکورہ نے خود کو اس اعزاز سے منسوب فرمایا ہے کوئی ایسا دعویٰ نہیں ملتا ہے۔ لہذا اولاد فاطمہؑ یعنی حضرت حسنؑ اور حسینؑ کی اولاد ہی سید ہے جب خود اولاد ہی دعویدار نہیں تو دوسرے لوگوں کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

اعتراض:۔ اگر ماں کی وجہ سے ہے تو حضرت زین العابدینؑ سید نہ ہوئے جبکہ ان کی والدہ نہ سیدہ تھیں نہ قریشیہ؟

جواب:۔ ہم نے عرض کر دیا کہ جب حضورؐ نے حسنؑ اور حسینؑ کو سید کا لقب بخشا ہے اور اولاد کا نسب باپ سے ہے اس لیے ان کی اولاد سید ہو گی اور امام زین العابدین علیہ السلام ذریت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اعتراض:۔ حضرت علی مرتضیٰ آپ کے کے نزدیک سید ہیں یا نہ۔ اگر ہیں تو ان کی ساری اولاد سید کیوں نہیں؟

جواب:۔ ارشاد رسولؐ ہے کہ "**الحسن و الحسین سید الشباب اهل الجنته و ابوهما افضل منهما**" کہ حسنؑ اور حسینؑ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں اور ان کے باپ ان سے افضل ہیں، پس حضرت امیرؑ سید السادات ہیں۔ کیونکہ سند رسول مقبولؐ سے حاصل ہے اور در حقیقت سید بنانے والے تو حضور نبی کریمؐ ہیں۔ ہم کو یا آپ کو یہ اختیار نہیں۔ اب

چونکہ سبطینؑ کو حضورؐ نے اپنے فرزند قرار دے لیا اور حضرت علیؑ کی دوسری اولاد کو یہ شرف قدرتی حاصل نہ ہوسکا۔ اس لیے فرزندان رسولؐ ہی کی اولاد کو سید کہا جائیگا کہ سید سے مراد اولاد رسولؐ ہے۔ اگر رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کی دوسری اولاد کو سید فرمایا ہوتا تو بلاشبہ وہ بھی سید ہوتی اور دوسری اولاد کا ایسا دعویٰ نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شرف اختیاری نہیں ہے بلکہ عطائے خدا اور رسولؐ ہے۔

اعتراض:۔ اور اگر معاذ اللہ سید نہیں ہیں تو سیدہ کا نکاح غیر سید سے کیسے جائز ہوا؟

جواب:۔ چونکہ حضرت امیرؑ سیدوں سے بھی افضل ہیں۔ کہ نفس رسولؐ ہیں اس لیے ان کو بی بی پاکؑ سے شرف ازدواجیت حاصل ہوا کہ اگر آپ سیدہ ہیں تو وہ سیدوں سے افضل ہیں۔ اسی لیے حضورؐ کی حدیث ہے کہ "اگر علیؑ نہ ہوتا تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا" پس علیؑ بی بی پاکؑ سے افضل ہیں۔ لہٰذا نکاح جائز ہوا۔

اعتراض:۔ قلم دوات اور کاغذ کے متعلق جب حضور اکرم صلعم نے سوال کیا تھا تو حضرت علی گھر میں موجود تھے یا نہ؟

جواب:۔ یہ بات تو آپ کو اپنے امام بخاری اور امام مسلم سے دریافت کرنا چاہیے۔ مگر خیر ہم بتائے دیتے ہیں کہ حضرت علیؑ مدینہ رسول ہی میں تھے۔ لیکن چند مشہور خواتین دوران مرض رسولؐ حضرت علیؑ اور رسالت مآبؐ کی ملاقات میں رکاوٹیں پیدا کرتی تھیں۔ لہٰذا ابوجعفر محمد بن جریر الطبری کی تاریخ الامم والملوک جز ۳، ۱۹۵ کا مطالعہ فرما لیجیے۔ نیز وقائع سنۃ الحاریہ عشرۃ وغیرہ بھی دیکھ لیجیے گا۔ شبہ دور ہو جائے گا کہ حضرت امیر علیہ السلام اس مجلس میں موجود نہ تھے۔

اعتراض:۔ اگر نہیں تھے کہاں گئے تھے۔ حوالہ تصریحی مطلوب ہے؟

جواب:۔ حضرت علی علیہ السلام مدینہ میں ہی تھے اور قریب ہی تھے۔ مگر باوجود حضورؐ کے طلب فرمان کے مشہور ہستیاں ملاقات میں رکاوٹ پیدا کرتی تھیں طبری ملاحظہ فرمالیجئے۔ حوالہ بالصراحت اور معقول ہے۔

اعتراض:۔ اور اگر موجود تھے تو آپ نے تعمیل حکم میں کیوں کوتاہی کی۔ جبکہ آقائے نامدار پانچ دن تک زندہ رہے۔ اور کاتب الوحی بھی حضرت علیؑ تھے؟

جواب:۔ جب قضیہ قرطاس رونما ہوا اور حضورؐ نے قلم دوات طلب فرمائی۔ تو اس مجلس میں علیؑ موجود نہ تھے۔ یا کسی مستند شیعہ کتاب کے صحیح و مکمل حوالے سے ثابت کیجئے کہ اس وقت وہاں علیؑ موجود تھے۔ اگر بالفرض محال سیان لیا جائے کہ علیؑ موجود تھے تو پھر بھی مزاحمت شدید مانع تعمیل حکم ہوگی۔ حالانکہ حکم قرآن ہے کہ نبیؐ کے پاس بلند آواز میں گفتگو نہ کی جائے۔ اور آپؐ سے اونچی آواز میں گفتگو نہ کی جائے لہذا بحث "ہذیان" میں تلخی کا ہونا ناگزیر امر تھا اور علیؑ اس وقت قرآن کے خلاف کوئی عمل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ "علیؑ قرآن کے ساتھ ہے" (حدیث رسولؐ) لہذا ایسا مفروضہ غلط ٹھہر جاتا ہے۔ نیز یہ کہ گمراہی سے بچانے والی وصیت کی ضرورت ان کو تھی جن کے گمراہ ہونے کا امکان تھا۔ حضرت علیؑ کے گمراہ ہونے کا امکان ہی نہ تھا کیونکہ وہ معصوم تھے۔

اعتراض:۔ آل سے مراد کون ہیں۔ کیا حضور اکرم کی اولاد ہیں یا اور بھی شامل ہو سکتے ہیں؟

جواب:۔ آل سے مراد وہ ہستیاں ہیں جن پر صدقات حرام ہوتے ہیں اور وہ صرف حضورؐ

کی اولاد اور آپ کی اولاد کے باپ علیؑ ہیں۔ جن پر درود واجب ہے کوئی دوسرا شامل نہیں ہے۔

اعتراض:۔ اگر آل کا لفظ صرف نبی اکرمؐ کی اولاد پر صادق آتا ہے تو حضرت علیؑ آل میں کیسے شامل ہیں جبکہ وہ آپ کے چچازاد بھائی ہیں۔

جواب:۔ خود سرور کائناتؐ نے حضرت علی علیہ السلام کا چادر (مشکواۃ شریف) میں بلا کر آل میں شامل فرمایا۔ اسی لیے آل کو آل عباؑ بھی کہتے ہیں۔ جب حضورؐ نے فرمایا کہ علیؑ آل میں ہیں تو نہ روئے قرآن کسی مومن کو یہ اختیار حاصل نہیں رہ جاتا کہ رسولؐ اگر کوئی فیصلہ فرما دیں تو اس کو دل سے تسلیم نہ کرے۔ دوم یہ کہ حضرت امیرؑ "نفس رسولؐ" ہیں جیسا کہ آئیہ مباہلہ سے ثابت ہے۔ آپ اولاد رسولؐ کے باپ ہیں۔ اپنی بیویوں کے متعلق حضرت علیؑ کو اختیار دیا تھا کہ جسے چاہو طلاق دے دینا وہ میرے زوجیت سے خارج ہو جائے گی۔ جنگ جمل کے بعد اُم المومنین عائشہ کے کان میں امام حسنؑ کے ذریعہ حضرت علیؑ کا پیغام بی بی عائشہ ہی کی زبانی پڑھ لیجئے۔ حوالہ میں بتا دیتا ہوں۔ وضۃ الاحباب جلد۔۳، ص ۶۷۔۶۶ پس جب رسولؐ نے علیؑ کو آل میں شامل فرمایا تو اُمت کو کسی اعتراض کا اختیار نہیں ہے اور ایسا کرنا قرآنی نقطہ نگاہ سے قابل مذمت ہے۔ کیونکہ حضرت علیؑ نہ صرف آل ہیں۔ بلکہ اہل بیت طاہرینؑ میں بھی شامل ہیں۔

اعتراض:۔ اگر آل سے مراد اہلبیت ہیں تو آپ کی بیویاں اہلبیت سے کیوں خارج ہیں؟

جواب:۔ ہم یہاں مختصراً مگر پورا جواب حضرت اُم المومنین عائشہ کی زبان سے دیتے

ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم اور ترمذی شریف میں ہے کہ زوجہ رسول بی بی عائشہ نے کہا کہ حضورؐ نے پنجتن پاک کو آل و اہل بیت قرار دیا۔ تب ہی تو آپ لوگ بھی "آل عباؑ" کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے مجھے چادر میں آنے کی اجازت نہیں دی۔ ملاحظہ فرمائیں مشکوٰۃ شریف۔ پس یہ رسولؐ کی مرضی اور اللہ کا حکم ہے کہ ازواج کو یہ شرف حاصل نہ ہوسکا اور جس جس کو مناسب سمجھا منتخب کرلیا۔ حضورؐ کی بیویاں نہ آل میں شامل ہیں اور نہ اہل بیت میں۔ تمام اصحاب رسول آپ کے بقول "عادل" ہیں تو پھر بتایئے صرف دس اصحاب "عشرہ مبشرہ" میں کیوں شامل ہیں؟ باقی کس وجہ سے خارج ہوئے۔ سب صحابہ یاران رسولؐ تھے پھر چار یاروں کی تخصیص کیسی؟ باقی یار کیوں نہیں؟ جو جواب اس اخراج کا ہوگا وہی ازواج کے متعلق سمجھ لیجیے۔

اعتراض:۔ لا ایمان لمن لاتقیة له (اصولی کافی) جو تقیہ نہ کرے وہ بے ایمان ہے۔ یہ حدیث آپ کے نزدیک معتبر ہے یا نہ؟

جواب:۔ محولہ حدیث کا منقولہ ٹکڑا صحیح ہے اور یہ حدیث معتبر ہے البتہ معترض نے ترجمہ غلط کیا ہے بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جس کے لیے تقیہ نہیں اس کے لیے ایمان نہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ تقیہ حفاظت ایمان کے لیے ہے اور منکر تقیہ کا کوئی ایمان نہیں۔

اعتراض:۔ اگر معتبر نہیں تو جس کتاب میں یہ حدیث وارد ہے اس کو تا میں امام مہدی نے دستخط کیوں کیے؟

جواب:۔ حدیث معتبر ہے۔ امام مہدیؑ کی تصدیق و توثیق عندالتحقیق ہے اور مسلم نہیں ہے۔

اعتراض:۔ اگر وہ معتبر ہے تو امام حسین پر آپ کا کیا فتویٰ ہے جبکہ انہوں نے تقیہ جیسے مقدق فعل کو ترک کر کے یزید کا مقابلہ کیا۔

جواب:۔ اس لیے کہ امام حسین علیہ السلام تقیہ کے معنی خوب جانتے تھے۔ یزید کے مقابلے میں "تقیہ" کس طرح ہو سکتا تھا پہلے آپ تقیہ کے معنی سیکھیے اور پھر سوال کیجیے۔ معاف کیجیے تقیہ کے معنی ایمان و دین فروخت کرنا نہیں ہے بلکہ حفاظت دین کو کہتے ہیں۔ آپ لوگوں نے گمراہ کن پروپیگنڈا ہمارے خلاف کر رکھا ہے کہ جھوٹ کو تقیہ کہتے ہیں۔ جبکہ تقیہ حفاظت دین و ناموس کے لئے روا ہوتا ہے۔ جب تقیہ کرنے کی صورت میں دین جاتا ہو تو پھر وہ تقیہ نہیں ہوگا۔ بلکہ بے دینی ہوگی۔ پس یزید کے خلاف تقیہ کر لینا دین اسلام کے لیے سخت نقصان دہ ہوتا لہٰذا امام نے جہاد فرمایا۔

اعتراض:۔ حضرت سیدہؑ نے جب صدیق اکبر سے فدک کا مطالبہ کیا تا تو حضرت علیؑ اس وقت ان کے ساتھ تھے یا نہیں؟

جواب:۔ اس کا جواب اپنے علامہ ابن حجر مکی سے دریافت کر لیجیے جنھوں نے ہمارے خلاف تحریر کردہ کتاب "صواعق محرقہ" باب اول فصل الخامس ص ۲۲ پر تحریر کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بی بی پاک کی طرف سے گواہی دی۔

اعتراض:۔ اگر تشریف لے گئے تھے تو حضرت فاطمہؑ کے اس قول کا کیا جواب ہے۔ مچل خاناں ہمچو جنین دررحم پردہ نشین شدہ درخانہ خود گریختہ؟

جواب:۔ یہ تو آپ ہی کے ہاں معصومہ سے منسوب کیا جاتا ہے اور اس کا محل یہاں بموقع

طلب بیعت ابوبکر بیان کیا جاتا ہے۔ طبرسی کی اپنی عبارت نہیں ہے اور اگر کسی شیعہ نے کہیں اسے نقل کیا ہے تو وہ حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سیدہؑ **ملیکة الجنة** سے ایسے کلام کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

اعتراض:۔ اگر تشریف نہ لے گئے تھے تو کیوں۔ واضح فرمایئے؟

جواب:۔ واضح کر چکے ہیں کہ آپ بطور گواہ تشریف لے گئے۔

اعتراض:۔ احتجاج طبرسی مطبوعہ نجف اشرف میں ہے۔ **اشتملت شملة الجنین و قعدة حجرة الظنین** ظاہر ہے کہ سیدہ نے حضرت علیؑ پر ناراض ہو کر ایسے سخت الفاظ استعمال کیے فرمایئے۔ ان دونوں معصومین میں سے قصوروار کون ٹھہرا؟

جواب:۔ علامہ طبرسی کی احتجاج دوبارہ ملاحظہ کیجئے۔ کہ انہوں نے یہ جملہ اپنی طرف سے نہیں لکھا بلکہ نقل کیا ہے۔ دختر رسولؐ اپنے شوہر نامدار کی اطاعت گزار تھیں۔ جب قصور سرزد ہونا ہی ثابت نہیں تو قصوروار کا فیصلہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ دونوں معصوم بے قصور ہیں۔

اعتراض:۔ قرآن مجید میں ہے۔ **"وازواجه امهاتهم "** یعنی سرور کائنات کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ فرمایئے حضرت عائشہ صدیقہؓ اس آیت کے پیش نظر حضرت علیؑ کی ماں ہوئیں یا نہ؟

جواب:۔ کسی بیوی کو طلاق دے سکتے ہو میری طرف سے اختیار ہے۔ البتہ بی بی عائشہ کے اُم المومنین ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے۔

اعتراض:۔ اگر نہ ہوئی تو ثابت کرو۔ قرآنی آیت درکار ہے۔ بغیر قرآنی آیت کے جواب ناقابل قبول ہوگا۔

جواب:۔ "**فقد ضعت قلو بکما**" کن دو ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے لئے آیا باقی ہم اُم المومنین ہونے کا کبھی بھی انکار نہیں کرتے۔

اعتراض:۔ اگر ماں ثابت ہوئی تو فرمایئے۔ حضرت علیؑ نے ماں سے جنگ کیوں کی جبکہ قرآن شریف میں وارد ہے "**لا تقل لهما افٍ ولا تنهرهما وقل لهما قولاً کریما**" یعنی ماں کو نہ اُف کرنا جائز اور نہ جھڑکنا۔

جواب:۔ حضرت امیر المومنینؑ "کُل ایمان" اور حضرت عائشہ مومنوں کی ماں ہیں۔ اسی لیے حضور نے حضرت علیؑ کو اختیار طلاق بخشا تھا۔ معاف کیجیے حضرت علیؑ نے ماں سے جنگ نہیں کی بلکہ حکم قرآن و حدیث کے خلاف بی بی عائشہ نے حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کی اور میدان جنگ میں کود آئیں۔ لہذا جو ماں قاتلہ بن کر اولاد پر حملہ کر دیے۔ اس سے اپنی جان کا تحفظ کرنا یعنی دفاعی جنگ گناہ نہیں ہے جبکہ غالباً آپ بھول گئے کہ جہاد میں اگر باپ بھی سامنے آئے گا تو اس سے قتل کرنا پڑے گا۔ جس طرح کہ آپ کے ہاں مشہور ہے کہ حضرت ابوبکر اپنے باپ ابو قحافہ کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے دین کے معاملے میں تمام رشتے نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ چونکہ بی بی عائشہ دینی حکم کے خلاف گھر سے نکل کر میدان میں اُتر آئیں تھیں لہذا خلیفہ راشد و برحق ہونے کی حیثیت سے بغاوت کو کچلنا حضرت علیؑ کا فرض منصبی تھا اور قانون کی گرفت بلا تمیز رشتہ داری سب یکساں ہوتی ہے۔

یہ وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت نے بھی حضرت علیؑ ہی کو حق قرار دیا ہے۔ دوم یہ کہ جس طرح بی بی عائشہ اُم المومنین ہیں۔ اس طرح حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "علیؑ تمام اُمت کے باپ ہیں" ملاحظہ فرمایئے مستدرک حاکم اور فردوس الاخبار دیلمی۔ پس ماں اور باپ کے معاملے میں ماں پر فرض ہے کہ باپ کی اطاعت کرے اور نافرمانی کی صورت میں باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ ماں کی سرزنش کر سکے۔ تاہم بی بی عائشہ کو رسولؐ نے فرمایا تھا کہ میری بیویوں میں سے ایک بیوی علیؑ سے لڑنے جائے گی۔ وہ حق پر نہیں ہوگی۔ اس پر حواب کے کتے بھونکیں گے اے عائشہ! دیکھنا تم نہ ہونا" مگر افسوس کہ حضرت عائشہ نے رسولؐ کی نافرمانی کی اور نبیؐ کے نافرمانی سے جنگ کرنا غلط نہیں خواہ وہ ماں ہو باپ۔ سوم۔ یہ کہ حقوق کی صورت میں بمطابق ارشاد خداوند متعال۔ تمام رشتہ دارانہ مراعات کالعدم قرار پاجاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے مثال قرآن مجید میں موجود ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مذکورہ آیت کا اطلاق اُم المومنین اور ابولامت کے بارے میں نہیں ہو سکتا۔

اعتراض:۔ اگر حضرت صدیق اکبر نے اپنے عہد خلافت میں فدک تقسیم نہ کر کے غلطی کا ارتکاب کیا تو حضرت علیؑ نے اپنے دور خلافت میں فدک کو تقسیم کیوں نہ کیا؟

جواب:۔ اس لیے خلیفہ ثالث نے راندہ درگاہ رسولؐ مروان بن حکم کو فدک دے دیا تھا۔ ملکی انتشار نے حضرت کو ایسا نہ کرنے دیا کیونکہ جب آپ حاکم المسلمین ہوئے تو فضا انتہائی مکدر تھی۔ بی بی عائشہ اور معاویہ کی شورشوں نے فرصت بھی نہ دی۔ ان حالات میں فدک کے مسئلہ کا موجب فساد ہو جانے کا اندیشہ تھا کیونکہ داخلہ طور پر استحکام نہ ہوا تھا ملاحظہ کیجئے۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۳، ص ۱۴۱ اگر فدک اولاد فاطمہؑ کا حق نہ ہوتا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی واپس کرنے پر رضامند نہ ہوتے اور نہ ہی ہارون الرشید ایسا کرتا۔ تاریخ کا مطالعہ کر لیجیے۔

اعتراض:۔ سنا ہے کہ فدک کے لیے سیدہ النساء صدیقؓ اکبر کے پاس گئی تھیں اور ابوبکر آپ کے نزدیک غاصب اور ظلم ہیں۔ فرمایئے ظالم کے پاس بامید انصاف شریعت میں مقدمہ لے جانا جائز ہے یا نہ؟

جواب:۔ سنا ہے کہہ کر اخفا سے کام نہ لیجیے صاف کہیے کہ اپنی بخاری اور مسلم جیسی کتابوں میں پڑھا ہے۔ کہ سیدۃ النساء نے فدک کا دعویٰ کیا۔ ناجائز قابض نے صدیقہ عالمین کو جھٹلا دیا۔ لہٰذا سیدہ طاہرہؑ ظالم کے ظلم کو ثابت کرنے اور حجت تمام کرنے کی خاطر جواب طلب کرنے گئیں تھیں۔ تم نے کس حق سے قبضہ کیا ہے۔ سیدہؑ نے قرآن مجید کی آیات پڑھ کر اپنا حق ثابت کیا اور ناجائز قابض کی بے انصافی پر اپنی غضبناکی کی مہر لگا دی۔ اور اس خلافت کو باطل ثابت کر دیا۔ کیونکہ ظالم مسند حکومت کا اہل نہیں ہوتا۔ لیکن اگر دینا نام نہاد طرز جمہوری سے کسی ظالم و بے انصاف کو زبردستی اس کرسی پر بٹھا دے یا وہ خود بزور طاقت و سازش کرسی پر قبضہ جمائے بیٹھے رہے تو پھر عوام کونسا دروازہ کھٹکھٹائیں گے؟ پس ظالم کے ظلم کو بے نقاب کرنے کے لئے بی بی پاک کا اپنا حق طلب کرنے جانا بالکل جائز بلکہ جہاد ہے واضح ہو کہ حضرت سیدہ کونینؑ باُمید انصاف نہیں بلکہ حق طلبی کے لیے تشریف لے گئی تھیں۔ کیونکہ قابض بذات خود فریق تھا جس نے بلا جواز قبضہ کر لیا تھا اور فریق خود منصف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حضرت فاطمہؑ زہرا یہ وضاحت طلب کرتے تشریف لائیں تھیں کہ ان کی ملکیت پر غاصبانہ قبضہ کیوں کیا گیا؟

اعتراض:۔ مطالبہ فدک کے لیے حضرت سیدۃ النساء باجازت حیدر کرار تشریف لے گئی تھیں یا بغیر اجازات اگر اجازت سے گئی تھیں تو کتاب معہ صفحہ سطر مطبع ذکر کیا جائے؟

جواب:۔ جناب امیر علیہ السلام کا بطور گواہ ساتھ جانا اور اس امر کی قوی دلیل ہے کہ سیدہ با اجازت تشریف لے گئیں۔ مگر حکومت نے صادق رسولؐ کے صادق دلی کی گواہی تسلیم نہ کی۔ ملاحظہ کیجئے "وفاء الوفا" سید نور الدین سمہوری شافعی الجزالثانی باب ۶ ص ۱۵۷ ص ۱۶۱ سطر ۱ تا ۲۰ اور ص ۱۶۰ سطر ۱۴۔ ۱۵ مطبوعہ عصر شرح مواقف مطبوعہ نولکشور ص ۷۳۵ اور صواعق محرقہ ابن حجر مکی باب اول فصل الخامس ص ۲۲۔ ۱۲ مطبوعہ مصر وغیرہ وغیرہ۔

اعتراض:۔ اگر بغیر اجازت گئی تھیں تو کیا۔ یہ حضرت سیدہ کی عزت پر حملہ نہیں؟

جواب:۔ حضرت امیرؑ نے خود اجازت دی۔ آپ خود اور حسنینؑ کریمین بھی گواہی کے لیے ساتھ گئے۔ مگر ہستیوں کی صداقت پر غیر مسلم عیسائیوں نے اعتبار کر کے مباہلہ سے انکار کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے خلیفہ نے انھیں جھوٹا کہہ کر واپس کر دیا۔

اعتراض:۔ آپ کی کتابوں میں متعہ کے بڑے بڑے فضائل مذکور ہیں فرمایئے عترت رسولؐ مقبول میں کون کون سے حضرات اس فضیلت سے مشرف ہوئے اور کتنا کتنا متعے کئے واضح فرمایئے۔

جواب:۔ قرآن مجید کے پانچویں پارے کی ابتدا میں حکم متعہ موجود ہے چونکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو کبھی حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا لہذا ہماری کتب میں اس حکم کے فضائل ہیں۔ بلکہ آپ اس حکم کو مانتے ہی نہیں یعنی قرآن کی آیت کا انکار صریح کرتے ہیں۔ لیکن متعہ فرض نہیں ہے عترت رسول گو اگر

متعہ کی ضرورت پیش ہی نہ آئی اور اگر انھوں نے ایسا نہ بھی کیا ہو تو متعہ کو خلاف حکم خدا حرام بھی تو قرار نہیں دیا۔ حضرت عمر نے متعہ کو حرام قرار دیا یعنی امر شریعت میں بلا استحقاق مداخلت کی۔ الفاروق مولفہ شبلی نعمانی ملاحظہ فرمالیجیے۔ حضرت عمر کے متعہ کو حرام قرار دینے سے قبل یعنی زمانہ رسولؐ اور ابوبکر اور کچھ عرصہ عہد عمر میں متعہ حلال تھا۔ خدا اور رسولؐ کے حلال کو حضرت عمر نے کیوں حرام قرار دیا؟ اس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔ کتاب شواہد الصادقین حکیم سید احمد موسوی ص ۹۲ اور انوار النعمانیہ نور طہارت وصلوۃ ص ۲۳۔ جب آپ منقولہ بالا حوالہ جات کا مطالعہ فرمائیں گے۔ تو عترت رسولؐ کے سرداری کی گواہی بمع تصدیق حضرت عمر مل جائے گی۔

تسلی رکھیے۔ متعہ تو حضرت ابوبکر کی بیٹی یعنی اسماء بنت ابوبکر نے بھی کیا۔ ملاحظہ فرمائیں سنیوں کی کتاب تفسیر مطہری ص ۵۷۶ (بحوالہ سنن امام نسائی) اور یہ حکم طلاق جائز ہے۔ مگر حضورؐ نے کسی زوجہ کو بظاہر طلاق نہ دی اس کے یہ معنی نہیں ہوں گے کہ چونکہ حضورؐ نے طلاق نہیں دی لہذا حکم ہی منسوخ ہو گیا ہے اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ عترت میں کسی نے متعہ نہ کیا تو بھی حکم متعہ قرآن میں موجود ہے اور بوقت حاجت اس پر عمل کرنا درست اور عین ثواب ہے۔ جبکہ ہم نے عترت کا ثبوت مندرجہ بالا حوالوں کی نشان دہی میں دے دیا ہے ضرور ملاحظہ فرمالیجیے۔ ہم نے نقل اس لیے نہیں کیا شاید آپ کی دل آزاری ہو جائے۔

اعتراض: قرآن مجید میں ہے "**یوم ندعوا کل اناس با مامھم**" آپ لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت سے بارہ امام مراد ہیں۔ فرمالیے ہر امام اپنا گروہ لے جائے گا۔ یا باقی امام اپنے اپنے گروہ کے ساتھ ایک امام کے پیچھے جائیں گے

واضح فرمائیے لیکن حوالہ کتاب ساتھ دیجئے؟

جواب:۔ سب سے پہلے معترض کی مذہب شیعہ سے عدم واقفیت کا یہ ثبوت ہے ہم اس آیت سے بارہ امام بالکل مراد نہیں لیتے ہیں بلکہ اس آیت کو ہم عقیدیٔ امامت کے لیے استدلال کے لیے لاتے ہیں کہ "امام" ماننا ضروری ہے۔اس آیت میں جھوٹے سچے گمراہ معصوم آئمہ شامل ہیں کہ ماموم اپنے اپنے غلط یا صحیح امام کے پیچھے جائیں گے۔لہذا جب بات ہی حسب مراد نہیں ہے تو حوالہ دینے کی کیا ضرورت۔سوچ سمجھ کر اعتراض کیا کریں لدھیانوی صاحب!

اعتراض:۔ اگر سب امام اپنا اپنا گروہ ساتھ لے جائیں گے تو فرمائیے ان سب کا عقیدہ ایک ہوگا یا مختلف اگر ایک ہوگا تو مختلف امام کیوں اور اگر عقیدے مختلف ہوں گے تو مذہب ایک نہ رہا۔توضیح فرمائیے؟

جواب:۔ دراصل یہ اعتراض گذشتہ جواب ہی سے رد ہو جاتا ہے۔تاہم مزید وضاحت یہ ہے کہ جو جو جس جس امام کا معتقد ہوگا۔اُس کے ساتھ جائے گا۔خواہ وہ امام کاذب ہو یا صادق پس اُن کا عقیدہ ایک نہ ہوگا بلکہ مختلف ہوں گے لہذا مذہب بھی جُدا جُدا ہوں گے۔بارہ آئمہ طہار کا گروہ ایک ہی ہوگا جو حضور ﷺ امام الائمہ کا گروہ ہوگا۔

اعتراض:۔ نیز جب امام سے مراد بارہ امام میں سے کوئی ایک ہے۔تو قیامت کے دن کیا حضور علیہ السلام اکیلے رہ جائیں گے جبکہ امام سے مراد نبی ہیں اور وہی مفروضہ امام ہیں۔اور کیا اس میں حضور علیہ السلام کی توہین نہیں ہے کہ سب اُمت کو قیامت

کے دن امام لے جائیں گے اور رئیس الانبیاء کو کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو۔

جواب:۔ امام سے مراد بارہ امام نہیں ہے۔ البتہ اُمت مسلم میں سچے امام بارہ ہیں۔ جو حضورؐ کے نائب ہیں۔ لہذا اُن کے گروہ حضور نبیؐ کے زیر سایہ ہوں گے۔ جیسا کہ فوج مختلف جرنیلوں کے ماتحت ہوتی ہوئی کمانڈران چیف کے ماتحت ہوا کرتی ہے حضورؐ تو اپنے مقام محمود پر جلوہ افروز ہوں گے اور ان کے مقرر کردہ امام اپنے منظّم گروہ کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلامی پیش کریں گے۔ لہذا آپؐ کی شان و شوکت و جاہ و حشمت میں اضافہ ہوگا نہ کہ توہین ہوگی حضورؐ تمام ائمہ و انبیاؑ کے سردار ہیں پس مومنین کے سارے لشکر آپ ہی کے زیر کمان آپ کے مقررہ کردہ افسران کے ماتحت پیش ہو کر آپ کے تعلیم کردہ عمدہ نظم و نسق کا ثبوت پیش کریں گے۔ جس سے آپ کی حاکیت و بادشاہت حاضرین پر واضح ہوگی اور آپ یقیناً خوش ہوں گے کہ میری اُمت میرے حکم کے مطابق اطاعت گزار ہے۔

اعتراض:۔ احتجاج طبرسی ۵۹ مرۃ العقول ص ۳۸۸ وغزدات حیدری ص ۲۲۷ ضمیمہ ترجمہ مقبول ص ۴۱۵ میں ہے کہ صدیق اکبر کے پیچھے حضرت علیؑ نے نماز پڑھی۔ فرمایئے آپ کے مذہب میں اہل تشیع اہل سنت کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہ۔

جواب:۔ ہماری کتاب میں یوں ہے کہ جن خالد بن ولید کو حضرت امیرؑ کے قتل پر مامور کیا گیا تو آپ کو اس مذموم سازش کا علم ہوا لہذا مدبرین کو شرمندہ کرنے کی خاطر نماز ادا کی اور دشمن آپ کی اس بے باک جراءت سے ہمت ہار کر بغلیں جھانکنے لگے۔

لدھیانوی صاحب!

اگر آپ پورا واقعہ لکھ دیتے تو ناظرین کو حقیقت سے آشنائی ہو جاتی خیر وہ خود ہی مطالعہ فرمالیں

گے (آپ کی کتابوں میں موجود ہے کہ آخری ایام میں حضورؐ نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور آپ خود بھی تشریف لائے اور ابوبکر کے ساتھ نماز ادا کی جیسا کہ ابوبکر مقام امامت پر بدستور ٹھہرے رہے اور ہٹائے نہ گئے۔ کیا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کیونکہ امامت ابوبکر نے کی اس لیے حضورؐ سے افضل ہیں؟) حالانکہ جمہور اہل سنت حضرت ابوبکر کو حضرت عمر سے افضل مانتے ہیں۔ لیکن روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمر کو نماز پڑھانے کے لیے کہا تھا پس صرف نماز کی پیش نمازی کر دینا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ شخص خلیفہ ہو گیا محولہ کتابوں میں نیت اقتداء کا ذکر نہیں۔ باقی شیعوں کے نزدیک بغیر نیت اقتدا اپنی نیت فرادی سے کسی اہل سنت کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ لینا منع نہیں ہے۔ کسی شیعہ کتاب سے حضرت علیؑ کا نیت اقتدا کرنا پیش کیجئے "انما الاعمال بالنیات"

اعتراض:۔ جب صدیق اکبر کا مذہب ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا تھا تو حضرت علیؑ نے انکے پیچھے نماز پڑھ کر ان کی عملی تائید کیوں کی۔ کیا حضرت علیؑ کے مذہب میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا جائز تھا؟

جواب:۔ یہ تو آپ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے کہ حضرت ابوبکر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے ورنہ کسی بھی ایک صحیح و مرفوع حدیث سے اپنی ہی کتب سے ایسا ثابت کر دیئے ہیں۔ مطالعہ فرما لیجئے۔ ابھی صرف علامہ اہلسنت مولانا وحید الزماں خان صاحب کا ہدیۃ المہدی جلد ا ص ۱۲۶ پر مندرجہ ذیل منقولہ بیان پڑھ لیجئے۔ "جو یہ کہتا ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا شیعوں کا شعار ہے تو وہ غلطی پر ہے اور اس رائے میں خطاکار صرف شیعوں کا ہی نہیں بلکہ تمام اہل اسلام کا یہی عمل رہا ہے۔ خصوصاً زمانہ نبی کل اصحاب اسی پر عامل تھے اور ہاتھ باندھنے کا کہیں بھی نام نہ تھا" پس چونکہ دونوں حضرات ہاتھ کھول کر ہی نماز پڑھتے تھے اس لیے جائز و ناجائز کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب نیت اقتدا ہی ثابت نہیں ہوا تو اعتراض کیسا؟

نیز حضرت عمر نے حکم دیا کہ اگر کوئی آئندہ اس طرح حاکم بنائے تو اُسے قتل کر دیا جائے (صواعق محرقہ ۳۶) حضرت علیؑ کی ولایت وامامت وخلافت بلافصل جس کا اللہ تعالیٰ نے عہد کیا تھا وہ اپنی جگہ قائم رہی حکومت پر قابض ہونے والے لوگ ہمیشہ علم وفضل میں حضرت علیؑ کے محتاج رہے اور ہدایت کے لیے گذارشات پیش کرتے رہے۔ اسی لیے تمام اولیاء کا سلسلہ آپ کے ہاں بھی حضرت علیؑ تک جاتا ہے۔ کہ آپ ہی منبع ولایت ہیں۔ یہ شان شیخین کو نصیب نہیں ہوئی۔ اور وعدہ خداوندی اس شان سے پورا ہوا کہ تخت وتاج وسلطنت کے بغیر بھی علیؑ کا سلسلہ عرش وفرش پر چلا اور چل رہا ہے اور حریف بھی یہ بات کہنے پر مجبور ہوتے رہے کہ اگر علی نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہوجاتے۔ نعرہ "یا علیؑ مدد" اس وقت سے آج تک گونج رہا ہے۔

جو اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا کا وعدہ پورا ہوا۔ اس نے علیؑ کو حاکم اولی بالتصرف بنایا علیؑ کی حکمرانی دائمی ہے اور ہر دور میں نعرہ حیدری اسکی شہادت دے رہا ہے لیکن حضرت ابوبکر کی حکومت عارضی تھی کبھی کسی نے نعرہ ابوبکر نہیں لگایا۔ کوئی نعرہ عمری بھی نہیں ہے اور نہ ہی نعرہ عثمانی۔ یاد رکھے موسیٰ اللہ کے نبی تھے۔ خلافت الہیہ کے حامل تھے اور حکومت ان کا حق تھا۔ لیکن فرعون تخت سلطنت پر قابض رہا۔ بس سنت الہیہ معلوم ہوئی کہ عادل کی موجودگی میں ظالم وگمراہ بھی حاکم بن جایا کرتے ہیں اور خلیفہ برحق کی خلافت وامامت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

اعتراض:۔ امامت وخلافت آپ کے نزدیک منصوص من اللہ ہے وہ آیت تلاوت فرمایئے جس میں صراحۃً حضرت علیؑ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا ذکر ہے؟

جواب:۔ ملاحظہ فرمایئے ۵-۵۵ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ ا

اعتراض:۔ جب علی مرتضیٰ کی خلافت کے متعلق آپ کے نزدیک خداوندی عہد اور نبوی اعلان تھا تو فرمایئے وہ خلیفہ بلافصل کیوں نہ بن سکے۔ کیا خدا اپنے وعدہ میں ناکامیاب رہا؟۔

جواب:۔ حضرت علیؑ خلافت حقیقی پر فائز تھے علم رسولؐ اور کتاب خدا کے وارث تھے اور اس منصب ولایت پر وہ بعد از رسولؐ منجانب خدا بلافصل خلیفہ ہیں۔ چونکہ ہمارے خلیفہ برحق کے لیے حکومت ظاہری شرط نہیں بلکہ حکومت خلیفہ کا حق ہے۔ اس لیے خدا اور رسولؐ دونوں کامیاب رہے۔ اسی لیے تو آپ غیر شیعہ ہوتے ہوئے بھی حضرت علیؑ کو تمام ولیوں کا سردار، سرچشمہ ولایت مانتے ہیں اور شیعوں کا ابتداء سے انتہا تک "**علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل** " کا اقرار خدا اور رسول کی کامیابی کی دلیل ہے۔ حکومت وہ ہوتی ہے جو دل پر ہو علیؑ کی حکومت شیعہ سنی دونوں دلوں پر غالب ہے پس خدا کا عہد پورا ہوا وہ کامیاب رہا۔

اعتراض:۔ جس خلافت ابوبکر متمکن ہوئے فرمایئے وہ خلافت اور حضرت علی کی خلافت جس کے متعلق خدا نے وعدہ کیا تھا ایک تھی یا دوسری تھی اور وہ دوسری اگر ایک تھی تو خداوندی پیشگوئی کیوں غلط نکلی اور مختلف تھیں تو ابوبکر غاصب اور ظالم کیسے ٹھہرے؟

جواب:۔ خلافت حقہ عہدہ خداوندی ہے جس پر آپ کے صدیق کبھی فائز نہ ہوئے۔ نہ ہی انھوں نے ایسا دعویٰ کیا۔ بلکہ خود اقرار کیا کہ میں خلیفہ نہیں ہوں (مجمع البحار محمد طاہر گجراتی) البتہ ان کو کارروائی سقیفہ کے تحت حکمران بنا دیا گیا۔ ان کی پارٹی نے ان کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا۔ اس طریقہ تقرر کے بارے میں خلیفہ اگر حضرت عمر نے کہا کہ یہ ایک ناگہانی امر تھا اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا۔

مَنُوا الَّذِینَ یُقِیمُونَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤتُونَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُونَ ہ (سورۂ المائدہ /۵۵)

تفسیر درمنثور ہ علامہ حافظ جلال الدین سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۲، ص ۲۹۳ تا ۲۹۴ اور کئی دیگر کتب اہلسنت میں ملاحظہ فرمالیجئے کہ یہ آیت شان مولا علی امیر المومنین میں نازل ہوئی۔

انما کا مطلق و حقیقی خلافت بلا فصل ثابت کرتا ہے۔

اعتراض:۔ امامت و خلافت میں جب ائمہ اور خلفاء کے مذہب تمکن (غالب ہونا) شرط ہے تو فرمایئے آپ کے بارہ اماموں کو ظاہری طور پر علیہ نصیب کیوں نہ ہوا۔ کیا وہ خلفاء اور ائمہ برحق نہیں تھے؟

جواب:۔ دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولی ہو جس کی فقیری میں بوئے اس اللہی قرآن مجید میں آیت ولایت سے اگلی آیت تلاوت فرمالیں۔ ہمارے آئمہ و خلفاء برحق کے ظاہری غلبے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ بغیر دینوی تخت و تاج کے ہمارے ائمہ کی حکمرانی کو تمام صحیح العقیدہ مسلمان تسلیم کرتے ہیں حکومت و طاقت و تخت و تاج کے زور ظاہری کی حکومتیں چندروزہ ثابت ہوئیں غیر مسلموں نے ان کو تلواری فتوحات اور سفاکانہ حکمرانی کی اسناد جبر و ظلم سے نواز اور مسلمانوں میں کسی نے ان کے نام کی تین پیسے کی نیاز بھی تقسیم نہ کی۔ جبکہ ائمہ طاہرین کی حاکمیت آج بھی ظاہر و موجود ہے۔

اگر رائے شماری الگ الگ کی جائے تو ہمارے ائمہؑ کے حق میں شیعوں کے علاوہ تمام اہلسنت کی بھی یہی رائے ہوگی وہ ائمہ اولیاء اللہ ہیں جبکہ حضرت ثلاثہ کو ۱۰ فیصد تو ضرور ہی کم ووٹ ملیں گے۔ تو پھر بتایئے ولایت آئمہ اطہارؑ کو حاصل ہے یا ان کے غیر کو؟

نگاہ فقیر میں شان سکندری کیا ہے؟

خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے؟

کروڑوں شیعان اہلبیت اور غیر شیعہ مسلمان حضرات ہمارے ائمہ کے نام پر ہر شے قربان کرنے کو تیار ہیں۔ان کو حاکم اور مولا دل سے مانتے ہیں۔ ہر میدان میں ان کا سکہ رائج ہے۔علم کے شہر کے دروازے وہ ہیں کہ "سلونی سلونی کی" آواز آرہی ہے۔شجاعت کے میدان میں "نعرہ حیدری" "یاعلیؑ" گونج رہا ہے کیا ایسا غلبہ کسی دوسرے کو نصیب ہوسکتا ہے؟ اپنے بزرگوں کے ظاہری اقتدار پر مت اترایئے۔حکومت ظاہری آنی جانی شے ہے۔ ہمارے ائمہ کی ولایت دائمی ہے اور ہر وقت ظاہری و باطنی غلبہ ان کو حاصل ہے انکی تخت و تاج سے علیحدگی کے باوجود انکے غالب ہونے کا بین ثبوت یہ ہے کہ بلا و جبر و استبداد اپنے اخلاق و مواعظ حکیمانہ سے اپنی حکومت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھایا ہے۔

اعتراض:۔ وہ حدیث پیش فرمائیں جہاں حضرت علیؑ مرتضٰی نے اپنا مذہب شیعہ ظاہر کیا ہو؟

جواب:۔ آپکی ہی کتب سے کئی احادیث اس کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ البتہ ایک انتہائی مشہور مقبول حدیث جسے حدیث "کسآء" کہتے ہیں۔آپ کو جواباً پیش کی جاتی ہے اور اس کا حوالہ دینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ حدیث عام ہے اور اس کی نشاندہی کرنے کا مقصد یہ ہے شاید اس کی تلاوت فرما کر معترض کا تزکیہ نفس ہو جائے۔ چنانچہ اس حدیث میں ارشاد امیر المومنینؑ یوں ہے کہ

"فقال علی اذا و اللہ فزنا و سعدنا و کذالک شیعتنا فازو اوسعد واورب الکعبة"

معنی اس کے یہ ہیں۔

" کہ فرمایا علی علیہ السلام نے خدا کی قسم! اس وقت فائز اور سعید ہوئے ہم اور ہمارے شیعہ کعبہ کے رب کی قسم"

اعتراض: وہ حدیث پیش فرمایئے جس میں حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے لفظ اہل سنت کی تردید کی ہو؟

جواب: زمانہ مولا امیر المومنینؑ میں اہل سنت کا کوئی گروہ وجود ہی نہ رکھتا تھا۔ لدھیانوی صاحب! یہ تو بعد کی پیداوار ہے غالباً آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب "تحفہ اثناعشریہ" بھی نہیں پڑھی جو شیعوں کی تردید میں لکھی گئی ہے پہلے اس کا مطالعہ فرمالیجئے تاکہ آپ کو اہلسنت کی تردید خود اپنے ہی ہاں مل جائے۔ البتہ ہم سے ایک حدیث ضرور سن لیجئے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کہ "جس نے علیؑ کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑ دیا" یہ حدیث ابن عمر بن خطاب سے مروی ہے اور آپ کے ہاں اسے دیلمی وخوازرمی نے نقل کیا ہے اس کے علاوہ امام احمد حنبل نے اپنی مُسند میں اس روایت کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا۔

﴿پس جب رسول ﷺ کا دامن ہاتھ میں نہ رہا تو پھر سنت کیسی اور اہل سنت ہونے کا دعویٰ کیسا؟﴾

اعتراض:۔ جب نسب اور رشتہ خون کی حیثیت سے حضرت سیدۃ النساء کا حضور علیہ السلام سے زیادہ قرب ہے تو حضرت سیدہ کا حضرت علی سے افضل ہونا کیوں نہ مان لیا جائے جبکہ سیدۃ النساء اس بی بی کے بطن سے ہیں جو زوجہ رسول مقبولؐ ہیں اور حضرت علیؑ اس بی بی کے وجود سے ہیں۔ جو زوجہ ابو طالب ہے نیز سیدۃ النساء امام الانبیاء کی صاحبزادی ہیں اور حضرت علی ابو طالب کے صاحبزادے ہیں جن کے ایمان اور عدم ایمان میں اُمت مسلمہ کا اختلاف ہے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں حکم خدا ہے۔

"الرجال قوامون علی النساء"

"یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر"

جب خود آنحضرتؐ نے بی بی پاکؑ کو حضرت علیؑ کی زوجیت میں دے کر حضرت علیؑ کو ان کا حاکم قرار دیا۔ تو کسی اُمتی کو اس میں قیاس آرائی کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ نبیؐ جو فیصلہ کر دے ازروئے قرآن مجید اس کو دل سے تسلیم کرنا ضروری ہے ورنہ ایمان سے محرومی ثابت ہوگی۔ (سورۂ احزاب)۔ حفاظت ایمان کا تقاضیہ یہ ہے کہ حکم رسولؐ بدل و ذہن قبول کیا جائے لہذا ایسی جرائت ناقدانہ ایمان کے خلاف ہے۔ اپنی زوجہ سے اپنی ماں کا مرتبہ ہمیشہ بلند ہوتا ہے۔ لہذا اکتب کثیرہ سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمہؑ بنت اسد والدہ امیر المومنینؑ کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ سلم اپنی ماں سمجھا کرتے تھے۔

ملاحظہ کیجئے۔ مدارج النبوہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

اسی طرح حضرت ابو طالب کو حضورؐ نے اپنا سرپرست و والد سمجھا اور مسلمانوں کی کثیر

تعداد حضرت ابو طالبؑ کے ایمان کی قائل ہے ملاحظہ کیجئے مفتی احمد یار خان بدایونی۔ اہلسنت جامعہ غوثیہ گجرات تفسیر نعیمی جلد ۲ ص ۱۰۶ سطر ۷ میں تسلیم کرتے ہیں کہ "حضرت ابو طالب کے متعلق کفر پر مرنے کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے" لہذا حضرت ابو طالب کے متعلق معاذ اللہ کلمہ نہ پڑھنے کی یا معاذ اللہ عذاب کی تمام روایت غیر یقینی ہیں جو دشمنان علیؑ کی وضع کردہ ہیں۔ حضرت ابو طالب یقیناً مومن کامل و مبلغ اسلام تھے۔ پس جب حضورؐ خود کسی کو افضل قرار دے دیں تو اس کو مفضول سمجھنے کا کوئی جواز ہی باقی نہیں رہ جاتا لہذا بی بی پاکؑ کو حضرت علیؑ سے افضل ماننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی ہوگا اس لیے معترض کا مفروضہ غلط ہے۔

اعتراض:۔ حضور علیہ السلام نے جب سیدہ کے سامنے حضرت علیؑ کے نکاح کا ذکر کیا تو حضرت سیدہ نے حضرت علی کی شکل پر اعتراضات کیے یا نہ؟

جواب:۔ خیالی پلاؤ نہ پکایئے۔ باثبوت بات کیجئے۔ کوئی روایت پیش کیجئے۔

اعتراض:۔ اگر کیے تو سیدہ کی عفت و عظمت کہاں گئی اور اگر نہیں کیے تو حسب ذیل کتابوں میں یہ تصریح کیوں ہے۔ میمہ ترجمہ مقبول ۵۲۹ سیدہ کو بطور راز آں حضرت نے اپنے ارادہ سے اطلاع دی۔ یہ سن کر جناب معصومہ نے گردن جھکا دی اور عرض کی بابا آپ کی رائے مقدم ہے آپ کو اختیار ہے مگر میں نے زنان قریش کی زبانی سنا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب کا پیٹ بڑا ہے۔ ہاتھ لمبے لمبے ہیں۔ پنڈلیاں موٹی ہیں سر کے اگلے حصہ پر بال نہیں ہیں۔ کشادہ پیشانی ہیں۔ آنکھیں بڑی ہیں۔ آپ کا کندھا اتنا سخت ہے جیسا اونٹ کا کندھا؟

جواب:۔ حضرت سیدہ نے معاذ اللہ ایسا کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ بلکہ ضمیہ ترجمہ مقبول ۵۳۱ پر مرقوم ہے کہ حضرت سیدہؑ نے فرمایا۔ بابا! میں تو ان (علیؑ) کے سوا کو ہرگز اختیار نہ کروں گی ضمیمہ ترجمہ مقبول ص ۵۲۹ پر نہیں البتہ ص ۵۳۰ پر یہ باتیں خود حضورؐ کی زبان سے کی گئی ہیں۔ آپؐ سرکار نے وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت علیؑ کے فضائل کیا ہیں۔ ان کا پیٹ بڑا ہے۔ اس لیے کہ خدا نے اس کو علم سے بھر دیا ہے ان کو آدمؑ کی صورت وصفت کا پیدا کیا اور دونوں ہاتھوں کو دراز بنایا ہے کہ وہ دشمنان خدا اور رسول کو قتل کر دیں وغیرہ۔ یہ ساری گفتگو حضورؐ کی زبان مبارک سے ہے ہمیں افسوس ہے کہ ضمیمہ مذکورہ ضبط قرار دیا جا چکا ہے ورنہ ہم اس کا عکس بطور ثبوت پیش کر دیتے۔ تاہم یہ دعویٰ ہے کہ اس میں سر کے اگلے حصے کے بالوں اور اونٹ کے کندے کا قطعاً تذکرہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ باتیں وہاں بی بی پاکؑ کی زبان اعتراضاً بیان ہوئی ہیں۔

آپ نے حسب ذیل کتابوں کا کوئی نام پتہ نہیں لکھا ہے اور ضمیمہ کا جو حوالہ لکھا ہے۔ وہ بھی محرفانہ ہے۔ لیکن ہم اس روایت کی موجودگی کا انکار بھی نہیں کرتے۔ البتہ جس انداز سے لدھیانوی صاحب نے تحریر فرمایا ہے اس طریقے سے کسی بھی جگہ یہ روایت موجود نہیں ہے۔ ہاں مگر یہ روایت کتاب "قران سعدین" ص ۱۳۱ پر اس طرح مرقوم ہے کہ چند قریش کی عورتوں نے حضرت امیرؑ کی شکل پر ایسے اعتراضات کر کے بی بی پاکؑ کو اذیت پہنچائی (جو غالباً بنو امیہ کی ساٹھ سال پر محیط FAKE HADEES INDUSTRIES میں تیار کی گئی روایت ہوگی)۔ لہٰذا آپ نے یہ اعتراضات بحضور والد گرامی قدر دہرائے اور حضورؐ نے حضرت امیر علیہ السلام کے فضائل بیان فرمائے لیکن یہ چیز قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ خود حضرت سیدہؑ نے ایسی رائے قائم یا زنان قریش سے اتفاق فرمایا۔ بلکہ زنان قریش کی مخالفانہ کوشش کا احوال سنایا۔ لیکن اس بات کو لدھیانوی صاحب نے غلط رنگ دیا۔ اگر لدھیانوی صاحب حضورؐ کے ارشاد کردہ فضائل بھی لکھ دیتے تو اچھا تھا۔ بہرحال ناظرین حوالہ بتا دیا ہے۔ خود مطالعہ فرما لیں گے۔

اعتراض:۔ حضرت علیؑ کا مرتبہ تمام انبیاء علیہم السلام پر بجز حضورؐ علیہ السلام کے اگر افضل ہے تو وہ آیت پڑھیے جس میں یہ ذکر ہو

جواب:۔ آیت ولایت جو جواب ۲۷ میں نقل کی گئی ہے دوبارہ تلاوت فرمالیجیے جس کے مطابق اللہ ولی ہے، رسولؐ ولی ہے اور علیؑ ولی ہے (سورہ مائدہ) چونکہ تمام انبیاؑ و مرسلین آنحضرتؐ کی اُمت میں ہیں اور حضرت علیؑ رسول العالمین کے نائب ہیں۔ پس وہ افضل ہیں اُسی لیے تو حضور نے فرمایا" جس کا مولا اُس علیؑ مولا"

اعتراض:۔ حضرت علیؑ کے متعلق سنا ہے کہ آپ کے نزدیک معراج پر گئے تھے کیا یہ صحیح ہے اور اس کا ثبوت کس آیت میں ہے؟

جواب:۔ وہ ساری آیات جو حضورؐ کے معراج کے متعلق ہیں اس بات کا ثبوت ہیں۔ کیونکہ حضورؐ کے فرامین "**لحمک لحمی۔ دمک دمی و روحک روحی نفسک نفسی، انت منی وانا منک، علی منی بمنزلته الراس من جسدی**" وغیرہ پر غور کیجیے اور فرمایئے کہ حضور علیہ و آلہٖ وسلم گوشت، خون، روح نفس اور اس کے معاذ اللہ معراج پر تشریف لے گئے۔ اگر ان عوارض سمیت معراج ہوئی تو بقول رسول صادقؐ حضرت علیؑ بھی گئے تھے۔ مزید ثبوت کے لیے "مناقب مرتضوی" محمد صالح کشفی چشتی ملاحظہ فرمالیجیے۔

اعتراض:۔ آپ کے نزدیک حضرت علی مشکل کشا ہیں فرمایئے اپنی مشکل کشائی کیوں نہ کر سکے جبکہ ان سے خلافت و مصلیٰ چھین لیا گیا؟

جواب:۔ جب مشکل کشاؤں کا مشکل کشا اللہ ہے اس نے شیطان کو کیوں ڈھیل دے رکھی ہے۔علی مشکل کشاؑ نے جو اللہ ہی کا ولی ہے سنت الٰہیہ پر عمل کیا، جانتے تھے اللہ میاں سے سب سے بڑا مشکل کشا ہے بلکہ مشکل کشا کو پیدا کرنے والا ہے اس نے باوجود قدرت کاملہ کے فرعون ونمرود وغیرہ کو ڈھیل دی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کئی ظالموں کو ڈھیل دیتا رہا دیکھتا رہا۔ اس کے اصل مقرر کردہ خلفا اور حاکموں پر ستم وظلم ڈھائے جاتے رہے پس علیؑ چونکہ اللہ کے ولی ہیں اس لیے انھوں نے سنت الٰہی کا بتاع کر کے مظہر صفات خدا ہونے ثبوت دیا۔ خلافت حقہ از امر کن فیکون حاصل تھے لیکن ظالموں کو ڈھیل دی۔ کیونکہ رسول خداؐ نے بھی صبر کا حکم دیا تھا (مدارج النبوۃ)

لہذا رسم زمانہ کی طرح لوگ عارضی طور پر حکومت کے چند روزہ مزا لوٹنے کے بعد گزر گئے۔ لیکن علیؑ کی حکومت وخلافت کا ڈنکا آج بھی بج رہا ہے اور ہر چوٹ سے یہ آواز آرہی ہے "الا امام علی ابی ابی طالب" علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل" کیا کسی اور دنیوی حاکم کو یہ اعزا حاصل ہوسکا ہے کہ علانیہ اس کا کلمہ پڑھا جائے؟ اگر کوئی اقرار نہیں کرتا تو دل سے ضرور مانتا ہے کہ علیؑ اللہ کے ولی اور رسولؐ کے خلیفہ ہیں۔ کیا آپ اس بات سے انکار کرتے ہیں؟ بغیر کسی استبدادی طاقت کے اپنے کلمے پڑھوالینا کیا کسی مشکل کشائی سے کم بات ہے۔ جبکہ یہ شرف سہری فتوحات سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اب انصاف کریں کامیاب کون ٹھہرا؟ علیؑ نے صبر کی کے اسلام کو مشکلکشائی کی اور تباہی سے بچایا۔ لہذا سکوت مشکل کشاؑ دراصل اسلام کی مشکل کشائی ہے۔

اعتراض:۔ اصول کافی ص ۴۸۵ مطبوعہ لکھنو میں ہے۔ امام جعفر نے سلمان بن خالد سے فرمایا "**ان کم علی دین من کتمه اعزه الله من**

اذاعه اذله الله"

ترجمہ:۔ تم ایسے دین پر ہو جو شخص اس دین کو چھپائے گا اللہ اس کو عزت دے گا جو اس دین کو ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلت دے گا۔

جواب:۔ عوام کو گمراہ کرنے کے لیے لدھیانوی صاحب نے روایت غلط انداز میں پیش کی ہے اس لیے حوالہ مشکوک و نامکمل لکھا ہے یہ روایت اصول کافی جلد ۲ کتاب الایمان والکفر باب ۹۸ عنوان "راز چھپانا" روایت ۲ ص ۲۴۱ پر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "تم اس دین پر جس نے (راز) چھپایا خدا نے اس عزت دی اور جس نے ظاہر کیا اسے ذلیل کیا" پس راز چھپانا کسی بھی ضابطہ میں معیوب نہیں ہے اور چونکہ اس روایت کا تعلق تبلیغ دین سے نہیں ہے لہذا اعتراض لایعنی ہے۔

اعتراض:۔ فروغ کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۱۴۶ مطبوعہ نولکشور میں ہے **"ینادی منادی آخر النهار الا ان عثمان و شیعته هم الفائزون"** یعنی

منادی آخر دن میں ندا دیتا ہے خبردار بے شک عثمان اور اس کی پارٹی کامیاب ہیں فرمایئے اس روایت کے مطابق آپ حضرت عثمان کو اس کی جماعت کو کامیاب مانتے ہیں؟

جواب:۔ معترض کی نقل کردہ عبارت نامکمل ہے۔ یہ الفاظ علامات قیامت کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں اور پیشنگوئی کی گئی ہے کہ (قریب) ظہور امام مہدیؑ کے وقت آسمان پر اول النہار منادی یہ ندا کرے گا کہ بیشک علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ کامران ہیں۔ لیکن دن کے آخری حصے میں ایک ندا کرنے والا یہ ندا کرے گا کہ عثمان اور اس کے شیعہ کامیاب ہیں۔

اگر اس روایت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کے شیعوں کی کامیابی کا اعلان آسمان میں دن کے ابتدائی وقت میں منجانب خدا ہوگا لیکن لوگوں کو دھوکہ دینے کی خاطر حامیان عثمان دن کے آخر حصے میں عثمان نے حق میں ایسے ہی ندا کروائیں گے یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان یہ آواز دے گا واضح ہو کہ حضرت علیؑ کے بارے میں موجود ہے کہ منادی صبح آسمان میں ایسی ندا بلند کرے گا۔ لیکن عثمان کے بارے میں ایسی بات موجود نہیں ہے۔ ہاں اگر عثمان کے بارے میں خدا یا فرشتہ یا حجت خدا کا ذکر ہوتا تو بات دوسری تھی۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ یہ منادی منجانب خدا نہ ہوگی بلکہ صرف لوگوں کو دھوکہ دینے کی خاطر خود سے ایسی منادی کرادی جائے گی۔ یا یہ آواز شیطانی ہوگی جو کامیابی کی دلیل نہیں ہے۔

اعتراض:۔ اصول کافی مطبوعہ لکھنوص ۱۴۶ میں ہے "مصحف فاطمة قال مصحف فیہ مثل قرآنکم ھذا ثلاث مرات واللہ مافیہ عن قرآنکم خوف واحد"

یعنی حضرت فاطمہ کا مصحف موجود قرآن سے تین گناہ تھا اور اس میں اللہ کی قسم قرآن مجید کا ایک حرف بھی نہیں تھا۔

اور دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ مصحف کیا تھا اور کس زبان میں تھا اور وہ کب اور کس پر اُترا کوئی دین کی بات بھی اس میں تھی یا نہ اور اب وہ مصحف کس کتب خانے سے ملتا ہے۔ آپ چونکہ شیعہ ہیں اس لیے ہمیں شوق سے سربراہ کرم اس کی ایک آیت پڑھ کر سنا دیجئے؟

نوٹ:۔ قیامت کی حتمی علامات میں جو امام مہدی کے ظہور کے موقع پر ہوں گی ایک یہ ہے کہ ایک مرد منحوس اولاد ابوسفیان بن حرب جس کا نام عثمان ہوگا خروج کریگا اور بتایا گیا ہے کہ یہ آٹھ مہینے تک صاحب اقتدار رہیگا ممکن ہے کہ ایسی منادی اُسی مردود عثمان کے بارے میں ہو۔ واللہ عالم۔

المختصر اس بات سے حضرت عثمان بن عفان کا قطعی کوئی تعلق نہیں ہے۔ (قیامت صغریٰ)

جواب:۔ لدھیاوی صاحب! آپ اپنے کو مسلمان کہلواتے ہیں اور پھر مولوی بھی ہیں بلکہ حضرت العلامہ بنتے ہیں مگر میں تو بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ فی الواقع آپ بہت ہی بڑے حضرت ہیں۔ آپ نے جو اصول کافی کی عبارت درج کی ہے وہ ہمیں کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ تاہم تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ نے یہ عبارت جلد اول کتاب الحجۃ باب ۳۹ ذکر صحیفہ کا جفر و جامعہ و مصحف فاطمہ علیہا السلام ص ۱۷۲ سے نقل نہیں کی۔ بلکہ کسی اور ہی کتاب کی نقل ماری ہے اور حوالہ کی تصدیق کیے بغیر تقلیداً لکھدی ہے۔ یا پھر قصداً اس میں جھوٹ کی آمیزش کر کے عوام کو دھوکا دیا ہے خیر یہ معاملہ ہم اللہ کے سپرد کر کے صحیح عبارت لکھتے ہیں۔

"قال مصحف فیه مثل قرانکم هذ اثلاث مرات والله مافیه من قرانکم حرف واحد"

یعنی یہ کہ مصحف فاطمہؑ وہ ہے جو تمہارے اس قرآن سے (بلحاظ تفصیل و توضیح احکام) تین گنا ہے۔ واللہ تمہارے قرآن میں ایک حرف ہے یعنی اجمال ہے۔

لدھیاوی صاحب کی سب سے پہلی خیانت یہ ہے کہ انہوں نے خط کشیدہ لفظ "حرف" کو اپنی عبارت میں "خوف" لکھا ہے اور پھر غلط ترجمہ کیا ہے دوسری بد دیانتی یہ ہے کہ انھوں نے تاثر دیا ہے کہ "مصحف" اور "قرآن" ایک ہی چیز ہے۔ حالانکہ دونوں الگ الگ ہیں۔ قرآن مجید یک ہی اللہ کی کتاب ہے جبکہ مصحف کئی ہیں۔

مثلاً مصحف عائشہ۔ مصحف عبداللہ بن مسعود۔ مصحف عثمان مصحف فاطمہؑ وغیرہ۔

حدیث منقولہ میں بھی قرآن اور مصحف کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے پھر قرآن ایک حرف میں ہے " جیسا کہ مشہور ہے کہ قرآن سات حروف میں نازل ہوا ترجمہ کرنے کے بجائے معنوی تحریف کی ہے اور لکھا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حرف بھی نہیں تھا؟ " ناظرین کرام سے گذارش ہے کہ اصول کافی میں حدیث کا مطالعہ فرما کر خود ہی انصاف کرلیں۔ دریافت طلب امر جو ہے وہ یہ ہے کہ وہ مصحف عربی زبان مین تھا۔ قرآن مجید کی مکمل تفسیر و توضیح اس میں موجود تھی۔ حضورؐ پر نازل ہوا تھا اور اسی ترتیب سے جمع کیا گیا تھا۔ جس طرح وحی کا نزول ہوا دین کی تفصیلی و توضیحی ہدایت شرح میں موجود ہیں اور وہ مصحف آپ کو امام مہدی علیہ السلام سے مل سکتا ہے۔ انتظار فرمایئے۔ اس ہی مصحف کی آیت قرآن شریف میں ہیں۔ سارے قرآن تلاوت کیجئے ثبوت بھی مل جائے گا اور ثواب بھی حاصل ہوگا بشرطیکہ قرآن ناطق سے بغض نہ ہو پائے۔

اعتراض:۔ فروع کافی کتاب الذی والتجمل ج ۲ ص ۶۱ میں ہے کہ غیر مسلم کے ننگ پر نظر کرنا ایسا ہے جیسا گدھے کو دیکھنا۔ فرمایئے گدھے کو دیکھنا تو جائز ہے کیا غیر مسلم کے ننگ کع دیکھنا بھی جائز ہے،۔ کیا فتویٰ ہے؟

جواب:۔ آپ نے حسب عادت یہاں بھی خیانت سے کام لیا ہے۔ اصل بات اس طرح ہے کہ غیر مسلم ننگ کو دیکھنا اسی طرح ہے جیسا کہ گدھے کے ننگ کو دیکھنا۔ آپ نے یہاں بھی لفظی و معنوی تحریف کر کے لکھا کہ " جیسا گدھے کو دیکھنا" حالانکہ وہاں "عورۃ الحمار" ہے نیز روایت میں جائز ونا جائز کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ باقی اگر آپ عربی محاورات سے واقف ہوتے تو ہرگز ایسا اعتراض نہ

کرتے۔ مگر آپ اردو تو جانتے ہی ہوں گے۔ عام کہا جاتا ہے کہ "فلاں آدمی تو گدھا ہے" اس کے معنی ہوتے ہیں کہ وہ آدمی انتہائی بے وقوف ہے۔ حالانکہ گدھے کی چار ٹانگیں اور ایک دُم ہوتی ہے۔ جبکہ آدمی کی صرف ۲ ٹانگیں ہوتی ہیں۔

اسی طرح گدھے کی آواز قرآن مجید میں سب سے بُری آواز کہا گیا ہے۔ چنانچہ روایت کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا بہت بری بات ہے۔ نیز یہ کہ روایت کی اسناد نامکمل ہیں لہذا معتبر نہیں ہے۔ **علی بن ابراهیم من ابیه عن ابن عمیر عن غیر واحد عن ابی عبدالله علیه السلام قال النظرانی عورة من لیس بمسلم مثل نظرک الی عورة الحمار** پس اس روایت سے استدلال لے کر بلا مقصد اعتراض کرنا محض وقت کو ضائع کرنا ہے۔

اعتراض: پھر یہ حکم مردوں تک بند ہے یا عورتوں کا بھی یہی حکم ہے کتاب میں تو اس کی تفصیل نہیں ہے۔ خدا کے لیے اس مسئلے کو ذرا وضاحت سے بیان کیجیے؟

جواب: احکام ہدایت و نصیحت عام ہوتے ہیں۔ مرد و عورت کی تخصیص نہیں ہے۔ یہ تو غیر مسلم کے ننگ کی عام بات ہے ہمارے ہاں تو نص معصوم ہے کہ میاں بیوی بھی ایک وقت پر ایک دوسرے کے خاص مقامات کو نہ دیکھیں۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ایسی صورت میں اولاد اندھی پیدا ہو اور پھر یہ حکم مسلمانوں کے لیے بھی ہے کہ ایک دوسرے کے ننگ نہ دیکھیں۔

اعتراض: اصول کافی ص ۱۵۸ مطبوعہ نول کشور لکھنو میں ہے کہ۔

(ای امام لا یعلمہ ما یصیب والیٰ مایصیر فلیس ذالک بحجۃ اللہ علی خلقہ)

ترجمہ:۔ کہ جس امام کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کو کیا پہنچنے والا ہے اور اس کی حالت کیا ہے ہونے والی ہے۔ وہ مخلوق میں اللہ کی حجت نہیں ۱۲

فرمایئے حضرت حسینؑ جب اپنے اہل وعیال لے کر کربلا میں پہنچے تو آنے والی مشکلات کو آپ جانتے تھے تو بچوں کو بلا کے منہ میں خوامخواہ کیوں لیگئے اور اگر نہیں جانتے تھے تو روایت کا کیا جواب ہے؟

جواب:۔ روایت درست ہے ہمارا ایمان ہے کہ امامؑ کو متعلقہ امور کی خبر ہوتی ہے اور رہا معاملہ حضرت امام حسینؑ کے علم کا۔ تو شہادت امام حسینؑ سے نہ صرف امامؑ مظلومؑ واقف تھے بلکہ سارا خانوادۂ رسولؐ ہی اس سانحہ کے وقوع پذیر ہونے کا منتظر تھا۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ولادت حسینؑ کے موقع پر جبرائیلؑ نے خبر شہادت دی اور حضورؐ کو خاک کربلا پیش کی جسے اُم المومنین بی بی اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محفوظ رکھا۔ علم شہادت قبل از سانحہ ہی حضرت امامؑ کی امامت حقہ کی دلیل قطعہ ہے کیونکہ قرآن نے امام کی شان ایسی ہی بیان فرمائی ہے۔ اگر معترض نے کبھی تلاوت قرآن مجید کی سعادت حاصل کی ہوتی تو انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ امام مظلومؑ کے دادا، امام اور رسول خلیل اللہ ابراہیمؑ نے بھی یہی اسوہ قائم کیا کہ جیسا کہ اقبال نے کہا

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اگر امام ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام از خود آگ کو دیکھتے بھالتے بے خطر کود جاتے ہیں تو پھر

ذبح عظیم سید الشہدا علیہ السلام پر اعتراض کیسا؟ یہ تو اماموں کی قرآنی سنت ہے۔ وہ نمرود کی روشن کی ہوئی آگ تھی یہ آگ یزید نے جلائی تھی۔ دوم یہ کہ نبیؑ کا خواب سچا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کیا اور پھر صداقت رویا کے لیے ظاہراً حضرت ذبیحؑ کے گلے پر چھری چلائی۔ حالانکہ نتیجے کو جانتے تھے۔ پس اللہ نے قربانی قبول فرمائی اور اسمٰعیلؑ کو ذبیح کا اعزاز مل گیا۔ پس جو جواب ان دونوں واقعات سے حضرات اسمٰعیلؑ و ابراہیمؑ کے بارے میں ہے وہی امام حسینؑ کے لیے ہوگا کہ امام وہ ہے جو باوجود علم کے محبت الٰہی میں دین کے لیے کسی قربانی سے بھی خوف نہ کھائے اور بظاہر ہر مصیبت و بلا کو نظر انداز کر کے حفاظت دین کا فریضہ پورا کر دے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ (اقبال)

اعتراض:۔ جن لوگوں نے کوفے میں حضرت حسینؑ کو بلایا تھا اور ہزاروں خطوط لکھے تھے انھوں نے اپنے دستخطوں میں کیا لکھا تھا کہ ہم کون ہیں جلاء العیون کی عبارتوں کو سامنے رکھ کر جواب دیجیے؟

جواب:۔ کوفہ کو حضرت عمر نے آباد کیا تھا۔ اہل کوفہ کی اکثریت حضرات ثلاثہ کو خلفاء برحق مانتی تھی جو عقیدہ شیعہ کے خلاف ہے ان کا مذہب وہی تھا جو عبداللہ بن عمر کا تھا کہ انھوں نے کہا "ہم نے یزید کی بیعت خدا اور رسولؐ کی بیعت پر کی ہے" اور جو یزید کی بیعت توڑے گا ہم میں سے نہیں۔ ملاحظہ کیجیے بخاری و مسلم وغیرہ۔

جلال العیون میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ امام حسینؑ کو بیعت کا یقین دلاتے رہے اور یزید اور اُس کے اعمال کے مظالم کا حال بیان کرتے رہے ان کی اکثریت کا شیعہ اہل بیت ہونا کس طرح

ثابت نہیں ہے۔ اسی کوفہ میں حنفیوں کے امام اعظم نے رہائش رکھی۔ کیونکہ وہاں ثلاثہ کے ماننے والوں کی اکثریت تھی۔ کوفیوں نے خط میں یہ بھی لکھا کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے جو شیعہ عقیدہ کے خلاف ہے۔

اعتراض:۔ ترجمہ مقبول ص ۶۲۷ کے حاشیہ پر اصول کافی سے امام جعفر صادق کا قول ہے کہ انسان وہاں دفن کیا جاتا ہے جہاں سے اس کی مٹی لی گئی ہو فرمایئے صدیق و عمر جب روضہ اطہر میں مدفون ہیں تو کیا ان کی مٹی روضہ اقدس کی مٹی سے لے گئی ہے؟

جواب:۔ اگر ہم اس اعتراض کا جواب حسب منشاد یتے ہیں تو آپ کی طرف رواداری قائم نہ رہے گی اور دوسری طرف رسالہ ہذا کے ضبط ہو جانے کا اندیشہ ہے بہر حال مختصراً عرض یہ ہے کہ حضرت شیخین کی مٹی روضہ اقدس سے لی گئی ہے تو پھر محض مٹی سے فضیلت بتانے کی سوچنا دوسروں کی آنکھوں میں مٹی ڈالنے کی کوشش ہے کیونکہ اگر ہم صرف شہداء بدر ہی کی مثالیں لیں تو دیکھتے ہیں کہ شہداء و کفار کی مٹی ایک ہی جگہ سے لی گئی۔ دونوں میں کیا فرق رہ گیا۔ کفار مکہ نے اپنے کشتے وہیں دفن کیے اور شہید اصحاب رسول بھی وہاں دفن ہوئے۔

تو کافر شہید صحابی میں بلحاظ مٹی کا فرق رہ گیا؟ لہٰذا ایسی فضیلت کفار کو بھی دے دیں۔ جبکہ اگر قبل از اسلام اس جگہ کی تاریخ دیکھی جائے تو وہاں کچھ اور ہی نظر آئے گا۔ جسے ہم بیان نہیں کر سکتے۔ تاہم اس میں ایک بڑی عمدہ مصلحت پوشیدہ ہے کہ حضورؐ نے ان کو اپنے ہی قریب رکھا اور اپنی آل کو دنیا میں پھیلایا۔ کسی کو عراق میں کسی کو ایران میں اور کسی کو شام وغیرہ وغیرہ۔ اگر اس کی تفصیلی وضاحت چاہیں تو راقم الحروف کو خط لکھ دیں انشاء اللہ تشفی کر دوں گا۔ بہر حال جواب اعتراض یہی ہے کہ ایک ہی جگہ کی مٹی میں مختلف قسم کے اثرات و خواص ہوتے ہیں جن کا اثر بلحاظ ظرف ہوتا ہے۔ ایک ہی زمین

سے گلاب بھی نکلتا ہے اور کیچوے بھی۔ فافہم۔

اعتراض:۔ معصوم کا مطلب حاشیہ ترجمہ مقبول کے ص ۵۶۳ سطر ۳ میں قرآن مجید کو مضبوط پکڑنے والا لکھا ہوا ہے کیا آئمہ کرام کی معصومیت اس قسم کی تھی یا وہ گناہوں سے پاک منزہ تھے۔ واضح فرمایئے؟

جواب:۔ آپ کو غالباً محاورات پر عبور حاصل نہیں ہے اور لفظی معنی زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ قرآن کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ ہاتھ میں قرآن مجید پکڑ کر بہت زور سے دبا کر تھام لیتے ہیں۔ بلکہ دراصل اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی زندگی تشریح قرآن ہے ان کا کوئی عمل خلافت قرآن نہیں ہے اور کوئی قول قرآن کے مخالف نہیں وہ سراپا موافق قرآن ہیں۔ بس یہی تو دلیل عصمت ہے ظاہر ہے کہ جب کوئی ہستی قرآن کو اسی طرح تھام لے گی تو وہ ہر گناہ سے محفوظ اور ہر سہو و خطا سے پاک ہوگی۔ کیونکہ گناہ و نسیان قرآن چھوڑنے کی حالت کا نتیجہ ہی تو ہیں۔ لہذا از خود ثابت ہوا کہ وہ ہر طرح کے گناہوں سے پاک و منزہ ہیں کیونکہ وہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں اور قرآن ان سے کبھی جدا نہ ہوگا حتیٰ کہ دونوں حوض کوثر پر اکھٹے وارد ہوں گے۔ جس طرح حبل اللہ کا مطلب یہ نہیں کہ بیچ مچ کوئی رسہ لٹکا ہوا ہے۔

اعتراض:۔ اہل سنت جو کلمہ پڑھتے ہیں۔ وہ آپ کے نزدیک پورا ہے یا ادھورا؟

جواب:۔ اہلسنت کے لیے پورا شیعہ کے لیے پورا نہیں۔

اعتراض:۔ اگر پورا ہے تو اعلان فرما دیجئے تا کہ اہل سنت کے کلمہ کے متعلق شبہات دُور ہو جائیں۔

جواب:۔ اگر بغض علیؑ سے یہ کلمہ پڑھا جائے تو نہ پورا ہے نہ ہی ادھورا بلکہ کلمہ کفر ہے تفصیل کے لیے ایک سنی مسلمان کے لیے اہل سنت کا کلمہ پورا ہے مگر شیعہ ولایت علیؑ کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں یہ بھی ضروری ہے۔

اعتراض:۔ اگر ادھورا ہے تو حیات القلوب ۲ ج ۲ میں ملا باقر مجلسی نے یہ لکھا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت پر اہل سنت والا کلمہ ہے؟

جواب:۔ کعبے کے بتوں کو توڑتے وقت مہر نبوت پر حضرت علی علیہ السلام کے قدموں کے روشن نشان ہی اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ جب تک علیؑ کو شامل نہ کیا جائے بُت دفع نہیں ہوتے اور جب نبوت والے رسولؐ نے خود "علیؑ ولی اللہ" پڑھا ہے (دیکھیے سفینہ نوح محمد شفیع اوکاڑوی ص ۶۰) تو اعتراز کیسا؟ سفینہ نوح کا پہلا ایڈیشن دیکھیے نئے ایڈیشن میں تحریف کر دی گئی ہے۔ نیز مہر نبوتؐ اور مہر ولایت کا فرق بھی ملاحظہ رکھیں۔

اعتراض:۔ غزوات حیدری کے ص ۲۹۰ سطر ۱۸ میں ہے کہ جب حضرت خدیجہ الکبریٰ ایمان لائیں تو وہی کلمہ حضور علیہ السلام نے پڑھایا جو اہل سنت پڑھتے ہیں۔ فرمائیے، حضرت خدیجہ کے ایمان کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب:۔ اگر شروع میں اتنا کلمہ پڑھا تو حرج نہیں۔ جب خود رسولؐ خدا نے علیؑ ولی اللہ

پڑھا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بی بی خدیجہؑ کے متعلق یہ تصور کرلیا جائے کہ انھوں نے اتباع رسولؐ نہ کی ہمارا ایمان ہے کہ محسنہ اسلام اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ نے "علیؑ ولی اللہ" ضرور پڑھا۔ غزوات حیدری میں ابتدائی دور کا رذ کر ہے۔

اعتراض: اذان میں اشهد ان علیا ولی الله جو آپ کہا کرتے ہیں۔ اس کے متعلق اپنی کتاب میں سے کسی امام کی صحیح حدیث پیش فرمایئے؟

جواب:۔ شہادت ولایت وخلافت اذات میں مستحب وضروری ہے ملاحظہ فرمائیں۔ بحارالانوار جلد ۱۸ ص ۱۶۴ مطبوعہ ایران، احتجاج طبرسی ص ۸۴ طبع ایران امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جب **لا اله الا الله محمد رسول الله** کہو تو ولایت علیؑ کا اقرار بھی کرو نیز دیکھئے رسالہ اذانیہ ۵ مطبوعہ لکھنو۔ اب آپ نماز فجر میں **الصلوٰة خیر من النوم** کا ثبوت کسی صحیح ومرفوع حدیث رسولؐ سے دیجئے مہربانی ہوگی۔ اگر کوئی حدیث نہ مل سکے تو کم سے کم حضرت ابو بکر کے زمانے میں اس کا رواج ثابت کر دیجئے۔ علامہ شبلی نے "الفاروق" میں تسلیم کیا کہ یہ حضرت عمر نے اضافہ کیا ہے۔

اعتراض:۔ جب قرآن مجید میں وسلموتسلیما موجود ہے تو آپ وبارک وسلم درود کیوں نہیں پڑھتے؟

جواب:۔ جب آپ نماز میں درود پڑھتے اس میں وبارک وسلم دکھایئے۔

یاد رکھئے! ہم جاہل اماموں کے ماننے والے نہیں ہیں۔ قرآن میں وسلموتسلیما صرف پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ تسلیم کرنے کے لیے کہا گیا ہے جیسا کہ "**ان الله وملائکته یصلون**

علی النبی یاایھا الذین امنوصلو علیہ و سلمو تسلیما "یعنی بے شک۔ اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو درود بھیجو اور اسلام تسلیم پیش کرتے رہو "پس سلمو تسلیما" سے مراد فرمانبرداری واطاعت رسولؐ ہے۔ باقی ہم وبارک وسلم بھی کہتے ہیں۔ کہ ہمارے ہاں منع نہیں ہے۔ دیکھیے ہماری کتاب تحفۃ العوام مقبول ص ۱۲۱ "اللھم صل علی محمد وال محمد و بارک علی محمد وال محمد کما صلبیت و بارک علی ابراھیم وال ابراھیم انک حمید مجید " مگر معاف کیجئے آپ تو درود بھی ہمیشہ ادھورا ہی لکھتے پڑھتے ہیں اور حدیث رسولؐ ہے کہ مجھ پر ادھورا درود نہ پڑھو۔

اعتراض:۔ جب سب کے نزدیک حضرت حیدر کرار اسد اللہ الغالب ہیں تو ان کے متعلق یہ مشہور کرنا کہ آپ سے صحابہ نے مصلےٰ چھین لیا تھا۔ خلافت غصب کر لی تھی۔ فدک نہیں دیا تھا کہ ان کو مغلوب بنانے کا منصوبہ نہیں؟

جواب:۔ پھر تو آپ لوگ اللہ پر بھی معترض ہو سکتے ہیں کہ اس نے شیطان کو کیوں ڈھیل دے رکھی ہے۔ کیا خدا شیطان سے مغلوب ہو گیا ہے؟

مسلمان عیسائی اور یہودی وغیرہ قوت وغلبہ پروردگار کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ نمرود وفرعون جیسے کافروں نے خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اور اللہ کی مخلوق کی ان گنت تعداد موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ خدا کے بے گناہ انبیا ظلم وستم سے شہید کر دیئے گئے۔ زبردستی اور تشدد سے اپنی جھوٹی خدائی منوائی گئی کیا یہ باتیں خدا کو معاذ اللہ مغلوب ثابت کرتی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر ولی خدا کس طرح مغلوب ہو گئے؟ یاد رکھئے جس طرح خدا کو اپنے بارے میں امتحان خلق مقصود ہے بلکل اسی طرح حضرت حیدر

کرار کے معاملے میں امتحان مقصود تھا۔ تبھی تو سرور کائناتؐ نے اپنے وصی حقیقی کو صبر کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ ملاحظہ کیجئے۔ (مدارج النبوۃ)

اعتراض:۔ نماز میں مردوں کے لیے اگر ہاتھ باندھنے کا ثبوت قرآن میں نہیں۔ تو فرمایئے عورتوں کے لیے ہاتھ باندھنے کا ثبوت کس آیت میں ہے۔

ذرا پڑھ کر سنایئے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں نہ ہی مردوں کے ہاتھ باندھنے کا ثبوت ہے نہ ہی عورتوں کا بلکہ بندھے ہاتھ ہونا یہودیوں کے لیے بددعا ہے۔ آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ شیعہ خواتین ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتی ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پہلے مکمل واقفیت حاصل کیجئے پھر اعتراض فرمایئے۔

اعتراض:۔ ترجمہ مقبول کے حاشیہ پر ہے کہ جب حضرت سیدہ کے وجود مقدس میں حضرت امام حسین تشریف لائے تو آپ نے اس حمل کو مکروہ سمجھا کیا واقعی ایسا ہے۔ ذرا تشریح مطلوب ہے؟

جواب:۔ معترض اپنی تحریف کی عادت سے مجبور ہیں۔ حالانکہ مولانا مقبول احمد نے وہاں کراہت یا نفرت کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا بلکہ اصل واقعہ حاشیہ میں یوں درج ہے۔ "جناب امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب فاطمہ زہراؑ کے حمل میں جناب امام حسینؑ تھے۔ جبرائیل امینؑ جناب رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ عنقریب فاطمہ زہراؑ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کو آپ کی اُمت آپؐ کے بعد قتل کرے گی۔"

پس یہ سن کر جناب فاطمہ زہراؑ کو اس حمل سے بھی رنج پہنچا اور وضع حمل کے وقت اس ولادت سے بھی۔ پھر حضرت نے فرمایا۔ کہ دُنیا میں کوئی ماں ایسی نظر نہ آئے گی جو بیٹے کو جن کر رنجیدہ ہوئی مگر جناب سیدہؑ ان کو رنج اس وجہ سے ہوا کہ ان کو علم ہو چکا تھا کہ ان کا یہ فرزند قتل کیا جائے گا۔ (سورۃ الاحقاف) حاشیہ ترجمہ مقبول ص ۲۵۳

آپ نے نامکمل حوالہ دیکر جو شرارت کی ہے اصل عبارت کے بعد اس کی حقیقت مکمل طور پر منکشف ہو جاتی ہے کہ سیدہ طاہرہ رنجیدہ کیوں ہوئیں۔

شاید لدھیانوی صاحب بھی اب رنجیدہ ہو کر ندامت محسوس کر لیں گے۔

اعتراض:۔ جب قرآن مجید بنات تک موجود ہے تو آپ حقیقی معنی کو کیوں ترک کرتے ہیں اور حضور اکرمؐ کی ایک سے زیادہ صاحبزادیوں کا کیوں انکار کرتے ہیں؟

جواب:۔ قرآن مجید رسول اللہؐ پر نازل ہوا ہے معنی حضورؐ فرمائیں گے وہی حقیقی ہوں گے۔ پس آیہ مباہلہ میں "نسانا" سے مراد اگر فاطمہؑ ہے تو (بنات) کی جمع بھی فاطمہؑ کے اکلوتی ہونے کی نفی نہیں کرتی۔ چونکہ یہ پردہ کے متعلق آیت ہے اور اس میں حضورؐ کو حکم دیا ہے کہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کو یہ کہہ دو۔ لہذا یہ حکم عام ہے کہ اُمت محمدیہ کی ہر عورت کے حضور روحانی باپ ہیں۔ اس لیے سورہ احزاب کی آیت ۵۹ میں حضور کو حکم ہوا ہے کہ اب وہ کوئی مزید شادی نہ فرمائیں۔ لہذا آپؐ کی ازواج کے علاوہ تمام اُمت کی بیٹیاں آپ کی روحانی بیٹیاں ہیں پس یہاں معنی عام "بنات" استعمال ہوا ہے اسی لیے تخصیصی حرف استعمال نہیں کیا گیا بلکہ عام ہدایت ہے (قرآن مجید میں حضرت لوطؑ کے بارے میں "بنات" کا لفظ آیا ہے جبکہ جمع تین سے کم پر نہیں استعمال ہوتی حالانکہ حضرت لوطؑ کی دو بیٹیاں تھیں)

مسئلہ بنات نبی اہل سنت کے نزدیک متنازعہ امر ہے اس لیے اس پر حجت قائم نہیں کی جاسکتی۔ جب تک اختلاف دور نہ ہو۔ جیسا کہ اہل سنت کی تفسیر نیشا پوری میں ربائبکم کی تفسیر میں تسلیم کیا گیا ہے کہ حضورؐ کی پالی ہوئی لڑکیوں کو بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا ہے۔ ہم حضورؐ کی ایک ہی بیٹی تسلیم کرتے ہیں اور آپ کے صدیق اکبر نے حضرت سیدہؑ سے یوں کلام کیا۔ "اے رسول خداؐ کی دختر! یقیناً آپ کے پدر بزرگوار مومنین پر مہربان شفیق اور رحمت والے تھے اور کافروں کے لیے دردناک اور بڑی عقوبت تھے"

﴿پس اگر ہم ان کا ذکر کریں تو تمام دنیا کی عورتوں میں ان کو صرف ایک آپ کا باپ اور مردوں میں صرف آپ کے شوہر کا بھائی پائیں گے۔﴾

خط کشیدہ الفاظ سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر جناب سیدہ کے علاوہ دنیا کی کسی عورت کو حضورؐ کی بیٹی نہیں مانتے تھے (بلاغات النساء مصنفہ ابوالفضل احمد بن طاہر بغدادی) پس جب "بنات" حقیقی بیٹیوں کے علاوہ بھی استعمال ہوسکتا ہے تو اس سے صرف سگی بیٹیاں مراد نہیں لی جاسکتی ہیں۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر کی گواہی کے بعد کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی۔ کہ حضرت سیدہؑ کو اکلوتی بیٹی نہ مانا جائے۔ اس لیے اعتراض رفع ہو جانا چاہیے۔

اعتراض: میدان کربلا میں عترت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے جب صرف حضرت زین العابدینؑ کے علاوہ اور کوئی نہ بچ سکا اور ان کے علاوہ عترت رسولؐ میں سے کئی صاحبزادیاں اور متعدد بیوگان بچ گئی تھیں۔ فرمائیں ان کا نکاح کس سے ہوا؟

جواب:۔ امام زین العابدینؑ کے علاوہ امام محمد باقرؑ اور امام حسنؑ کی اولاد بھی سانحہ کربلا کے بعد پھلی پھولی۔ بیوگان کا اس المناک حادثے کے بعد شادیاں کرنا بعید از قیاس ہے۔ البتہ جو بچیاں بچ گئیں ان کے نکاح خاندان بنی ہاشم ہی میں ہوئے۔ تاریخ میں ان کل مخدرات کی تعداد ۲۵ سے زیادہ کہیں نہیں ملتی ہے اور ان ۲۵ میں یتیم بچیاں اور بزرگ خواتین شامل تھیں۔ لہذا بیوگان خاندان سادات کہنا خلاف تاریخ ہے۔

اعتراض:۔ اگر کسی سیدہ سے نکاح ہوا تو اس کا نام بیان فرمایئے؟

جواب:۔ یہ لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ ان مخدرات نے اپنی بے کیف زندگی کے باقی ماندہ دن لذات دنیا سے نفرت اور بے رخی میں گذارے ایک عرصہ دراز تک بنی ہاشم میں کوئی خوشی کی تقریب منعقد نہ ہوئی۔ درحقیقت واقعہ کربلا نے اہل حرم کی زندگیوں کا جیتے جی ہی خاتمہ کر دیا تھا لہذا شادی بیاہ وغیرہ سے ان کو کب دلچسپی ہوگی۔

اعتراض:۔ اور اگر کسی سے ان کا نکاح نہیں ہوا تو **وانکحوا الایامیٰ منکم** پر ان کا عمل نہ ہوا۔ کیا معاذ اللہ عترت رسولؐ نے قرآن پر عمل نہ کیا؟

جواب:۔ تاریخ میں مذکورہ ہے کہ بعد از جہاد کربلا اس دکھ بھری زندگی نے ان باعظمت بی بیوں کے اجسام کو اس قدر نحیف و کمزور بنا دیا تھا کہ اُن کی رنگت تبدیل ہوگئی تھی۔ ان کو آسانی سے پہچان لینا بھی مشکل کام تھا۔ ایسے میں نکاحوں کا سوچنا نہایت سنگدلی کا مظاہرہ ہوگا۔ جب صحت جسمانی قائم نہ ہو۔ مصائب و حوادث درپیش ہوں۔ ایسے حالات میں تو نماز، روزہ، زکوۃ۔ حج جہاد

جیسے احکام قرآن میں رعایت ہوا کرتی ہے۔ احکام نکاح تو دور کی بات ہیں۔ شادیاں بستے گھرانوں میں ہوا کرتی ہیں۔ اُجڑے خاندانوں کو شادی بیاہ سے کیا دلچسپی جبکہ نہ ہی صحت جسمانی بحال رہی ہو اور نہ ہی ذہن وقلوب سے صدمات و آلام محو ہو سکے ہوں۔ البتہ کافی عرصہ بعد رفتہ رفتہ اس خاندان کا صدمہ کچھ خفیف ہوا تو انہوں نے اپنے ہی خاندان میں رشتے داریاں کیں۔ تاریخ میں اس سے متعلقہ واضح تفصیلات مذکورہ نہیں ہیں۔ فلپس حتی مردود نے جو تاریخ تمدن عرب میں بی بی سکینہؑ کے بارے میں خرافات لکھی ہیں تو وہ دشمنان آل محمد کی خودساختہ ہیں جن سے فلپس حتی نے محض تحقیر اسلام کا کام لیا ہے۔ حالانکہ بی بی سکینہ بنت الحسینؑ کا انتقال صغیر سنی میں زندان شام ہی میں ہو گیا تھا۔

اعتراض:۔ ضمیمہ ترجمہ مقبول ۵۵۴ سطر ۷ میں ہے کہ سیدہ فاطمہؑ نے شیطانی خواب دیکھا ہے۔ آپ کی اس کے متعلق کیا تحقیق ہے۔ کیا بی بی پاک کو آپ کے مذہب میں شیطانی خواب آ سکتا ہے۔ تفصیل وتشریح درکار ہے۔

جواب:۔ ضمیمہ مذکورہ جو جواب جناب سیدہ کا مرقوم ہے اسے شیطانی خواب لکھنا آپ ہی کو زیب دیتا چونکہ آپ محاورات سے نابلد ہیں اس لیے ترکیب الفاظ شیطانی خواب کے معنی محاورہ میں تذلیلی وتحقیری ہوتے ہیں۔ جبکہ مولانا مقبول احمد صاحب نے ایسا قطعی بیان نہیں فرمایا۔ دراصل خواب مذکورہ میں دلیل عصمت سیدہ طاہرہؑ ہے جیسا کہ بوقت مردودیت ابلیس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اللہ کے بندوں کو بہکائیگا اور ورغلائے گا۔ مگر اللہ نے جواب دیا تو میرے برگزیدہ بندگان کو نہیں بہکا سکتا ہے۔ تعلیم اُمت کے لیے اس مسئلہ کی عملی تشریح کے سلسلے میں یہ خواب برہان واضح ہے کہ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ مولانا مقبول احمد نے اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر قمی میں ہے کہ بروایت ابو بصیر جناب امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے آیہ۔

"انما النجوی من الشیطن" کا سبب نزول دریافت ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ایک رات جناب سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے ہمراہ مجھے اور علیؑ اور حسنؑ کو لیے ہوئے کہیں جانے کا قصد کرتے ہیں۔ بس اسی ارادے سے وہ جنابؐ ہم سب کو ہمراہ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب مدینہ کے مکانوں سے نکل گئے تو ایک دوراہا ملا۔ جناب رسول کریمؐ داہنی طرف روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک باغ پر پہنچے جس میں چشمہ بھی جاری تھا۔ وہاں آنحضرتؐ نے ایک بکری مول لی جس کے ایک کان پر سفید نقطہ تھا۔ اس کے ذبح کرنے کا آنحضرتؐ نے حکم دیا۔ گوشت تیار ہو گیا تو سب نے مل کر کھایا۔ اس کے کھاتے ہی سب کے سب مر گئے۔ یہ حال دیکھ کہ جناب سیدہؑ روتی ہوئی خوفزدہ خواب سے بیدار ہوئیں اور حضورؐ سے اپنا خواب بیان نہ کیا۔ جب صبح ہوئی تو رسول خداؐ دراز گوش پر سوار ہو کر خانہ جناب سیدہؑ میں تشریف لائے اور جناب سیدہؑ کو سوار کر لیا۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام اور حسنین علیہما السلام سے فرمایا تم بھی چلو۔ بس جب یہ سب حضرات مدینہ سے نکلے تو ویسا ہی دوراہا ملا جیسا کہ جناب معصومہؑ نے خواب میں دیکھا تھا۔ جناب رسولؐ نے داہنا راستہ اختیار کیا۔

جیسا کہ حضرت فاطمہؑ زہرا دیکھ چکی تھیں۔ پھر آنحضرتؐ ایک مقام پر پہنچے جہاں خرمے کے درخت اور پانی کا چشمہ تھا۔ تو آنحضرتؐ نے ایک بکری جس کے کان پر سفید تل تھے خرید فرمائی یہ بھی خواب کے مطابق ہوا۔ پھر اس کے ذبح کا حکم دیا۔ پس وہ ذبح کی گئی اس کا گوشت بھونا گیا۔ جیسے ہی ان بزرگوں نے نوش فرمانے کا قصد کیا، جناب سیدہؑ اٹھیں اور ایک طرف جا کر رونے لگیں کہ اب یہ سب مر جائیں گے۔ پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر اپنی پارہ جگر کے پاس وہاں تشریف لے گئے جہاں وہ رو رہی تھیں اور یہ حال دیکھ کر کہا اے لخت جگر تم کیوں روتی ہو۔ عرض کیا بابا! میں نے رات کو ایسا ایسا خواب دیکھا ہے اور جو کچھ میں نے دیکھا ہے

وہ سب کچھ ہو بہو آپ اس وقت تک کر چکے ہیں۔ پس میں اس لیے آپ کے پاس سے ہٹ گئی کہ میں آپ کو مرتے نہ دیکھوں۔ یہ سُن کر حضورؐ اُٹھے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی بعد اس کے درگاہ خدا میں مناجات کی جبرائیل امینؑ نازل ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ ایک شیطان ہے نام اُس کا "زہا" ہے اس نے فاطمہؑ کو خواب میں یہ واقعہ دکھایا ہے۔ وہی مومنین کو ان کے سوتے ہیں اذیت دیتا ہے جس سے وہ مغموم و محزون ہو جاتے ہیں۔ جناب رسول ﷺ نے فرمایا۔ اُسے میرے پاس لاؤ جبرائیل گئے اور "زہا" کو پکڑ کر لائے آنحضرتؐ نے فرمایا تو نے ہی فاطمہؑ کو یہ خواب دکھایا ہے اس نے کہا جی ہاں۔

یہ سُن کر آنحضرتؐ نے اس کے بدن پر تین بار تھوکا جس سے اس کے تین جگہ درد پیدا ہو گیا۔ پھر جبرائیل نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ فاطمہؑ سے کہہ دیجیے کہ اگر خواب میں کوئی خوفناک واقعہ دیکھا کریں یا مومنین میں سے کوئی شخص بُرا خواب دیکھے تو پڑھے "**اعوذ بما اعازت به ملئكة الله المقربون و انبياء ه المرسلون و عباده الصلحون من شرما رايت من رويائى**"۔ بعد میں اس کے سورہ حمد و قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس۔ اور قل قل ھو اللہ احد پڑھ کر اپنے بائیں جانب تھوک دے۔ پس وہ خواب اُسے ضرر نہ پہنچائے گا۔ اس وقت خدا نے آیت نازل فرمائی۔ اب ہم نے پوری روایت ہی نقل کر دی ہے لہذا اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں رہی۔ بی بی پاکؑ کو شیطان کا خواب نظر آنا امر محال نہیں ہے بلکہ معصوم تو ظاہر میں شیطان کو سامنے بلا کر سزا و تادیب کر سکتا ہے۔ جیسا کہ روایت سے ثابت ہوا۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ شیطان کا غلبہ معصومؑ پر نہیں ہو سکتا اور دوسری طرف یہ تعلیم حاصل ہوتی ہے کہ اگر اُمت شیطان سے محفوظ رہنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ ہے یہ روایت اتنی صاف ہے کہ کسی مزید تحقیق و تفصیل و شرح کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

اعتراض:۔ ضمیمہ ترجمہ مقبول ۲۴ سطر ۲ میں برہان المجالس کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ بغرض مشورہ خلافت عثمان زبیر طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص کے ساتھ بیٹھے تھے اگر خلافت منصوص من اللہ تھی تو مشورہ کیسا۔ نیا ضمیمہ ترجمہ مقبول ص ۲۱۹ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ ولیہ وسلم نے فرمایا "اے علیؑ خدا نے تجھے ایک اُمت قرار دیا ہے۔ فرمایئے آپ کا حضرت علیؑ کی اُمت ہونے کا کیا جواب ہے؟"

جواب:۔ مشاورت مسئولہ خلافت منصوص کے لیے قطعاً نہ تھی بلکہ مجلس شوریٰ برائے امر حکومت (خلافت) ظاہری بمطابق وصیت حضرت عمر منعقد ہوئی تھی۔ اتمام حجت کی خاطر حضرت علی علیہ السلام نے اس میں شرکت فرمائی۔ تاکہ لوگ یہ اعتراض نہ کریں کہ علیؑ دعویٰ خلافت تو کرتے رہے لیکن اگر اس امر پر آپ کو بلایا گیا تو وہ گھر ہی بیٹھے رہے اور بوقت فیصلہ حکومت تشریف نہ لائے ورنہ اس شوریٰ کی حقیقت تو حضرت امیرؑ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی۔ دیکھئے اپنی کتب تاریخ کامل اور تاریخ ابوالفداء وغیرہ۔

"یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے حق سے ہمیں ہٹانے کیلئے زیادتی کی اور ہمیں ہمارے حق سے علیحدہ کیا" اب رہا حضرت علیؑ کے اُمت ہونے کا جواب تو وہ بھی اپنی کتب میں ملاحظہ فرمالیجے۔ جن میں قول سرکار رسالت مآبؐ اس طرح منقول ہے۔ "یا علیؑ جو ثواب تم کو میرے ساتھ چلنے میں ملتا ہے۔ اتنا ہی مدینہ میں رہنے سے ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تنہا اُمت قرار دیا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک اُمت قرار دیا تھا" (حاشیہ مقبول ص ۲۹۹)

لہٰذا اولاً تو یہ ہے جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسے امام ایک اُمت ہیں اسی طرح امام

علیؑ ابن ابی طالب تنہا اُمت ہیں۔ دوم یہ کہ حضرت امیرؑ کا مرتبہ پوری اُمت کے مرتبے سے بھی افضل ہے جیسا کہ آپ کے امام حاکم نے تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "علیؑ کی روز خندق کی ایک ضربت عبادت ثقلین سے افضل ہے" (حاکم دیلمی وغیرہ)

نوٹ:۔ امام حاکم کی روایت میں یہ الفاظ بصراحت ہیں "**افضل اعمال امتی الی یوم القیامته**" یعنی میری ساری اُمت کے قیامت تک کے اعمال سے علیؑ کی ایک ضربت افضل ہے۔

اب فرمائیں آپ نے تو علیؑ کے اُمت ہونے پر اعتراض کر رہے ہیں جبکہ آپ کے امام حاکم کے بقول علیؑ کی صرف ایک ضربت ہی ساری اُمت سے افضل ہے۔ اور مراد حضورؐ کی یہ ہے کہ جو ثواب سب عبادات کا اُمت کو ہوگا اس سے زیادہ ثواب علیؑ کو روز خندق کی ایک ضربت سے حاصل ہوگا اب اگر کوئی بغض ہے تو حضورؐ سے دریافت فرمایئے۔

اعتراض:۔ ترجمہ مقبول ص ۵۱۷ کے حاشیہ سطر ۱۱ میں ہے جو شخص اہل بیتؑ سے محبت رکھے گا وہ اہل بیتؑ میں داخل ہوگا۔ فرمایئے شیعہ حضرات کو ہم حضور علیہ السلام کی اہل بیت کہہ سکتے ہیں جبکہ وہ محبت عترت رسولؐ کے واحد ٹھیکیدار کہلاتے ہیں؟

جواب:۔ یہ اہل بیت کی کرم نوازی، عزت افزائی۔ ذرہ نوازی اور نظر عنایت ہے کہ جو ان سے محبت رکھے وہ ان کو اپنے میں داخل فرما لیتے ہیں۔ اس کے درجات بلند کرتے ہیں۔ اس لیے حدیث شریف ہے کہ جو محبت اہل بیت میں طبعی موت بھی مرا وہ شہید ہے لہذا یہ عطا و بخشش ہمیں ہی نصیب ہے۔ کہ ہم شیعیان اہل بیت کہلاتے ہیں اور مولانا مقبول صاحب نے یہ نہیں لکھا

ہے کہ جُدا از اہلبیت از خود اہلبیت ہوگا یا اہلبیت ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ بلکہ کہا کہ وہ اہلبیت میں داخل ہوگا اور یہ جملہ از خود ثابت کرتا ہے کہ اہل بیت اور ہیں اور داخل ہونے والا معتقد دوسری چیز بفضل خدائے تعالیٰ بلاشبہ یہ ٹھیکہ ہم ہی کو حاصل ہے کہ ہم شیعیان اہلبیت کہلواتے ہیں جو "داخلہ" کا پکا ثبوت ہے کہ (اہل بیت) سے جدا نہیں ہے ان کے معتقد و غلام و پیرو کار اور ماموم ہیں۔ جبکہ آپ کو تو یہ لقب ہی پسند نہ آیا۔ خود ہی ٹھیکے سے ہاتھ دھو بیٹھے جیسا کہ محدث عبدالعزیز دہلوی صاحب نے تحفہ اثناء عشریہ میں تسلیم کیا ہے۔

اعتراض:۔ احتجاج طبرسی ص ۵۴ مطبوعہ نجف اشرف میں ہے۔ ثمہ تناول ید ابی بکر فبا یعتہ

ترجمہ:۔ بعدہ حضرت علیؑ نے ابوبکر کا ہاتھ لیا اور اس کی بیعت فرمائی۔

فرمایئے یہ بیعت اصلی تھی یا خواہ مخواہ لوگوں کو دھوکہ میں رکھنا مقصود تھا۔ اگر اصلی تھی تو شیعہ سنی اختلاف ختم اور اگر دوسری بات تھی تو یہ ایک برحق امام کی پوزیشن کے خلاف ہے۔ واضح فرمایئے؟

جواب:۔ علمائے امامیہ نے روایت مذکورہ کو درست تسلیم نہیں کیا ہے۔ بحث میں مسلمات جاتے ہیں نہ کہ مردود اقوال۔ اگر اس قول کو صحیح مانا گیا ہوتا تو پھر بقول آپ کے شیعہ سنی اختلاف ہی نہ رہتا۔ اور پھر حضرت علیؑ شوریٰ میں ان کی سیرت پر عمل کرنے سے انکار کر کے حکومت سے محروم رہنا کیوں گوارہ فرماتے؟

اعتراض:۔ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ۸ میں ہے۔

انما الشوریٰ للمھا جرین والا نصار فان اجتمعوا علی رجل و سموہ اماماً کان ذلک للہ رضاً

ترجمہ:۔ خبر ایں نیست مشورے کا حق مہاجرین وانصار کو ہے پس اگر وہ کسی جوان پر اتفاق کر کے اُسے امام بنالیں تو خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ حالانکہ یہاں سے امامت کا انعقاد و شوریٰ سے معلوم ہوتا ہے۔ فرمایئے حضرت علیؑ کے اس فرمان سے اتفاق ہے یا نہ؟

جواب:۔ دلیل ہمیشہ مسلمات خصم سے پیش کی جاتی ہے اس لیے معاویہ کے خلاف حضرت امیرؑ نے گذشتہ حکومتوں کے حالات کا دلیل بنا کر حجت قائم فرمائی۔ جس طرح حضرت ابوبکر سے کہا تھا کہ تم نے قریش ہونے کی دلیل پر حکومت حاصل کی ہے کہ تم لوگ قرابت میں رسولؐ کے قریب ہو جبکہ میں بھی وہی بات تمہیں کہتا ہوں کہ میں تم سب سے قریب ترین ہوں۔ اگر کوئی مسلمان قاضی کسی مقدمے کا فیصلہ مروجہ انجیل کے مطابق کرے تو عیسائی کے لیے حجت ہوگا لیکن مسلمان کے لیے نہیں اسی طرح آپ نے معاویہ کو کہا کہ جس طرح تم لوگوں نے عثمان کو خلیفہ مانا کہ مہاجرین وانصار نے ان کی تائید کی اسی طرح مجھے بھی ان ہی لوگوں نے تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا حسب دستور سابقہ تم میری اطاعت قبول کرلو۔ یہ ایسی دلیل تھی جس سے انکار نہ ہوسکتا تھا۔ اور حضرتؑ نے فریق مخالف ہی کے مسلمات سے استدلال کر کے اپنا موقف ثابت کیا نہ کہ آپ سرکارؑ نے اصول شوریٰ کو درست تسلیم فرمایا۔

اعتراض:۔ نیز جب حضرت علیؑ اجماعی خلافت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے قائل ہیں تو فرمایئے خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر آپ کا اعتراض کیوں ہے؟

جواب:۔ یہ حضرت علیؑ نے معاویہ کے عقیدے کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے اجماعی خلافت کو رضائے الٰہی سمجھ کر قبول کرلیا۔ پس چونکہ معاویہ کا عقیدہ یہی تھا لہذا اسے اب کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے کہ لوگوں نے اجماعی طور پر حضرتؑ کو مان لیا تو تم کیسے انکار کرتے ہو۔ رضائے الٰہی سمجھ کر کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ چونکہ معاویہ اور اس کے ساتھیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم و رضا سے ہوتا ہے ہم عرض کر چکے ہیں کہ فریق مخالف کو اس ہی کے عقائد و مسلمات سے قائل کرنا یہ کبھی دلیل نہیں ہوتا ہے کہ قائل کرنے والا خود بھی اس مسئلہ سے اتفاق رکھتا ہے۔ یہ بات صرف عقیدۂ معاویہ کے مطابق اس کے اپنے ہی اصول پر حجت قائم کرتی ہے حضرت علیؑ خلافت کو اپنا حق سمجھتے رہے اور انھوں نے کبھی اجماع و شوریٰ کو درست خیال نہ فرمایا۔ اسی لیے پہلا خطبہ فرمایا تو حمد خدا اس طرح بیان فرمائی۔ اللہ کا شکر ہے اس کے اس احسان پر کہ حق اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ وضاحت تو فرمادیجئے کہ حضرت امیرؑ نے ایسا کیوں ارشاد فرمایا؟

اعتـــراض:۔ تعزیہ بنانا کس منصوص امام کا فعل ہے۔ معتبر کتاب کا حوالہ درکار ہے؟

جواب:۔ تعزیہ تعزیت سے ہے اور تعزیت کرنا کسی مسلک میں گناہ نہیں ہے۔ تعزیہ داری کے مروجہ معنی یہ ہیں کہ کسی سوگ کو منانے کی نشانی بنانا چنانچہ تعزیہ داری از خود سنت رسولؐ ہے فعل امام تو رہا ایک طرف ہم حضرت رسول کریمؐ کی سنت قولی و فعلی آپ ہی کی معتبر کتابوں سے ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ مختصراً عرض یہ ہے کہ مشکوۃ شریف مطبع فاروقی دہلی ۶۸ پر روایت درج ہے۔ "اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ خاک کربلا کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتی ہیں پس رسولؐ نے سونگھا کہ تکلیف و بلا کی بو آ رہی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا اے اُم سلمہؓ جب یہ خاک خون ہو جائے تو سمجھ لینا میرا فرزند حسینؑ شہید ہو گیا"

پس اُم سلمہؓ نے اس خاک کو ایک شیشی میں رکھ لیا۔ اور روزانہ اس کی زیارت کرتی تھیں۔ اور کہا کرتی تھیں جس دن تو خون ہو جائے گی بے شک وہ بڑی مصیبت کا دن ہوگا۔ اور روایت یہ ہے کہ جب حسینؑ شہید ہوئے تو آسمان سات دن اور سات رات خون کی طرح سُرخ رہا۔ پس خاک کربلا سامنے رکھ کر تعزیہ داری کا اجمالاً استحباب ثابت ہو گیا کہ قبل از شہادت حسینؑ دو ہی نشانیاں ہو سکتی تھیں۔ ایک خود امامؑ مظلوم اور دوسری خاک کربلا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے دونوں نشانیوں کو سامنے رکھ کر عزاداری کر کے اُمت کو بتا دیا کہ تعزیہ داری میرے سنت ہے اور حضرت اُم المومنین نے ہر روز اس کی زیارت شروع فرمائی۔ اب جبکہ ہمیں واقعات کربلا کا پورا علم ہے تو علیحدہ نشانیاں بنا کر اتباع رسولؐ کرتے ہوئے تعزیہ داری کرتے ہیں ایسی ہی روایت مسند احمد حنبل اور کنز العمال وغیرہ میں موجود ہیں کہ خود حضورؐ نے امام حسینؑ کو گود میں لے کر اور مٹی کو دیکھ کر عزاداری فرمائی۔

اعتراض:۔ اگر تعزیہ بنانا اس پر موجودہ طرز کی عزاداری کرنا حضورؐ علیہ السلام یا حضرت علیؑ سے ثابت ہو تو براہ کرم ارشاد فرمائیں۔ بحوالہ صحیح؟

جواب:۔ موجودہ یہ طرز والی بات الٹی ہے۔ اصولی طور پر ہم نے مشکوۃ سے ثابت کر دیا ہے کہ عزاداری حسینؑ سرکار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت قولی بھی ہے اور سنت فعلی بھی ہے۔ طرز کا سوال تو آپ نے ویسے ہی کیا جس طرح کسی مولوی صاحب نے کہا۔ بتائیں کہ پتلون پہن کر کبھی کسی صحابی رسول خداؐ نے نماز پڑھی تھی؟ جناب نماز پڑھنا ثابت ہے لباس و طرز معاشرت کی کوئی قید نہیں ہے عزاداری سنت نبویؐ بھی ہے اور سنت آئمہؑ بھی سنت قولی بھی ہے اور سنت فعلی بھی۔ لہذا عزاداری کرنے کے لیے طرز موجودہ ہو یا طرز قدیم اس کا کوئی فرق نہ پڑیگا کہ ہر ملک کے رسم و رواج الگ الگ ہوتے ہیں۔ جبکہ عزاداری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے آج تک جاری رہی ہے تو پھر اس سے انکا

محض ہٹ دھرمی ہے۔ اگر آپ کو توفیق ہو تو منتخب کنز العمال بر حاشیہ مُسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۱۲ مطبوعہ مصر ملاحظہ کرلیں۔ سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ نہیں تو مشکوٰۃ کی حدیث ۵۸۸۸ ہی پڑھ لیجئے کہ یہ کتاب عام مل جائے گی۔ اور آپکو پنجاب پبلک لائبریری جانے کی زحمت اُٹھانا نہ پڑے گی۔

اعتراض:۔ جب امام زین العابدین کے علاوہ سب کے سب عترت رسول مقبولؐ کے لال شہید ہو گئے اور حضرت زین العابدین بحالت مرض خیمہ کے اندر تھے اور مستورات کی نگاہوں پر برقعے تھے کسی کو حضرت حسینؑ کی طرف جھانکنے کی اجازت نہ تھی اور نہ باہر آنے کی تو فرمائیے۔ دسویں محرم کے حالات کس راوی نے ہم تک پہنچائے۔

جواب:۔ قطع نظر دیگر راویوں کے واقعات کربلا خود ملاعین لشکر یزید نے حصول انعام و منصب میں دربار ابن زیاد و یزید میں اپنی زبان سے بیان کیے اور اقبال جرم کیا۔ امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ دونوں سانحہ کربلا کے موقع پر موجود تھے۔ اور اماموںؑ کی شہادتوں کو جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ غیر مسلم راوی جیسے حمید بن مسلم وغیرہ بھی ہیں۔ راویوں کا بیان کتب مقاتل میں موجود ہے اور پھر مدعی خود گواہی پیش کردیں تو وہ لاکھ پر بھاری ہوا کرتی ہے۔ اس لیے امیر مختار رحمتہ اللہ علیہ نے تمام اشقیا سے ان کے مظالم بر سر دربار سُنے اور ان کی سزائیں دیں۔

اعتراض:۔ کیا یہ سچ نہیں کہ جس نے یہ باتیں جا کر یزید کے دربار میں سنائیں وہ قاتل اہل بیت تھے اور وہاں سے سُن کر جس نے اِدھر اُدھر خبریں مشہور کیں وہاں کے سننے والے تھے جو یزید کے درباری تھے حقیقت حالات سے خبر بخشیئے؟

جواب:۔ خدا تعالیٰ نے اس خون ناحق کو ظاہر کرنا تھا لہذا مجرمین نے خود ہی اقرار کیا اور شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ یزید کے درباریوں میں زید بن ارقم جیسے صحابی رسول بھی تھے اور کئی حافظ و مفتی تھے جو یزید کو خلفیہ مانتے تھے۔ لہذا جب لوگوں کو اس ظلم عظیم کی خبر ملی تو ان کی رائے میں تبدیلی واقع ہوئی اکثر لوگوں نے یزید کو ملامت کیا۔

اعتراض:۔ وقت مصیبت گریبان چاک کرنا پیٹنا سیاہ کپڑے کرنا۔ ہائے ہائے کرنا۔ رونا جائزہ ہے یا نہ؟

جواب:۔ محبت خدا کے غم میں یہ سب کچھ کرنا جائزہ ہے کہ خلوص نیت سے ہو۔

اعتراض:۔ اگر جائز ہے تو اپنی کتابوں میں سے کوئی صحیح حدیث پیش فرمایئے؟

جواب:۔ مشہور معروف احادیث لیجئے جس کے حوالہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

(۱) من بکی علی الحسین او ابکی او تبا کی وجبت له الجنة

(نہر المصائب مطبوعہ لکھنو)

یعنی جو شخص غم حسینؑ میں گریہ و بکا کرے یا کرائے غمگین صورت بنائے تو اس پر بہشت واجب ہے۔

(۲) من لمه یحزن علیٰ مصابنا فلیس منا (نور ایمان)

فرمایا جو شخص ہمارے مصائب پر غمگین و محزون نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اگر آپ اپنی کتابوں سے ثبوت مانگتے تو بھی دیئے جاتے۔

اعتراض:۔ نیز حسب ذیل روایت کا کیا جواب ہے۔

"فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر طمانچے نہ مارنا اپنے منہ نہ نوچو اپنے بال نہ کھسوٹو اپنے گریبان چاک نہ کرو۔ اپنے کپڑے کالے نہ کرو اور ہائے وائے کرکے نہ رویا کرو؟" (حاشیہ ترجمہ مقبول ص ۱۱۹)

جواب:۔ یہ سب کچھ عام میت کے لیے ہے عزاداری امام مظلومؑ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اعتراض:۔ اگر ناجائز ہے تو آپ لوگوں کو منع کیوں نہیں فرماتے؟

جواب:۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر آپ نے نقل کیسے کر لیتے آپ کا نقل کرنا اس بات کی دلیل ہے ہم لوگوں کو عام میت پر ایسا کرنے سے روکتے ہیں۔ دیکھیے۔ تحفۃ العوام۔

اعتراض:۔ من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۸۱ ج ۱ میں ہے لا تلبسو السواد فانہ لباس فرعون۔ اس کا ترجمہ اور مطلب بیان فرمائیے؟

جواب:۔ ترجمہ و مطلب اس کا یہ ہے کہ کالا لباس نہ پہنو کہ یہ فرعون کا لباس ہے۔ چنانچہ ہم کب کہتے ہیں غم معصومؑ کے سوا کالا لباس پہنا جائے۔ دوم یہ کہ منقولہ روایت مجہول ہے دیکھیے کتاب مراۃ العقول جلد ۳ ص ۱۵۹ لیکن اتنا ضرور پوچھتے ہیں کہ کالی کملی والے کے بارے میں کیا خیال شریف ہے؟ نیز کنز الدقائق میں مروی ہے کہ خلفاء سیاہ لباس پہنتے رہے۔

اعتراض:۔ من لایغر الفقیہ کے ص ۸۱ میں ہے اگر استنجا کے لیے پانی نہ ملے تو تھوک سے استنجا جائز ہے اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم من لایحفر الفقیہ کے ۸۱ پر یا اس کے قریب آگے پیچھے اس روایت کو تلاش نہیں کر سکے۔ تاہم ایسی روایت فروع کافی میں موجود ہے اس لیے حوالہ کی غلطی کو نظر انداز کرتے ہوئے جواباً عرض کرتے ہیں کہ آپ کے سارے گذشتہ اعتراضات میں سے یہ اعتراض خوب مزے کا کیا ہے۔ خدا کی شان ہے کہ وہ لوگ بھی تھوک سے طہارت کرنے پر اعتراض کرتے ہیں جن کے ہاں پاکی کا یہ عالم ہے کہ مادہ منویہ جس کے نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ ایسی غلیظ چیز بدن و کپڑوں پر لگ جانے کی صورت میں نماز تک کے لیے بدن و کپڑوں کو دھونا ضروری نہیں سمجھتے۔ بلکہ کھرچ لینا ہی کافی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ فتاویٰ قاضی خاں، بخاری شریف اور ہدائیہ وغیرہ۔

پھر یہاں تک کہ اگر نجاست لگی ہو نہ دھونے کی ضرورت نہ کھرچنے کی نجاست میں لتھڑے ہوئے بھی نماز جائز ہے۔ (**ان لم یغسل النجاسته و صلی جاز**) یعنی اگر نجاست کو نہ دھوئے اور نماز ادا کرے تو جائز ہے۔ دیکھئے فتاویٰ قاضی خاں جلد ا ص ۱۶ مطبع نولکشور۔ اور اگر زیادہ احتیاط کرنا چاہئے تو اس غلاظت و نجاست کو اپنی زبان سے چاٹ لے کہ نجاست کا اثر جاتا رہے (**و کذا اذا اصابت الجناسته بعض اعضاءئة و لحسها بلسانه حتی ذهب اترها**) یعنی اسی طرح جب کوئی نجاست اسی کے بعض اعضا پر لگ جائے اور وہ اسے زبان سے چاٹے یہاں تک کہ اس کا اثر زائل ہو جائے تو عضو پاک ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ قاضی ج ا ص ۱۱) آپ پر افسوس ہے کہ آپ کو تو شیعوں کو داد دینا چاہئے کہ وہ اس قدر طہارت کے پابند ہے کہ اگر کسی وقت پانی بالکل میسر نہ ہو وہ مختصر مقام کو قلیل پانی سے پاک تو کر لیتے ہیں اور تھوک سے پاک

کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ مگر آپ کی طرح نہ ہی کھرچتے ہیں اور نہ ہی چاٹتے ہیں۔

اگر تھوک سے طہارت کا مزید ثبوت درکار ہو تو اپنی صحیح بخاری شریف جلد اص ۴۵ مطبع مجتبائی دہلی میں ذرا ام المومنین بی بی حضرت عائشہ کا بیان مطالعہ فرمالیجیے۔ جناب عائشہ کہتی ہیں کہ ہم ازواج نبیؐ کے پاس ایک ایک کپڑا ہوتا تھا جس میں ہمیں حیض بھی آجاتا تھا۔ پس جب اس پر خون حیض لگ جاتا تو ہم اس کو تھوک سے پاک کر لیتی تھیں اور اگر کچھ باقی رہ جاتا تو اسے ناخنوں سے کھرچ لیتی تھیں اب خود سوچ لیجیے پیشاب زیادہ نجس ہے حیض ہماری رائے تو اس شعر سے ظاہر ہے اپنی رائے سے مطلع فرمائیں

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر　　　پردہ میں گُل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

اعتراض: نہج البلاغہ ص ۲ ج ۲ میں ہے کہ جب حضرت عمر نے جنگ کو جانے کے لیے حضرت علیؑ سے مشورہ پوچھا تھا تو آپ نے کیا فرمایا۔

ھو دین اللہ الذی اظھرہ ۔ یہ خدا کا دین ہے جسے اس نے غالب کر دیا۔ فرمایئے کیا فاروق اعظم کے زمانہ میں دین خداوندی غالب تھا یا مغلوب۔ اگر غالب تھا تو خلافت فاروقی کی حمایت ثابت ہوتی ہے ورنہ جواب دیجیے؟

جواب: ۔ خدا کا دین ہمیشہ غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوا۔ البتہ ظاہراً دیندار غالب و مغلوب ہوتے رہتے ہیں۔ غلبہ دین سے حکومت و اقتدار کا کوئی تعلق براہ راست نہیں ہے۔ دین کا تحفظ خود خداوند تعالیٰ کرتا ہے۔ اگر فتوحات اور وسعت سلطنت کا واسطہ دین سے ہوتا مان لیا جائے تو

ابتداء سے آج تک مسلمانوں کو غیر مسلموں پر مجموعی طور پر غلبہ حاصل نہ ہو سکا۔ اور اگر کسی جگہ غالب آئے بھی تو پھر کچھ عرصہ بعد مغلوب ہوئے اور اس وقت موجود میں بھی مسلمان غالب نہیں ہیں بلکہ ہر اعتبار سے مغلوب ہیں۔ تو کیا اس مغلوبی کو مدنظر رکھتے ہوئے اور غیر مسلموں کے غلبہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ غیر مسلموں کا دین غالب آ گیا ہے۔ غالباً کوئی بھی صاحب ادارک اس توضیح کو ماننے پر تیار نہ ہوگا۔

دین کا غلبہ علم وحکمت واخلاق ومواعظ حسنہ سے ہوتا ہے دین کے اصول غالب رہتے ہیں۔ لہذا جب کبھی بھی ہم غلبہ دین کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد ہماری یہی ہوتی ہے کہ اس کے ضابطے فطری وعقلی اعتبار سے ہر میدان میں غالب رہتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اس خوش فہمی میں "غلبہ دین" کو استعمال کرتا ہے کہ اس سے مراد فتح یابی وکامیابی جنگ وجدل ہے تو ہو غلطی پر ہے کیونکہ اسلام میں ایک دن بھی ایسا نہیں آسکا ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں پر کلی یا مجموعی طور پر غلبہ حاصل ہوا ہو۔ ہاالبتہ غلبہ زمانہ مہدی آخر زماں علیہ السلام میں حاصل ہوگا۔ معترض نے جو جملہ جناب امیرؑ کا نقل کیا ہے لفظی اعتبار سے صحیح نہیں ہے نہج البلاغہ کا ارشاد ۱۳۴ بعنوان "علی اور عمر" اصل کتاب میں ملاحظہ فرمالیں البتہ چونکہ مفہوم ملتا جلتا ہے اس لیے اصل عبارت نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا ہوں۔

اس جملہ سے معترض کی مراد حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ لفظ "**اظھرہ**" کے معنی "اسے ظاہر کیا" ہوتے ہیں گو کہ "غلبہ" کے معنی ضمنی ہو سکتے ہیں۔ لیکن دراصل حضرت امیرؑ نے اس جملہ میں بھی اپنی ولایت ہی کی شان بیان فرمائی ہے کہ ارشاد کیا ہے "یہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے ظاہر کیا ہے" یعنی باوجود تصرف حکومت کے صاحب تخت وتاج واقتدار مجبور ہے کہ وہ ہادی برحق سے مشورہ لے۔ اگر حضرت علیؑ کا مقصود حضرت عمر کی خلافت وحکومت کی حقانیت کی تائید ہوتا تو آپ حکومت یا حکمران

کی شان وتعریف بیان کرتے نہ کہ اظہار دین کی ضرورت محسوس کرتے۔

دراصل ارشاد مولیٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے حق کو ظاہر کیا ہے دین حقہ کو غالب کیا ہے کہ غاصب حاکم مجبور ہوکر جاہ وحشمت کے باوجود حجت خدا جو کہ گوشہ نشین ہے۔ کی چوکھٹ پر سرنیاز تسلیم خم کر رہا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا دین غالب ہے اور حکومت مذکورہ وارث دین کے سامنے مغلوب ہے (جو یہ کہتی نظر آتی ہے کہ علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہوگیا ہوتا......... وغیرہ وغیرہ)۔ اور لدھیاوی صاحب حضرت علیؑ کا یہ مشورہ بھول گئے کہ خود نہ جا بلکہ کسی تجربہ کار کو بھیج (یعنی تو نا تجربہ کار ہے!)

اعتراض:۔ ترجمہ مقبول کے حاشیہ ۴۶۴ میں ہے اصلی قرآن قائم آل محمدؐ (امام مہدیؑ) کے پاس ہے وہ تو لے کر آئیں گے۔ کیا یہ صحیح ہے اور موجودہ قرآن واقعی غیر اصلی ہے وضاحت سے اس مسئلے کا بیان فرمائیے؟

جواب:۔ اصلی قرآن سے مراد مولوی مقبول احمد صاحب اعلی اللہ مقامہ کی یہ ہے کہ وہ قرآن جو خود حضورؐ نے حضرت علیؑ کو تحریر کروایا تھا اور جسے خلفائے ثقیفہ نے قرآن تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ امام مہدیؑ کے پاس محفوظ ہے اور جس کی ترتیب وہی اصلی ہے جس ترتیب سے نزول ہوا۔ اس سے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ موجودہ قرآن معاذ اللہ غیر اصلی و غیر الہامی ہے۔ یہی ہمارا ایمان ہے۔

اعتراض:۔ ترجمہ مقبول ص ۴۰۴ کے حاشیہ میں ہے۔

فیسری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون نہیں ہے۔
والمامونون ہے۔ کیا واقعی قرآن مجید میں یہ لفظ غلطی سے لکھا گیا ہے

آخر بات کیا ہے؟

جواب: ۔ ترجمہ مقبول ۴۰۴ میں یہ بات بالکل موجود نہیں ہے اس صفحہ پر سورہ حج کی آیات ہیں جبکہ منقولہ آیت سورہ توبہ کی ہے جو ۲۴۳ پر ہے اور وہاں حاشیہ میں لفظ "مومنون" کی تاکید کی گئی ہے کسی جگہ "**والمامونون**" نہیں مل رہا ہے۔ دونوں صفحات کی عکسی انقال شائع کی جارہی ہیں۔ تاکہ لدھیاوی صاحب کی خیانت بر سر عام ظاہر ہو جائے اگر مطبع وایڈیشن کا فرق بھی ہوتا تو بھی ڈیڑھ سو صفحے سے زائد کا فرق محال ہے۔ لہٰذا لدھیاوی صاحب نے قصداً عوام کو دھوکہ دیا ہے جو کہ نہ صرف قابل مذمت ہے بلکہ قابل تعزیر بھی ہے لیکن ممکن ہے کہ طباعت میں کتابت کی غلطی رہی گئی ہو یہ تو حاشیہ کی بات ہے کتابت کی غلطیاں تو متن میں رہ جاتی ہیں اب حکومت کی طرف سے تصحیح کے تحت احکام جاری ہوئے ہیں۔

اعتراض: ۔ ترجمہ مقبول ۴۰ ہے **التائبون العابدون** غلط ہے اصل میں **التائبین العابدون** صحیح کیا یہ روایت صحیح ہے۔ آپ خدارا ہمیں صحیح قرآن سے واقف فرمائیے۔ کرم نوازی ہوگی؟

جواب: ۔ ترجمہ مقبول ۴۰ پر یہ روایت قطعاً تحریر نہیں ہے وہاں دوسرا پارہ تحریر ہے۔ البتہ یہ سورہ توبہ ہی کی ایک آیت کے الفاظ ہیں جو ۲۴۴ پر مرقوم ہیں۔ وہاں یہ روایت حاشیہ میں موجود ہے اس کا جواب اگلے اعتراض کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض: ۔ ترجمہ مقبول ۴۱۲ کے حاشیہ میں **لقد جاء کم** غلط ہے **لقد**

جاء نا صحیح ہے **رسول من انفسکم** غلط ہے **من انفسنا** صحیح ہے **ماعنتم** غلط ہے **ماغنتنا** صحیح ہے **حریص علیکم** غلط ہے **حریف علینا** صحیح ہے۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ واقعی یہ آیت اگر اس طرح ہے تو قرآن مجید سے نکال کیوں نہ دی گئی؟

جواب:۔ ترجمہ مقبول ۴۱۲ پر پارہ ۱۸ کی سورہ مومنون کی آیت ہیں جبکہ یہ آیت سورہ توبہ کی ہے جو پارہ ۱۱ کے ص ۲۴۷ پر ہے حاشیہ میں قرآت کا تذکرہ ہے اور یہ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کی قرآت سات حروف پر ہے صفحہ مذکورہ پر صرف "**انفسکم**" کا مفتوح الف ہونے کا بیان موجود ہے "**لقد جائنا**" "**ماغنتنا**" اور "**حریص علینا**" کے بارے میں کوئی بات تحریر نہیں ہے اس صفحہ کی فوٹو کاپی بھی شائع کی جارہی ہے تاکہ لدھیانوی صاحب کی بددیانتی معلوم ہوجائے اور شاید اپنے جھوٹ پر نادم ہوجائیں۔

اب غلط و صحیح کا دریافت کردہ جواب حاضر خدمت ہے چنانچہ اگر کبھی آپ کو تفسیر دُرِ منصور علامہ حافظ جلال الدین سیوطی دیکھنے کا موقعہ نصیب ہوا ہو تو جلد ۲ ص ۲۴۶ نکال لیجئے اسی طرح اپنی معتبر ترین تفسیر اتقان کی پہلی جلد کا ص ۱۷۴ بھی سامنے رکھ لیجئے اور دیکھئے خلیفہ ثالث، جامع القرآن۔ حضرت عثمان بن عفان کا یہ قول تین مرتبہ پڑھئے کہ "مصحف (قرآن) موجود میں کچھ غلطیاں بھی ہیں" اب آپ خود جواب دیجئے کہ حضرت غنی نے ان غلطیوں کو درست کیوں نہ فرمایا؟ جبکہ ان کے علم میں بھی تھا۔ اس سے زیادہ اس بارے میں ہم کچھ لکھنا نہیں چاہتے آپ کی کتابوں کی بات ہے آپ جانیں یا علامہ سیوطی اور حضرت عثمان البتہ اتنا ضرور کہیں گے کہ جب حضرت عثمان کی توجہ ان اغلاط کی جانب مبذول کرائی گئی تو آپ نے فرمایا ان کی درستی اہل عرب خود کرلیں گے۔

آپ لوگوں کا شروع ہی سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ ہماری چھوٹی سے روایت لے کر تمسخر و استہزا اور اکاذیب کا پل باندھ دیتے ہیں۔ اور ہمارے علماء کے جراح پر کان تک نہیں دھرتے۔ لہذا ہم مجبور ہیں کہ آپ کے فریب کو طشت از بام کریں اور آپ کی مجرمانہ خیانت کے پردے چاک کریں تا کہ تحریف کا جو الزام آپ ہم پر تھوپتے ہیں اس کی صفائی پیش کر سکیں اور مبحث تحریف کا چہرہ داغدار آپ کے مذہب میں بالکل عیاں ہو جائے۔ چنانچہ اب ہم اتقاق جلد ا ص ۱۸۳-۱۸۴ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ "ابو عبیدہ نے فضائل قرآن میں فرمایا ہم سے ابو معاویہ نے ہشام بن عروہ کی حدیث بیان کی عروہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عائشہ سے قرآن کی غلطیوں کے متعلق سوال کیا۔ یعنی قول خدائے تعالٰی میں "المقمین" کیوں ہے (بلکہ المقیمون ہونا چاہئے) اور دوسرے قول میں "ان ھذان" کیوں ہے (بلکہ ان ھذین ہونا چاہئے) اور قول باری تعالٰی میں "الصابئون" کیوں ہے (بلکہ الصائبین ہونا چاہئے) حضرت عائشہ نے فرمایا اے میرے بھانجے یہ عمل کاتبوں کا ہے جنہوں نے لکھنے میں غلطی کی ہے"۔ (علامہ سیوطی لکھتے ہیں یہ حدیث شیخان (بخاری و مسلم) کی شرط کے مطابق صحیح الاسناد ہے)

لدھیانوی صاحب! آپ کے مذہب میں قرآن میں غلطیاں تسلیم کرنے کے لیے صرف یہی ایک صحیح حدیث کافی ہے اور ہم خائن سے بیزار ہیں دین کا معاملہ ہے اس حرکت سے بہت ڈرتے ہیں۔ آپ کو جو حدیث نشان کرائی ہے انشاءاللہ اس کا جواب تا قیامت نہ دے سکیں گے اس حدیث نے آپ کے لیے دو صورتیں پیدا کر دی ہیں یا تو صدیقہ کو جھوٹا کہہ دیجئے یا پھر قرآن موجود میں بوجہ کتابت غلطیاں تسلیم کر لیجئے۔ جب آپ اتقاق کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ علامہ سیوطی نے اس حدیث کی صحت میں کیسی عمدہ بحث کر کے تمام اعتراضات کو مردود قرار دیتے ہوئے یوں اپنا ناطق فیصلہ تحریر کیا ہے۔

"سب کے بعد میں کہتا ہوں کہ ان کل جوابوں میں سے ایک بھی حدیث اُم المومنین کے جواب کا جواب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اس لیے اس حدیث کی سند کو ضعیف نہیں کر سکتے کہ سند اس کی صحیح ہے جب کہ تم دیکھتے ہو۔" "لیکن رمز وغیرہ سے بھی جواب نہیں ہو سکتا کیونکہ عروہ کا سوال حرف مذکورہ کے متعلق تھا۔ جن میں رمز وغیرہ کو ربط نہیں ہے" (اتقان جلد ا ص ۱۸۵) ہم نے عثمان کے قول اور حضرت عائشہ کی شہادت سے آپ کے مذہب کے مطابق ثابت کیا کہ قرآن میں کتابت کی غلطیاں ہیں اور غالباً یہ وجہ بھی ہے کہ ساتھ حروف میں قرآن کی قرأت درست ہے لیکن علامہ حافظ سیوطی اسی جگہ پر لکھتے ہیں کہ حضرت صدیقہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن لکھنے والوں نے حروف شیعہ میں سے بہتر حرف کو اُمت کے اتفاق کے لیے منتخب کرنے میں خطا کی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ آپ کے مذہب میں حضرت عثمان اور حضرت عائشہ کی گواہی کے ساتھ قرآن میں ایسی غلطیاں تسلیم شدہ ہیں اور ان کی درستگی ممنوع اور مجروح نہیں ہے۔ لدھیانوی صاحب! ہم حرف گیری سے اجتناب کرتے ہیں۔ لہذا آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ اپنے مذہب کے چہرہ "تحریف قرآن" کو نقاب کذب ہی میں چھپا رہنے دیجئے اور منہ نکال نکال کر مت جھانکئے ورنہ پھر ہم بھی مجبور ہو جائیں گے اور پھر آپ ناراض ہوں گے۔ چنانچہ ہمیں چھیڑنے کی بجائے براہ مہربانی صرف "اتقان" کا مطالعہ کریں۔ جو آپ کو مجبور کردیگا کہ مان جائیں شیشہ میں آیا ہوا بال نہیں نکلتا اگر ہمیں متحرک کریں گے۔ آپ کے اعتراض کا جواب آپ ہی کے گھر سے دیدیا گیا۔ ذمہ داری ختم ہوئی باتیں آپ کی ہیں قلم ہمارا ہے کتابیں آپ کی ہیں اور مطالعہ ہمارا ہے۔ ہم صرف یہ گذارش کرتے ہیں کہ اپنے مذہب سے رسول اللہ کی حدیث متواتر موجودہ قرآن مجید کے اصلی ہونے پر لائیے۔ تب آپ کا دعویٰ قرآن اصلی بے شک مان لیں گے (حالانکہ قرآن لاریب اصل ہی ہے) آپ آخر پھر کس بل پر دعویٰ حق کرتے ہیں جو مذہب اپنی الہامی کتاب کو شارع علیہ السلام کی زبان سے ثابت نہ کر سکے۔ وہ

اور کچھ اپنی حقانیت کا کیا جواز پیش کر سکتا ہے؟ یہ شرف بفضل تعالیٰ صرف غلامان علیؑ کو ہے کہ میدان میں یاعلیؑ کی مدد سے کامران ہوتے ہیں اب آپ مطلوبہ حدیث متواتر تلاش کیجئے۔ ورنہ غلط پر چار بند کر دیجئے ہم اگلے اعتراض کا جواب لکھتے ہیں۔

اعتــــراض:۔ ضمیمہ ترجمہ مقبول ص ۲۹۰ سطر ۱۷ میں ہے کہ کعبہ میں بت توڑنے کے لیے جب آنحضرتؐ نے علیؑ سے فرمایا۔ اے علیؑ میرے پشت پر سوار ہو جاؤ تاکہ ہبل کعبۃ اللہ کے اوپر سے گرادیا جائے علی نے عرض کی یارسول اللہ یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ حضور میری پشت پر سوار ہو جائیں۔

پس جیسے ہی آنحضرت ﷺ نے علیؑ مرتضیٰ کی پشت پر قدم رکھا تو وہ خود فرماتے ہیں کہ ثقل رسالت کے سبب میں آنحضرت کو نہ اٹھا سکا۔

فرمایئے اگر حضرت علی اسی نور سے پیدا ہوئے جس سے آنحضور علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہ ثقل کیسا اور نہ اُٹھا سکنا کیسا بات کھول کر بیان فرمایئے؟

جواب:۔ نور محمدیہ کی حقیقت کا راز صرف خدائے تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اگر کم فہم لوگوں کو بھی یہ معرفت حاصل ہو جائے تو کم فہم کیوں رہیں۔ اپنی عقل کے مطابق جواب اعتراض یہ ہے کہ مشاہدہ گواہ ہے۔ ہر شے کا وزن ہوتا ہے حتیٰ کہ امام زین العابدینؑ کی ایک دعا میں جملہ ہے کہ اللہ تو روشنی وظلمت کے وزن کو جانتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ نور اور اندھیرے کا بھی وزن ہے اور یہ بات بھی مشاہدۃً ثابت ہے کہ کسی ایک شے کی بنی ہوئی دو چیزوں میں ہلکی بھاری کا امتیاز روا ہے۔ مثلاً ایک ہی مٹی سے بنے ہوئے دو پیالوں میں ایک گراں اور دوسرا ہلکا ہوسکتا ہے اسی طرح ایک ہی نور سے بنے

ہوئے دو معصوم ہلکے بھاری بڑے چھوٹے ہو سکتے ہیں۔ چونکہ حضورؐ حضرت علیؑ سے بڑے ہیں۔ اس لیے حضرت علیؑ سے بھاری ہیں۔ لہذا وزن پر بوجہ خلقت نوری اعتراض کرنا عقلاً درست نہیں ہے۔ لیکن ہم نقلاً بھی نور کا وزن ثابت کرتے ہیں چنانچہ آپ کے ہاں کی مشہور روایت ہے کہ جب روز جزا اللہ میاں کرسی عرش پر بیٹھے گا تو وہ کرسی نور وزن خدا سے چرچرائے گی۔

حالانکہ ہم دیدار خدا کے قائل نہیں لہذا یہ حدیث ہم صحیح نہیں سمجھتے تاہم آپ پر حجت قائم کرنے کی لیے کافی ہے کہ خدا بھی نور ہے اور اس کا بھی وزن ہے آپ کی روایت کے مطابق کرسی بھی نور ہے تو چرچرانا کیسا؟ پس خدا کے بعد حضورؐ نور مخلوق ہیں اور علیؑ آپ ہی کے نور کا ٹکڑا ہیں۔ لہذا آپ کا نور حضرت علیؑ کے نور سے بھاری ہے۔ اسی طرح قرآن مجید بھی نور ہے اور اس کا بھی وزن ہے تبھی تو ارشاد خداوندی ہے کہ اگر اسے پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ چنانچہ ثقل رسول کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ قرآن مجید ایسا نوری ثقل آپؐ پر نازل ہوا اور ناطق قرآن جیسا نور بھی آپؐ کے کندھوں پر سوار ہوا اس واقعہ بت شکنی سے شان رسالت کی بلندی معلوم ہوتی ہے کہ علیؑ جیسی ہستی بھی سرکار کا نوری بوجھ نہ اُٹھا سکی۔ حالانکہ دونوں ایک نور سے پیدا ہوئے۔ ایک وزن میں زیادہ اور دوسرا اس سے کم اور یہ کمی بیشی خلقت نور واحد کو مانع نہیں ہو سکتی پس حضورؐ کا نور بھاری ہے اور اس کے بعد علیؑ جو نور محمدؐ سے ہیں سب سے بھاری ہیں۔

یہاں ایک وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ بڑا بلب چھوٹے بلب کی روشنی کو اپنے میں جذب کر لیا کرتا ہے جبکہ اندھیرا ہلکی اور ہر قسم کی روشنی کا بوجھ برداشت کر لیتا ہے۔ کیونکہ اندھیرے میں ذات نور نہیں ہوتا ہے لہذا نور علیحدہ ہوتا ہے تو ظلمت ہی ظلمت رہ جاتی ہے۔ اونٹنی۔ اونٹ اور خچر حضورؐ کا وزن اُٹھا لیتے تھے اس لیے کہ وہ نور کا وزن محسوس نہ کرتے تھے کیونکہ خود نور نہ تھے۔

اعتراض:۔ ضمیمہ ترجمہ مقبول ص ۳۸۴ سطر ۲۰ میں ہے کہ دابۃ الارض کا طول ساٹھ ہاتھ کا ہوگا نہ کوئی اس کو پکڑ سکے گا اور نہ کوئی اس سے بھاگ سکے گا۔

اس کے بعد ضمیمہ ص ۳۸۵ سطر ۱۸ میں امام جعفر صادق کی روایت سے نقل کیا گیا ہے علیؑ ابن علیؑ (ابی) طالب ہی وہ دابۃ الارض ہے جو آدمیوں سے کلام کرے گا واضح فرمایئے کہ کیوں دابۃ الارض سے مراد حضرت علی ہیں؟

جواب:۔ اس لیئے کہ خود حضرت علی علیہ السلام نے خطبۃ البیان میں ارشاد فرمایا کہ میں ہی دابۃ الارض ہوں اور حضرت علیؑ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ ثبوت کے لئے ملاحظہ کریں (مناقب مرتضوی مولوی محمد صالح کشفی چشتی سُنی)

اعتراض:۔ اگر بالفرض امام جعفر صادق کی اس روایت کو مان لیا جائے تو کیا حضرت علیؑ مرتضیٰ کا قد پہلے سے ساٹھ گز تھا یا اس وقت ساٹھ گز بن جائے گا۔ ایسی تشریح فرمایئے کہ مسئلہ سمجھ میں آ جائے؟

جواب:۔ چونکہ امام جعفرؑ صادق اور امیر المؤمنین صدیق اکبر علی ابن ابی طالب علیہما السلام دونوں سچوں نے یہ کہا ہے اسلیے ہم یقین کرتے ہیں۔ قد پہلے ساٹھ گز تھا یا نہ تھا۔ اس بحث کی ضرورت ہی نہیں کہ کرامات و معجزات محیر العقول ہی ہوا کرتے ہیں۔ جب حضورؐ نے شق القمر کا معجزہ دکھایا تو مولوی عبدالحق محدث دہلوی "مدارج النبوۃ" میں بیان کرتے ہیں کہ چاند کے دونوں ٹکڑے حضورؐ کی دونوں بغلوں میں سے گزر گئے۔ کیا چاند کے محیط کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ بتا سکتے ہیں کہ حضورؐ کی بغل مبارک کا احاطہ و رقبہ شریف کیا تھا؟ اگر ایمان خالص ہے اور یقین کامل ہے تو اس تشریح سے

مسئلہ سمجھ میں آجانا چاہیے اگر اعجازِ ذات ہی سے انکار ہے تو عقلاً بھی یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ نوری ہاتھ قوی و حاوی ہوتے ہیں جیسا کہ دورِ سائنس میں بجلی کی ایسی مشینیں ایجاد ہیں کہ کئی میل سے محض بٹن دبا کر کام لیے جا رہے ہیں۔

اعتراض:۔ غزوات حیدری ص ۵۴۲ مطبوعہ لکھنؤ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بوقت وفات پر وصیت فرمائی تھی کہ گھروں سے باہر نہ جانا۔ کاروبار جہاں سے کچھ کام نہ رکھیو اور نامحرم سے ہردم اپنے آپ کو چھپائیو: فرمائیے مطالبہ فدک کے لیے جب سیدہ گھر سے باہر تشریف لے گئیں تو کیا سرورِ کائنات کی نافرمانی لازم نہ آئی؟؟

جواب:۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس طرح نصائح اجمالاً ہوتے ہیں۔ گھر سے باہر جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ کسی کام کے سلسلے میں بھی گھر سے باہر نہ نکلا جائے بلکہ فضول و بے مقصد باہر آنا مراد لیا جاتا ہے اور کاروبار جہاں سے بھی وہی امور ہوں جو خلافِ شریعت ہوں اور چونکہ بی بیؑ پاک اپنے حق کو طلب کرنے کی خاطر تشریف لائیں۔ اس لیے حق کے خلاف نہ تھا۔ پس نافرمانی لازم نہیں آسکتی۔ البتہ جو بی بی حکم قرآن کے خلاف میدان جنگ میں اتر آئی ہو۔ اس پر یہ الزام نافرمانی عائد کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ جنگ بھی اس کے خلاف ہو جسکے متعلق رسولؐ نے فرمایا ہو۔ کہ حق اس کے ساتھ ہے اور یہ حق کے ساتھ۔

اعتراض:۔ ترجمہ مقبول کے حاشیہ ص ۸۵۳ سطر ۱۹ میں ہے جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ سورہ احزاب سورہ بقر سے بھی زیادہ طویل تھی۔ مگر چونکہ اس

میں عرب کے مردوں اور عورتوں کی عموماً اور قریش کی خصوصاً بداعمالیاں ظاہر کی گئی تھیں اس لیے کم کردیا گیا اور اس میں تحریف کردی گئی۔

جواب:۔ لدھیانوی صاحب! آپ ہی کے بھائی مولوی عبدالشکور لکھنوی اپنے رسالہ النجم میں اس بات کا جواب یوں تحریر کرتے ہیں۔ اگر مل سکے تو اس کا ص ۹۸ دیکھ لیجئے "سورہ احزاب کی دوسو آئتیں تھیں مگر حضرت عثمان اس سے (موجودہ ۷۳ آئتوں سے) زاید لکھنے پر قادر نہ ہوئے اس کی وجہ دوسری روایتوں میں بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ خدیفہ سے درمنثور (علامہ جلال الدین سیوطی) میں منقول ہے وہ کہتے ہیں وہ آئتیں ہم بھول گئے۔ پھر کہیں نہ ملیں خدا نے ایسے نسیان عام کو منسوخ کی علامت قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے اہل سنت نے اس روایت منسوخ کو مثال میں پیش کیا ہے۔ اس کو تحریف نہیں سمجھا۔

اب میرے جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں رہی مدعی لاکھ

پر بھاری ہے گواہی تیری

اعتراض:۔ فلک النجاۃ ص ۴۲۰ ج ۱ سطر ۱۳ میں ہے لہذا اہم کتاب امامیہ سے ہبہ فدک کا نشان دیتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے۔ تفسیر البرہان ج ۲ ص ۴۱۴ و جلد ص ۶۰۲ و تفسیر صافی ۲۶۱ تفسیر مجمع البیان جص ۵۷ اصول کافی ص ۳۸۴ امالی شیخ طوسی ص ۶۷ و ص ۱۰ و صحیفہ رضویہ صفحہ ۳۵۴ تفسیر علی بن ابراھیم قمی ص ۳۸۵، ص ۵۰۰ احتجاج طبرسی ص ۵۲ علی الشرائع ص ۴۷، ۵۰ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر فدک حضور علیہ السلام نے ہبہ کردیا تھا تو سارے کا سارا یا بعض؟

جواب:۔ اہل فدک نے باغات اور نصف اراضی حضورؐ کو نذر کی جس پر کسی دوسرے کا حق

نہ تھا۔ لہذا جب آیت وات ذالقربیٰ حقه نازل ہوئی حضورؐ نے یہ پوری جائیداد اپنی دختر جناب سیدہؑ کو ہبہ کردی اور اس کا باقاعدہ وثیقہ لکھا گیا۔ ملاحظہ کیجئے اپنی کتب تاریخ حبیب السیر جلد ا جزو سوم ص ۸۵، معارج النبوۃ ملا معین کاشفی رکن چہارم باب دہم در بیان وقائع سال ہفتم از ہجرت واقعہ سیزدہم تاریخ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۷۷ مطبوعہ نولکشور وغیرہ۔

اعتراض:۔ اگر سارا فدک سیدہ پر ہبہ کردیا تھا تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ سرور کائنات نے ایسی چیز کا ہبہ کردیا تھا جس میں یتیموں اور مسکینوں کا حق تھا حالانکہ اہل بیت یتیموں کا حق کھانے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ یتیم پروری کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔

جواب:۔ چونکہ اس پر صرف رسولؐ خدا ہی کا حق تھا اور وہ اپنی مرضی سے غرباء و مساکین کو بخششیں فرماتے تھے لہذا کسی کی حق تلفی نہیں کی گئی۔ چنانچہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی، باب المیراث میں حضرت عمر کا قول موجود ہے کہ فدک رسول اللہ علیہ وسلم کی ملکیت بلا شرکت غیر تھی **(فکانت خالصته الرسول الله ﷺ)**

اعتراض:۔ اگر سارا فدک یا اس کا کچھ حصہ ہبہ کردیا تھا تو اس کا حدود اربعہ بیان کرو۔ کہ کہاں سے کہاں تک نیز وراثت کا سوال غلط ہے؟

جواب:۔ فدک خیبر کے مضافات میں ایک زرخیز و شاداب بستی تھی۔ باغات اور لہلہاتے کھیتوں نے اسے جاذب نظر بنادیا تھا۔ مدینہ سے دو یا تین دن کی راہ پر تھی۔ پوری بستی کے باغات اور نصف اراضی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھی جو حضورؐ پاک نے بی بیؑ پاک کا ہبہ فرمایا اور خمس خیبر و اقطاع جو ائی مدینہ میں ان کا حصہ بطور وارث کے ہے لہذا وراثت کا سوال پیدا ہوا۔

اعتـــراض:۔ ترجمہ مقبول ص ۲۲۹ حاشیہ میں ہے **لاتتـــخـــذو والیھـــودوالنـــصٰـــرے اولیاء** اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی امداد پر بھروسہ نہ کرو اور ان کے ساتھ یارانہ نشست دبرخاست رکھو۔ کیونکہ جو اُن سے دوستانہ مدد مانگے۔ وہ انہی جیسا کافر سمجھا جائے گا اور ظاہر ہے اہل تشیع کے نزدیک خلفائے ثلاثہ کافر تھے۔ فرمایئے حضرت علیؑ نے ان کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھیں۔ انھیں مشورے کیوں دیئے۔ ان سے لونڈی لے کر اپنے صاحبزادے کی شادی کیوں کی یہ جائز ہے آپ کے ہاں اس کا کیا جواب ہے؟

جواب:۔ یہ افتراء ہے کہ شیعہ خلفائے ثلاثہ کو کافر سمجھتے ہیں۔ محض نفرت وتعصب کی وجہ سے ہم پر یہ الزام من گھڑت عائد کیا جاتا ہے جہاں تک نماز پڑھنے کا سوال ہے تو ہمارے ہاں بغیر نیت اقتدا و طریقے سے ہر مسلمان کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اور کسی کو نیک مشورہ دینا اخلاقی خوبی ہے۔ نیز ہمارے نزدیک غاصب حکومت کے مال پر ہر امام عادل و برحق کا پورا حق ہے لہذا لونڈی قبول کر کے شادی کر دینا کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بی بی حاجرہؑ کو ایک کافر بادشاہ سے قبول کر لیا تھا۔

حضرات ابوبکر و عمر و عثمان مسلمان تو تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو جو کہ کافر تھا مشورے دیئے۔ لہذا معلوم ہوا کہ حجت خدا ایسے شخص کو بھی فلاح انسان کے لئے مشورے دے سکتا ہے جو راہ حق پر نہ ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کو اس زمانے کے فرعون نے جناب حاجرہ دیں۔ اور امام خلیل جناب ابراہیمؑ نے کافر بادشاہ سے حضرت حاجرہؑ کو قبول کر لیا۔ اُنہی کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے پس جس طرح حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہ السلام کی شان کے لیے یہ چیز منافی نہیں۔ اسی طرح امام حسینؑ اور حضرت امام زین العابدین یا جناب امیرالمومنینؑ کی شان بے عیب کے

منافی نہیں جبکہ فرعون مصر کافر تھا اور حضرت عمر مسلمان تھے لیکن روایات کی روشنی میں نہ تو فرعون کو حقانیت کی سند مل سکتی ہے اور نہ ہی حضرت عمر کو بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بی بی شہر بانو حضرت عمر کے عہد میں آء ہی نہ تھی جیسا کہ سنی کتاب تاریخ حبیب السیئر میں باوضاحت مرقوم ہے۔ کہ آپ حضرت علیؑ کے عہد حکومت میں تشریف لائی تھیں۔ لہذا اعتراض بالکل غلط بے دلیل اور من گھڑت ہے۔

اعتراض:۔ نہج البلاغہ ص ۱۰۱ مطبوعہ الاستقامہ مصری سطر ۶ میں ہے۔ الا وانہ ستیامزرایسی والبراءۃ منی اما السب فسبونی

ترجمہ:۔ خبردار بے شک قریب ہے تمہیں حکم کرے گا حاکم مرے سب وشتم کرلیا۔

کیا شیعہ مذہب میں حضرت علیؑ کو کسی کے امر سے سب وشتم کرنا جائز ہے واضح رہے اس عبارت میں حاکم کا لفظ ہے مجبوری کا لفظ نہیں ہے؟

جواب:۔ مزہب شیعہ وسنی دونوں میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس نے علیؑ کو سب کیا اس نے مجھے (رسول کو) سب کیا۔ (مسند احمد، مستدرک حاکم، نسائی دیلمی) یہ حکم جواز تقیہ کا واضح ثبوت ہے اسی طرح کا واقع حضرت عمارؓ بن یاسر کو پیش آیا تھا۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر دُر منثور میں بروایت ابن سعد وابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وحاکم بیہقی محمد ابن عمار سے مروی ہے کہ بعض مشرکین نے عمارؓ بن یاسر کو پکڑا اور جناب رسالتمآب کی برائی اور اپنے بتوں کی تعریف کے الفاظ جبراً کہلوا کر چھوڑا۔ عمارؓ نے رسولؐ مقبول کی خدمت میں حاضر ہوکر سارا حال پُر ملال بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ بتاؤ تم اپنے دل کو کس حال پر پاتے ہو عمارؓ نے عرض کیا میں اپنے دل کو ایمان کے ساتھ کامل طور پر مطمئن پاتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے اطمینان قلب کی یہ حالت ہے تو اگر وہ لوگ پھر تم سے اسی طرح کے کلمات کہلوائیں تو کہدو۔

نوٹ:۔ حضرت عمارؓ کا یہ واقعہ قرآن کے پارہ ۱۴ سورۃ النحل کی آیت ۱۰۶ کی تفسیر میں اکثر کتابوں میں سنی علماء ہی نے نقل کیا ہے۔ اس پر ہم معترض سے وہی سوال دہراتے ہیں جو اس نے ہم سے پوچھا ہے کہ کیا سنی مذہب میں کسی کے امر سے رسولِ خدا کو برا کہنا جائز ہے؟ اگر نا جائز ہے تو رسولِ خدا نے ایسا کرنے کی کیوں اجازت دی اور اگر جائز ہے تو شیعوں پر اعتراض کیوں؟ پس جس طرح حضرت رسالت آپؐ نے اجازت دی اسی طرح وصی رسولؐ حضرت علیؑ نے اجازت دی لہذا اعتراض باطل ہے۔

اعتراض:۔ اپنے مذہب کو حضور علیہ السلام کی زبان سے ثابت کیا جائے؟

جواب:۔ ملاحظہ فرمایئے **"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا على انت و شيعتك هم الفائزون "** فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے علی تو اور تیرے شیعہ جنتی ہیں۔ دیکھئے کتب اہل سنت والجماعت (i) صواعق ابن حجر مکی ص ۹۶ (ii) تفسیر دُرِ منثور علامہ حافظ جلال الدین سیوطی جلد ۶ ص ۳۷۹ (iii) تفسیر فتح البیان مولف علامہ اہلحدیث نواب صدیق حسن خان بھوپالی قنوجی جلد ۱۰ ص ۲۲۳ وغیرہ۔ الحمد اللہ کہ اعتراضات کے جوابات مکمل ہو گئے اب فیصلے کا انحصار قارئین کے انصاف پر ہے عرض عجیب یہ ہے کہ ہم نے لدھیانوی صاحب کے تمام اعتراضات کا انتہائی مختصر مگر مکمل جواب دیکر اُن کے اس دعوے کو گیدڑ بھبکی بنا دیا ہے کہ " معاند کو بجز خاموشی یا فرار کے اور کوئی چارہ نہ رہے گا " اب ہم حسب وعدہ سو اعتراضات کے مقابلے میں صرف ایک سوال آپ سے کریں گے اور یقین واثق ہے کہ انشاء اللہ وہ تاحیات اس کا جواب نہ دے سکیں گے۔ گویا

میرا دعویٰ ہے کہ جس طرح
رسول خدا نے شیعوں کے کامیاب و
کامران ہونے کی ضمانت دی ہے اگر
صاحب زبان رسول سے ایک بھی
صحیح حدیث اپنی ہی کتابوں سے
اپنے متعلق دکھا دیں۔

آج تک ہونے والے اعتراضات کے جوابات

﴿آپ کے اعتراضات کا آپ ہی کی کتب سے، شیعہ جواب دیتے ہیں﴾

ایک مسلمان نے رسول ﷺ کے سامنے جب ماتم کیا

کتاب "موطا" امام مالک (اردو ترجمہ از علامہ وحید الزماں شائع کردہ ولی محمد اینڈ سنز بلز اسٹریٹ آؤٹ رام روڈ پاکستان چوک کراچی) کتاب الصیام، باب "جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ، حدیث نمبر ۶۰۳ کی عبارت بعینہ حسب ذیل ہے "سعیدہ بن مسیّب نے کہا ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس ماتم کرتا ہوا اور بال اُکھاڑتا ہوا آیا۔ کہہ رہا تھا نیکیوں سے دور رہنے والا ہلاک ہو گیا۔ آپؐ نے اُس سے پوچھا کیا ہوا کہنے لگا میں نے اپنی بیوی سے رمضان میں روزے میں جامع کیا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کیا ایک غلام آزاد کر سکتے ہو کہنے لگا نہیں۔ فرمایا ایک اُونٹ یا ایک گائے قربانی کے لئے حرم بھیج سکتے ہو (یہ جملہ عطاء والی روایت میں ہے جسے محدثین نے غلط کہا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو) کہنے لگا نہیں فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں آپ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا۔ فرمایا اسے لے لو اور صدقہ کرو۔ کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول مجھ سے زیادہ کوئی حاجت مند نہیں۔ فرمایا تم ہی کھا لو اور روزے کی قضا کر لو"۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

وہ دیہاتی مسلمان تھا اور اُس نے حضور کی صحبت بھی پائی۔ لہذا صحابی ہوا۔ ظاہر ہے کہ دیہاتی صحابی نے حضورؐ

کے سامنے سینہ پیٹا اور بال بھی اُکھاڑے۔ لیکن حضورؐ نے اُسے سینہ پیٹنے سے منع نہیں فرمایا۔ اور محدثین اہل سنتہ والجماعتہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قولی اور فعلی حدیث کے علاوہ حدیث کی ایک قسم تقریر رسولؐ" کہلاتی ہے یعنی حضورؐ کے سامنے کوئی فعل کیا جائے یا کوئی بات کہی جائے اور حضورؐ کے سامنے کوئی فعل کیا جائے یا کوئی بات کہی جائے اور حضورؐ منع نہ فرمائیں تو اُس قول یا فعل کو جائز تسلیم کیا جائے گا اُسے "حدیث تقریری" یا "تقریر رسولؐ" کہتے ہیں۔ لہذا ماتم کرنا یعنی پیٹنا حدیث تقریری سے جائز ثابت ہوا۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

امام اہل سنتہ والجماعتہ مالک کی کتاب موطاء کے مندرجہ بالا حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صحابی محض ایک روزہ کے ٹوٹنے کی وجہ سے غمزدہ تھا اور اُسی غم کی وجہ سے سینہ پیٹ رہا تھا۔ لہذا غمِ حسینؑ میں پیٹنا کیوں ناجائز ہونے لگا؟ جبکہ ایک روزہ کے ٹوٹنے کی نسبت واقعہ کربلا زیادہ دردناک ہے بنی زاریوں کی بے روائی زیادہ غمناک واقعہ ہے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

موطاء امام مالک سے ثابت ہوا کہ رسولؐ خدا نے سینہ پیٹنے پر اعتراض نہیں فرمایا۔ بلکہ سینہ پیٹنے والے سے ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ لہذا ماتم پر اعتراض کرنا سُنت رسولؐ کے خلاف ہے اور ماتم کرنے والوں سے ہمدردی اور حُسنِ سلوک سے پیش آنا محمد مصطفٰیؐ کی سُنت ہے۔

حضرت بلالؓ نے بھی ماتم کیا

حضرت رسولؐ خدا کے مرضِ وفات کا احوال تحریر فرماتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث حنفی دہلوی

کتاب مدارج النبوۃ مطبوعہ نولکشور کانپور جلد ۲ ص ۵۴۴ سطر ۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "پس بیرون آمد بلالؓ دست برسر زنالہ فریاد کنا" یعنی پس حضرت بلال سر پیٹتے اور فریاد کرتے ہوئے باہر تشریف لائے (یعنی اصحاب پیغمبر مسجد میں نماز کے لئے حضورؐ کا انتظار فرما رہے تھے اور حضرت بلال حضورؐ کے پاس نماز ہی کے لئے گئے تھے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ تشریف نہیں لائیں گے تو محبت رسولؐ میں حضورؐ کی تکلیف کے احساس و غم میں حضرت بلال صحابی سر پیٹتے ہوئے حجرۂ حضرت عائشہ سے باہر آئے)۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

یہ واقعہ اُس وقت ہوا جب کہ رسولؐ ظاہراً ابھی زندہ تھے لہذا حضرت بلالؓ نے زندہ رسولؐ کے لئے ماتم کیا اور فریاد بھی کی۔ مزید قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب حضرتِ بلالؓ ماتم کرتے ہوئے مسجد میں آئے تو کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ (معاذاللہ) ماتم کرنا تو ناجائز ہے اے بلال تم ماتم کیوں کرتے ہو؟

حضرت زہراؑ نے بھی ماتم کیا

جنگ اُحد کے احوال میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ مطبوعہ نولکشور کانپور جلد ۲ ص ۱۶۳ سطر ۱۴۔۱۵ میں شہادت پیغمبرؐ کی افواہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ایں آواز شنید دست برسر زناں از خانہ بیرون دوید"۔ ترجمہ:۔ اور فاطمہ زہراؑ نے یہ آواز سُنی (کہ حضورؐ شہید ہو گئے) سر پیٹتی ہوئی گھر سے باہر (خدا کی جانب) دوڑیں"۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

اگر شہید کا ماتم حرام ہوتا تو رسولؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؑ خاتونِ جنت شہادت پیغمبرؐ کی آواز

سن کر ہرگز ماتم نہ کرتیں کیونکہ سیدہ طاہرہؑ شریعت کی عالمہ تھیں اور جگر گوشہ رسول اعظم اور آنحضرت ﷺ کا ٹکڑا تھیں۔

مقام شیخ عبدالحق محدث عالم بزرگ اہلسنت ہیں

"مدارج النبوۃ" کے حوالے نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مدارج النبوۃ کے مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی اہل سنۃ والجماعۃ کے ایسے جلیل القدر عالم ومحدث تھے۔ جن کو علماء احمد رضا خان بریلوی نے اپنی تصنیف "برکات الامداد لاہل الاستمداد" کے ص ۱۹ پر "شیخ الشیوخ علماء الہندا" اور اپنی کتاب حیات الموات کے ص ۸۵ پر "شیخ محقق، برکت رسول اللہ علیہ ﷺ فی الہند" تسلیم کیا ہے اور حیات الموات مصنفہ احمد رضا خان بریلوی کے ص ۸۵ پر مدارج النبوۃ کو شیخ عبدالحق محدث کی تصنیف بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

نوٹ:۔ علامہ احمد رضا خان بریلوی کی کتاب "حیات الموات" نوری کتب خانہ بازار اور داتا صاحب لاہور سے مل سکتی ہیں۔

حضرت عائشہ نے بھی ماتم کیا

مسند امام احمد حنبل مطبوعہ مصر جلد ۶ ص ۲۷۴ میں حضرت عائشہ کے متعلق یوں مرقوم ہے:۔

قال ان رسول اللہ صلی علیہ وسلم قبض و ہوفی حجری ثم وضعت راسہ، علی وسادۃ و قمت التدم مع النساء و اضوب وجھی "۔ یعنی (حضرت عائشہ) نے بیان کیا کہ رسولِ خداؐ کی وفات ہوئی اور آپکا سر میری گود

میں تھا۔ پھر میں نے آنحضرتؐ کا سرِ مبارک تکیہ پر رکھ دیا اور میں عورتوں کے ہمراہ ماتم کرتی ہوئی کھڑی ہو گئی اور میں نے اپنا منہ پیٹا۔

نوٹ:۔ یہ حوالہ اہل سنۃ والجماعۃ کے امام احمد حنبلؒ کی مُسند ہے۔ امام احمد حنبل اُن چار اماموں میں سے ایک تھے جن پر حنفی، مالکی، شافعی، حنبل، اہل سنۃ والجماعۃ کی فقہ کا دارومدار ہے۔ اور امام احنبل ہی کی فقہ پر شیخ عبدالقادر بغدادی عمل کرتے تھے مُسند احمد حنبل کے علاوہ حضرت عائشہ کا ماتم کرنا تاریخِ کامل ابن الاثیر مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۱۲۴ سطر ۳۴ تا ص ۱۲۳ سطر ۴، اور تاریخ الامم و الملوک ابن جریر طبری مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۱۹۷ سطر ۱۰ تا سطر ۱۳۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

حضرت رسُول خدا کے اُمتی شہید زندہ ہیں تو اُن شہیدوں کے آقا مولا حضرت محمد مصطفیؐ بھی زندہ ہیں۔ لہٰذا حضرت عائشہ نے زندہ جاوید رسُولؐ کا ماتم کیا۔

تکمیل شریعت کے بعد ماتم

شریعت اسلام عہد رسالتؐ میں مکمل ہو چکی تھی۔ لہٰذا حضرت عائشہ نے تکمل شریعت کے بعد ماتم کیا جب کہ رسُولؐ کی وفات ہو چکی تھی۔ ثابت ہوا کہ حضورؐ نے ماتم کو حرام قرار نہیں دیا تھا۔ بصورت دیگر حضرت عائشہ پر الزام آئے گا۔ اور یہ الزام درست نہ ہوگا۔ ثابت ہوا کہ زندہ جاوید کا ماتم جائز ہے۔ شریعت نے حرام نہیں کیا۔

قرآن مجید میں ثبوت ماتم

اسحٰقؑ (نبی) کی والدہ اور حضرت ابراہیم خلیل خدا کی زوجہ حضرت سارہؑ نے ابراہیم علیہ السلام

کے گھر میں ماتم کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید پارہ ۲۶ رکوع ۱۹ سورۃ الذاریات میں حضرت سارہؑ کے متعلق اللہ فرماتا ہے "**فصکت وجھھا**"۔ یعنی اُس (معظمہ) نے اپنا مُنہ پیٹا قرآن مجید کی جس آیہ مقدس ومبارکہ میں یہ الفاظ موجود ہیں اُس کا ترجمہ حنفیوں کے شیخ الہند محمد الحسن دیوبندی نے یوں تحریر کیا ہے:۔ "پھر سامنے آئی اُس کی عورت بولتی ہوئی پھر پیٹا اپنا چہرہ اور کہنے لگی ھائے میں بڑھیا بانجھ"۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث اہل سنۃ والجماعۃ میں بھی لفظ "پیٹا" موجود ہے۔

نوٹ:۔ علامہ محمد الحسن دیوبندی اور عبدالقادر محدث دہلوی نے **فصکت** کا ترجمہ "پیٹا" تو صحیح تحریر کر دیا۔ لیکن "**وجھھا**" کا ترجمہ "اپنا ماتھا" تحریر کر گئے۔ حالانکہ "**وجہ**" کا معنی مُنہ یا چہرہ لکھنا چاہیئے تھا کیونکہ "**وُجُوہ**" جمع ہے اور "**وجہ**" اُس کا واحد ہے۔ اگر وجہ معنی ماتھا صحیح قرار دیا جائے "**وجُوہ**" کا ترجمہ "ماتھے" ہوگا۔ پھر قرآن مجید پارہ ۲ سورہ المائدہ کی آیت وضو میں "**فاغسلوا وجوھکم**" کا ترجمہ یوں کرنا پڑے گا "پس دھولو اپنے ماتھے"۔ لیکن محض "ماتھے" دھونے سے وضو ہوگا۔ بلکہ صحیح ترجمہ یوں ہے پس دھولو مُنہ اپنے" اسی طرح "**فصکت وجھھا**" کا صحیح ترجمہ یہ ہے "پس اُس نے (عورت) نے پیٹا مُنہ اپنا"۔ **صکت** کا مصدر **صک** ہے اور **صک** کا معنی غیاث اللغات میں "کوفتن، زدن" اور فیروز اللغات (عربی) مطبوعہ دین محمد پریس لاہور میں "کوٹنا" لکھا ہے۔ لغات القرآن غلام احمد پرویز جلد ۳ ص ۱۰۳۰ میں صک کا معنی یوں لکھتا ہے "کسی چیز یا بالخصوص چوڑی چیز کے ذریعے زور سے مارنا"۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت سارہؑ کے بیٹے کا ذکر فرما کر کہیں بھی یہ نہیں فرمایا

کہ انہوں نے یہ فعل (معاذ اللہ) ناجائز کیا۔ نہ ہی یہ فرمایا کہ ماتم آئندہ کے لئے حرام ہے۔ بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے گھر میں زوجہ خلیل کا ماتم ثابت کر کے ملت ابراہیمؑ کے لئے نمونہ عمل مہیا فرما دیا۔ اور قرآن مجید پارہ ا سورۃ البقرہ رکوع ۱۵ میں یہ بھی فرما دیا۔ "۱۳۰ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرٰهِمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ" ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی:۔ "اور کون نہ رکھے دین ابراہیمؑ کا؟ مگر جو بیوقوف ہو اپنے جی سے"۔

حضرت اُویس قرنیؓ نے نو شدید ترین ماتم کیا

یہ رسولؐ خدا کے عاشق صادق تھے اسم گرامی اُویس بن عامر تھا۔ انہوں نے جب غزوۂ اُحد میں دندانِ رسولؐ شکستہ ہونے کی خبر سُنی تو اپنے تمام دانت توڑ لئے دیکھئے تذکرۃ الاولیاء شیخ فرید الدین عطار اور "انسان العیون" المعروف سیر (مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۹۵)

شہادت اویسؓ قرنی

حضرت علی مرتضیٰ کی حامیت میں لڑ کر، جنگ صفین میں حضرت اُویسؓ نے شہادت پائی۔ دیکھئے "تاریخ الخمیس" مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۳۰۹ سطر ۱۹۔۲۰ اور "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" مصنفہ علامہ ذہبی الدمشقی مطبوعہ مصر ص ۱۳۰ حرف، الالف، ترجمہ اُویس بن عامر سطر ۲۳۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

محض اپنے سینے پر ہاتھ مارنا یا اپنے جسم کو زخمی کرنا اُتنا شدید ماتم نہیں جتنا اویس قرنیؓ نے کیا۔ کہ اپنے ایک عضو جسم کو ختم ہی کر لیا۔

توجہ فرمائیں

عام طور سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ "رسولؐ نے یا امام حُسینؑ نے کب فرمایا تھا کہ تم ماتم نہ کرنا" اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رسُولِ خدا نے کب فرمایا تھا کہ اُویس تم اپنے دانت تُوڑ لینا؟ رسُولؐ نے بی بی عائشہ سے کب فرمایا تھا کہ میری وفات پر مُنہ ضرور پیٹنا؟ حضرت بلالؓ سے کب فرمایا تھا کہ تم سر پیٹ لینا اور فریاد کرنا؟ حضرت فاطمہ زہراؑ سے کب فرمایا تھا کہ میری شہادت کی خبر سُن کر پیٹنا؟ آخر یہی کہا جائے گا کہ محبت وغم میں یہ سب کچھ ہوا۔ کیونکہ رسُولؐ نے حرام نہیں کیا تھا۔ **اگر حکم دے کر ماتم کروایا جاتا تو محبت کا پتہ نہ لگتا** ۔ اور یہ معلوم ہوتا کہ دردِ حُسینؑ کس کے دل میں ہے اور کس کے دل میں نہیں۔ چونکہ دلوں کا امتحان مقصود تھا اس لئے حکم دے کر فرض نہیں کیا۔ تاکہ مُحب وغیر مُحب ظاہر ہو جائیں۔

ماتم فعل اہلبیتؑ ہے

جیسا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کا ماتم ثابت کیا گیا اور سُنی شیعہ دونوں فرقے تسلیم کرتے ہیں کہ جنابِ سیدہ طاہرہ اہلبیتؑ سے ہیں۔ اور فرمانِ رسولؐ (حدیث ثقلین) یہ ہے کہ:۔ "میں تم لوگوں میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اللہ کی کتاب (۱) اور میرے عترت (۲) اہلبیتؑ اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے (یعنی دونوں کی پیروی کرو گے) تو تم لوگ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے"۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث سُنی شیعہ ہر دو فریق کے نزدیک صحیح ہے (دیکھئے تحفہ اثناء عشریہ (اُردو ترجمہ) مطبوعہ سعیدی کراچی ص ۲۰۱) لہذا اہلبیتؑ کی پیروی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ پھر حضرت فاطمہؑ کی پیروی کرتے ہوئے ماتم کرنا ہدایت ہی قرار پایا۔

علاوہ ازیں آئیہ انما یُرید الله لیذھب عنکم الرجس اھل البیتؑ ویطھر کم تطھیراً" کی رو سے حضرت فاطمہ زہراؑ کو ہر لحاظ سے طہارت کاملہ حاصل ہے۔ اس لئے یہ گمان ہی نہیں ہوسکتا کہ سیدۂ طاہرہ سے (معاذ اللہ) شریعت کے خلاف فعل صادر ہو لہذا اصل حضرتِ فاطمہؑ زہرا ہونے کی وجہ سے ماتم جائز ہوا۔ جو غیر شیعہ حضرات ازواجِ رسُول کو بھی اہلبیت میں شمار کرتے ہیں ان کے لئے فعلِ عائشہ ہونے کی وجہ سے بھی ماتم جائز ہوگا۔ دوسری جانب قرآن کسے حضرت سارہؑ کا پیٹنا ثابت ہو چکا۔ لہذا ماتم قرآن اہلبیتؑ دونوں کی پیروی ہے۔

شبیہ کا جواز

تماثیل سُلیمانؑ کی شبیہ

قرآن مجید پارہ ۲۲ سورۃ السباء رکوع ۷ میں اللہ نے حضرت سلیمانؑ کا ذکر یوں فرمایا ہے:۔

۱۳ یَعْمَلُوْنَ لَهُ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَا رِیْبَ وَ تَمَا ثِیْلَ وَجِفَا نٍ کَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ترجمہ از علامہ اشرف علی تھانوی:۔ "وہ جنات اُن کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے تھے جو اُن کو بنوانا منظور ہوتا۔ بڑی بڑی عمارتیں اور مُورتیاں اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں"۔

نوٹ:۔ قرآن مجید کے ترجمہ محمد الحسن دیوبندی میں "تماثیل" کا ترجمہ تصویریں لکھا ہوا ہے اور اُسی کے حاشیہ پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے تسلیم کیا ہے کہ " مجسم تصویریں" بناتے تھے لیکن یہ تسلیم کرنے کے بعد ایک عذر لکھا ہے کہ اُس وقت جائز ہوگا۔ اس عذر کا جواب زیر عنوان "عقیدہ توحید اور تماثیل" دیکھیے۔ علاوہ ازیں حسب ذیل کتب تفسیر میں تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ جناب سے تانبے، پیتل اور شیشے وغیرہ سے مجسمے بنواتے تھے اور بعض نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ انبیاؑ، وملائکہؑ وصالحین کی تصویریں بناتے تھے دیکھئے۔

(۱) تفسیر کشاف زمخشری مطبوعہ مصر، جلد۲، تفسیر پارہ ۲۲ سورۃ السباء ص ۲۲۲ (۲) تفسیر فتح البیان، صدیق حسین تفوجی بھوپالی مطبوعہ صدیقی دہلی الجزا الثالث ص ۶۷۳ (۳) تفسیر لباب التاویل (یعنی تفسیر خازن) مطبوعہ مصر جلد۴، الجزء الخامس تفسیر سورۃ السباء ص ۲۲۴ سر طر ۱۷۔۱۸ (۴) اُردو ترجمہ تفسیر ابن کثیر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی جلد۴ پارہ ۲۲ سورہ سباء

«عقیدہ توحید اور تماثیل»

یہ اعتراض کہ "تماثیل" زمانہ سلیمانؑ میں جائز تھیں اب خلاف توحید ہیں" درست نہیں کیونکہ حضرت سلیمانؑ اور حضرت محمد مصطفٰےؐ کا عقیدہ توحید ایک ہی تھا زمانہ سلیمانؑ میں بھی وہی خدا تھا جو اب ہے۔ اُس کے صفات وہی تھے جو اب ہیں۔ لہذا اجوبات زمانہ سلیمانؑ میں توحید کے خلاف یعنی شرک نہ تھی اور اب کیونکر شرک ہوگئی؟ اگر مجسم تصویریں بنانا توحید کے خلاف یعنی شرک ہوتا۔ تو اللہ کی توحید کے معصوم مبلغ حضرت سلیمانؑ ہرگز تماثیل نہ بنواتے۔ اور اگر منشائے ایزدی یہ ہوتا کہ شریعت محمدیہ میں تماثیل کو ناجائز قرار دیا جائے تو اللہ ذکر تماثیل سلیمانؑ کے ساتھ ہی فرما دیتا کہ اب جائز نہیں۔ لیکن اللہ نے قرآن میں ایسا نہیں فرمایا۔ لہذا از روئے قرآن تماثیل جائز رہیں۔ شرعی اصطلاح میں بُت صرف اُس مجسمہ کو کہا جاتا ہے جسے کوئی معبود سمجھتا ہو۔ ہر شئی کو "بُت" کہنے سے حضرت سلیمانؑ پر الزام آئے گا۔ لہذا ہر شبیہ کو بُت کہنا دُرست نہیں۔

عہد رسالت میں شبیہ بنائی گئی

قرآن مجید کے ترجمہ محمود الحسن دیوبندی کے حاشیہ پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے جو عذر تحریر کیا ہے کہ شریعت سلیمانؑ میں جائز ہوں گی یعنی شریعت محمدیہ میں جائز نہیں اُسی عذر کا جواب پیش کرنے کے

لئے، اب حدیث پیغمبرؐ سے ثابت کیا جاتا ہے کہ نہ صرف عہد رسالتؐ میں، بلکہ زوجہ رسولؐ حضرت عائشہ کے گھر میں مجسمے وتصویریں موجود تھیں۔اور حضرت رسولؐ خدا نے وہ مجسمے دیکھے بھی تھے۔لیکن بی بی عائشہ کو منع نہیں فرمایا۔اور ناجائز قرار نہیں دیا جیسا کہ مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۲ کتاب النکاح ص ۱۱۸ حدیث نمبر ۳۱۲۵ کی عبارت یوں ہے:۔

"حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول ﷺ غزوہ تبوک یا غزوہ حنین سے واپس تشریف لائے تو اُن کے گھر کے بڑے طاق میں (آپ نے) پردہ پڑا دیکھا جس کا ایک کونہ ہوا سے کھل گیا اور حضرت عائشہؓ کے کھیلنے کی گڑیاں اُن میں نظر آئیں تو رسول ﷺ نے پوچھا "عائشہ یہ کیا ہے؟ عائشہ نے کہا یہ میری گڑیاں ہیں"۔اُن گڑیوں میں نبی صلعم نے ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے دو پر تھے کاغذ کے یا کپڑے کے، آپؐ نے پوچھا "یہ اُن گڑیوں کے درمیان کیا چیز ہے؟" عائشہ نے کہا یہ " گھوڑا ہے"۔آپؐ نے دریافت فرمایا۔"اور اس کے پر کیسے ہیں"؟ عائشہ نے کہا۔" کیا آپ نے سُنا نہیں حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے پر تھے"۔عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم یہ سُن کر ہنس پڑے کہ آپؐ کی کچلیاں نظر آنے لگیں۔(ابوداوٗد)

نوٹ:۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں "سُنن ابوداد" سے نقل ہوئی ہے جو اُن چھ کتابوں میں سے ہے جنہیں مذہب اہل سنۃ والجماعۃ میں صحاح ستہ چھ صحیح کتابیں تسلیم کیا جاتا ہے یہ حدیث سُنن ابوداوٗد (عربی) مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر الجزء الرابع باب فی اللعب بالبنات ص ۲۸۹ میں موجود ہے، حدیث، کا نمبر ۴۹۳۲ ہے۔اسی حدیث کو مفتی عبدالحئی فاروقی فرنگی محل لکھنوی نے "تنویر الایمان" میں اور شمس العلما ڈپٹی نذیر احمد نے کتاب "اُمہات الامتہ" میں نقل کیا ہے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

ظاہر ہے کہ گڑیا مجسمہ ہوتی ہے بی بی عائشہ کے گھر میں مجسمے موجود تھے اُن میں پر دار گھوڑے کا

مجسمہ بھی تھا جب اُس گھوڑے کے پروں کے بارے میں پیغمبرؐ نے پوچھا تو بی بی عائشہ نے جواب دیا۔ کیا آپ نے سُنا نہیں حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے پر تھے۔ حضرت عائشہ کی اس تشریح سے صاف ظاہر ہے کہ پردار گھوڑے کا وہ مجسمہ، حضرت سلیمانؑ کے پردار گھوڑے (پردار گھوڑا پیدا کرنا اللہ کی قدرت سے بعید نہیں۔ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ ناقہ صالح کو پتھر سے پیدا کر دیا تھا اور معراج شب حضورؐ پردار بُراق ہی پر سوار ہوئے۔ پردار گھوڑوں کا ثبوت ۲۸ پر دیکھئے) کے تصور پر بنایا گیا تھا۔ یعنی اسپ سلیمانؑ کی شبیہ تھا۔ پردار کو عربی میں ذوالجناح (حضرت سلیمانؑ کے پاس پردار گھوڑوں کا ذکر تفسیر اُبی السعود بر حاشیہ تفسیر کبیر فخر الدین رازی الطبعہ ۳۰۸ ہجریہ مطبوعۃ الخیریہ صفر الجز السابع ۴۹۳ حاشیہ کی سطر ۲۳۴۲ ۔ سورہ ص کی تفسیر) کہتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ ذوالجناح کی شبیہ حضرت عائشہ کے گھر میں موجود تھی۔ حضرت رسُولؐ خدا نے شبیہ دیکھی اور دیگر مجسمے بھی دیکھے لیکن منع فرمانے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ حضرت رسالتمابؐ بخوبی جانتے تھے کہ بی بی عائشہ اُس گھوڑے کو معبود نہیں سمجھتیں۔ پس جب کہ معصوم رسُولؐ نے نہ تو مجسمے رکھنے سے بی بی عائشہ کو منع کیا اور نہ ہی کسی ہاتھ کی بنائی ہوئی اسپ سلیمانؑ کی شبیہ کو ناجائز قرار دیا۔ نہ ہی بی بی عائشہ کو تشبیہ دینے سے منع فرمایا بلکہ تبسم فرما کر رضامندی کا اظہار فرمایا تو حدیث کی قسم "تقریر رسُولؐ" کے مطابق شریعت محمدیہؐ میں بھی شبیہ ثابت ہوگئی لیکن شبیہ کو معبود سمجھنا شرک ہے جبکہ غیر شیعہ کتب کی رو سے جاندار کی مجسم تصویر تک جائز ثابت ہوگئی تو خیال رہے کہ تعزیہ تو صرف عمارت کی تشبیہ ہے اور جاندار گھوڑے کو "بُت" سمجھنا درست نہیں۔

«توجہ فرمائیں»

اسپ امام حسینؑ کی شبیہ کو "ذوالجناح" اسی لئے کہا جاتا ہے کہ لفظ "ذوالجناح" سُن کر سلیمانؑ

کے پروں والے گھوڑے کی شبیہ والی حدیث کی جانب توجہ ہو جائے تا کہ جواز کی دلیل ذہن میں تازہ ہو جائے اور یاد آ جائے کہ شبی ذوالجناح دیکھ کر حضورؐ ناراض نہیں ہوئے تھے۔

سواریٔ حسینؑ کی نقل بنانا ثبوت ذوالجناح

معترضین "بدعت" قرار دینے سے پہلے اس بات پر غور فرمائیں حضرت رسول خدا نے خود سواریٔ حسینؑ کی نقل بنائی ہے۔ جیسا کہ کشف المحجوب (جو حضرت علی بن عثمان ہجویری اولمعروف داتا گنج بخش کی تصنیف کہلاتی ہے) کے اردو ترجمہ بیان المطلوب مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ باب نمبر ۸ دوسری فصل ص ۱۱۸ و ۱۱۹ کی عبارت یوں ہے۔" چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے میں ایک روز پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی پشت مبارک پر بٹھا کر ایک رسہ اپنے دہن مبارک میں پکڑا ہوا ہے۔ اس کے دونوں سرے امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھما رکھے تھے اور وہ آنحضرتؐ کو چلا رہے تھے اور خود ﷺ اپنے گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ جب میں نے یہ بات دیکھی تو میں نے کہا **نعم الجمل جملک یا ابا عبداللہ** "ترجمہ۔ اے حسین آپ کا اونٹ بہت ہی اچھا ہے۔ یہ سن کر رسول ﷺ نے فرمایا "**نعم الراکب ہو یا عمر** اے عمر! سوار بھی تو بہت ہی اچھا ہے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

حضرت رسولؐ خدا نے اپنے دہن مبارک میں رسہ پکڑ کر امام حسینؑ کے ہاتھوں میں تھما کر حسینؑ کو پشت مبارک پر بٹھا کر سواری حسینؑ کی نقل ہی بنائی تھی حضورؐ کو (معاذ اللہ) حقیقی معنوں میں "اونٹ" سمجھنا

کفر یا دیوانگی قرار پائے گا۔ حضرت عمر نے بھی حقیقی معنوں میں "اُونٹ" نہیں کہا تھا۔ بلکہ بلحاظِ نقل ہی کہا تھا۔ لہٰذا سواریٔ حسینؑ کی نقل (یعنی شبیہ ذوالجناح) بدعت نہیں بلکہ سُنت رسُولؐ ہے۔

رضا مندی خدا اور رسولؐ حاصل ہوتی ہے

جب رسولؐ نے سواریٔ حسینؑ کی نقل بنائی تو حُسینؑ کو راضی کرنا ہی مقصود پیغمبرؐ تھا اور سواری کی نقل سے حسینؑ راضی ہوئے تو حسینؑ کے نانا محمد مصطفےؐ بھی راضی ہوئے۔ اور جب رسول راضی ہوئے تو خدا بھی راضی ہوا۔ ثابت ہوا کہ سواری حسینؑ کی نقل سے حسینؑ اور خدا اور رسولؐ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ پھر بدعت کہنا کیونکر درست ہوگا؟

﴿توجہ فرمائیں﴾

بعض متعصب لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ (معاذ اللہ) سواری امام حسینؑ کی شبیہ دیکھنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور ایسا کہتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچتے کہ سواری حسینؑ کی نقل حضرت عمر نے بھی دیکھی تھی اور رسولؐ نے حضرت عمر کو منع نہیں کیا کہ میں سواری حسینؑ کی نقل بنا رکھی ہے۔ "تم آنکھیں بند کرلو واپس چلے جاؤ پھر کسی وقت آجانا کیونکہ نقل دیکھنے سے نکاح کو خطرہ ہے!"

حضرت شرف الدین
بُو علی قلندر کے تین مزار کیوں؟؟

صُوفیاء کرام بخوبی واقف ہیں کہ حضرت شرف الدین بُو علی قلندرؒ کے تین مزار پانی پت،

کرنال اور بڈھا کھٹیہ میں موجود ہیں۔ یقیناً اُن میں سے ایک ہی اصل اور باقی دو اُس کی نقل یا شبیہ ہیں۔ کیونکہ جسم قلندرؒ ایک تھا۔

شبیہ کو بوسہ دینا عین عقیدت ہے اور دین محبت ہے

جو فعل شریعت میں صرف اللہ کے لئے مخصوص ہوئے وہی فعل اگر غیر اللہ کے لئے کیا جائے تو یقیناً شرک ہوگا۔ جیسے عبادت اللہ کے لئے مخصوص ہے اگر غیر اللہ کی عبادت کی جائے تو شرک ہوگا لیکن بوسہ دینا اللہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اللہ کو بوسہ دینا ممکن ہی نہیں پھر کسی چیز کو بوسہ دینا اُس چیز کی عبادت یعنی شرک کیونکہ قرار پائے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو بوسہ دینا ذریعہ اظہار عقیدت و محبت ہے نہ کہ اُس چیز کی عبادت۔ والدین اولاد کو بوسہ دے کر اولاد کی عبادت نہیں کرتے بلکہ یہ فعل محبت ہوتا ہے۔ ازواجی زندگی میں میاں بیوی ایک دوسرے کی عبادت نہیں کرتے بلکہ وہاں بھی بوسہ مبنی بر محبت سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی جلد اور کاغذ کو بوسہ دینا جلد اور کاغذ کی عبادت نہیں بلکہ اُس جلد اور کاغذ کی کلام الہیٰ سے نسبت کی وجہ سے اظہار محبت و عقیدت کے لئے ہی بوسہ دیا جاتا ہے اسی طرح روضہ رسولؐ کی جالیوں کو چومنا تو جالیوں کی عبادت ہے اور نہ رسولؐ کی بلکہ مزار رسولؐ سے نسبت ہونے کی وجہ سے عقیدت مندوں کو وہ جالیاں محبوب ہیں اور اظہار محبت و عقیدت کے لئے جالیوں کو بوسہ دیتے ہیں۔ اسی طرح بزرگان دین کے مزارات کو بوسہ دیا جاتا ہے۔

تعزیہ روضۂ حسینؑ کی شبیہ اور "ذوالجناح" سواری حسینؑ کی شبیہ ہونے کی وجہ سے محبوب ہوتی ہے اور اظہار محبت کے لئے بوسہ دیا جاتا ہے۔ شبیہ کو معبود نہیں سمجھا جاتا لہذا شبیہ کو بوسہ دینا ہرگز عبادت شبیہ نہیں۔ اور نہ اس فعل کو شرک کہنا درست ہے۔

شبیہ پر پھول ڈالنا

ایہ بھی عقیدت ہے

پھول یا پھولوں کے ہار ڈالنا بھی اللہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اللہ کو (معاذ اللہ) ہار پہنانا یا اُس پر پھول ڈالنا ممکن ہی نہیں ہے۔ پھر کسی چیز پر پھول ڈالنا "شرک" کیونکر ثابت ہوگا؟ مہمانوں پر پھول برسانا، ہار ڈال دینا مزاروں پر پھولوں کے چادریں چڑھانا شرک نہیں۔ تو شبیہ پر پھول ڈالنا بھی شرک نہیں۔

اپنے سر پر خاک ڈالنا یہ مودت اہلبیتؑ ہے

ترمذی (اُردو) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی جلد دوم ص ۳۸۵ حدیث ۱۹۲۵ کی عبارت یوں ہے:۔

"حضرت سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ میں حضرت اُم سلمہؓ کے پاس آئی وہ رو رہی تھی۔ میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہی ہیں؟ حضرت اُم سلمہؓ نے فرمایا میں میں نے رسُول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر اور داڑھی پر گرد و غبار ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسُول اللہ! کیا بات ہے یہ گرد و غبار کیسا؟ آپ نے فرمایا ابھی حسینؑ کی شہادت میں حاضر اور شریک ہوا ہوں۔ (یہ حدیث غریب ہے)"

نوٹ:۔ حدیث غریب اُسے کہتے ہیں جو ایک ہی راوی سے مروی ہو۔ چونکہ یہ خواب حضرت اُم سلمہؓ ہی کا تھا لہذا دوسرا راوی ممکن ہی نہیں تھا۔ اور حدیث غریب قابل قبول ہوتی ہے اسی لئے ترمذی نے نقل کی ہے۔ اس کی راوی حضرت اُم سلمہؓ اُم المومنین ہیں جو حضور کی صورت مبارک سے بخوبی واقف تھیں۔ انہوں نے روز عاشورہ عین شہادت حسینؑ کے دن حضورؐ کے سر

مبارک اور ریش مقدس پر گرد و غبار دیکھا۔ لہذا شہادت حسینؑ کے روز سر پر (خاک ڈال کر) غبار آلود کرنا حضورؐ کی متابعت اور سنت ہے۔

کالے کپڑے یہ مودت اہلبیت اور سنت رسالتؐ ہے

حضور ﷺ سیاہ عمامہ پہنتے تھے (نشر الطیب مطبوعہ تاج کمپنی ۲۲۶ سطر ۱۷ میں رسول خدا کے لئے لکھا سیاہ کپڑا بھی پہنا ہے) دیکھئے نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ مصنفہ علامہ اشرف علی تھانوی صاحب مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹیڈ ص ۱۸۱ سطر ۱۱۔۱۲ ص ۱۸۳ سطر ۱۶۔ سلسلہ چشتیہ کے مشہور صوفی بزرگ بابا فرید یعنی محمد مسعود الدین گنج شکر پاک پٹن والے خود کالے کپڑے پہنتے تھے جیسا کہ "ارشادات فریدی معروف بہ شلوک فریدی" شائع کردہ ملک چنن الدین کشمیری بازار لاہور، بار چہارم ص ۵۹ شلوک نمبر ۶۸ میں بابا فرید صاحب خود فرماتے ہیں:۔

"فریدا کالے مینڈے کپڑے کلا مینڈا ویس"

خیال رہے کہ حضرت علی احمد صاحبؒ (کلیہ شریف والے) بابا فریدیؒ ہی کے بھانجے ہیں۔ حضرت نظام الدینؒ اولیا "(دہلی والے) کو صوفی حضرات بابا فریدیؒ کے مُرید بیان کرتے ہیں۔ اور بابا فرید صاحب کو خواجہ بختیار کاکیؒ (چشتی) کا مُرید کہتے ہیں۔ لہذا کالے کپڑوں پر اعتراض کرنا حضرت بابا فرید صاحبؒ ہی پر نہیں بلکہ چشتی، فریدی، نظامی، صابری سلسلوں پر حملہ تصور ہوگا۔ علاوہ ازیں کالے کپڑے پر اعتراض کرنے والوں کو یہ سوچنا چاہیئے کہ حضرت محمد مصطفےٰ رسولِ خدا بھی کالا کپڑا استعمال فرماتے تھے کالی کملی کا لحاظ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور بیت اللہ شریف کا غلاف بھی

سیاہ ہے۔ اُسی طرف سجدہ کیا جاتا ہے۔ حجرِ اسود بھی کالا ہے۔ علاوہ ازیں خود اعتراض کرنے والے مولوی حضرات کالی شیروانیاں پہنتے ہیں۔ اور اکثر مولویوں کی بیویاں کالے برقعے پہنتی ہیں۔ وکلاء حضرات کالے کوٹ اور جج صاحبان کالے گون پہنتے ہیں۔ فریدی سلسلہ کے اکثر صوفی اب بھی کالے کپڑے پہنتے ہیں۔ اب معترضین خود غور فرمائیں کہ کالے کپڑوں پر اعتراض کرنے سے کون کون ہستیاں نشانہ اعتراض بنتی ہیں۔

بر سرِ عام، مُخدرات کے نام لینا کیا بے ادبی ہے؟

مذہب امامیہ کے پیروکاروں پر عام طور سے یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ "لائق احترام بیبیوں کے نام بر سرِ عام نوحوں میں کیوں پڑھے جاتے ہیں"؟ اس اعتراض کے سلسلہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ "تراویح" میں جب لاؤڈ اسپیکر پر قرآن پاک پڑھا جاتا ہے تو بی بی مریمؑ کا نام بھی آتا ہے۔ اور لاؤڈ سپیکر کی بلند آواز کو غیر مسلم بھی سنتے ہیں۔ اور جلوس عید میلاد النبیؐ میں نعتیں پڑھتے ہوئے رسولؐ کی والدہ حضرت آمنہؑ کا نام لیا جاتا ہے۔ مثلاً اے آمنہؑ کے لال تم پہ لاکھوں سلام"۔ علاوہ ازیں عام جلسوں میں حضرت اسمعیلؑ کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے غیر شیعہ علماء حضرت ہاجرہؑ کا نام لیتے ہیں۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ جناب ہاجرہؑ ایک نبیؑ کی زوجہ اور ایک نبیؑ کی والدہ تھیں۔ عام جلسوں میں تفسیر سورہ یوسفؑ بیان کرتے ہوئے حضرت زلیخا زوجئی یوسفؑ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور عام جلسوں میں اُم المومنین حضرت عائشہ کا نام لیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اہلسنت والجماعت کے امام اعظم "نعمان بن ثابت" کو عام جلسوں میں "ابوحنیفہ" یعنی حنیفہ کا باپ کہا جاتا ہے۔ اُس وقت امام اعظم کی صاحبزادی کا نام آتا ہے اور خود صوفی حضرات حضرت رابعہ بصری کا نام بھی عام جلسوں میں بیان کرتے ہیں اور

عام اجتماعات میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔لہٰذا اعتراض درست نہیں۔

کراچی مقصد دوم ص ۱۹۵ (۳) "زاوالمعاو" حافظ حدیث ابن قیم مطبوعہ مطبعۃ المیمنیہ مصر جلد اول ص ۲۱۵ (۴) منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد حنبل مطبوعہ مصر الجزاء السادس ص ۴۰۴ (۵) "تفسیر مظہری" قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر سورۃ نساء ص ۴۷ (۶) "تاریخ الخلفاء" مصنفہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی شافعی (اردو ترجمہ) مطبوعہ صدیقی لاہور ص ۴۷۔۴۷۔

نوٹ:۔ تفسیر مظہری میں ایک نہایت مشہور شخص کی لڑکی کے متعہ کا ذکر موجود ہے۔اور کشف المغطا (شرح موطا امام مالک) مطبوعہ صدیقی لاہور کے ص ۳۳۹ پر اہل حدیث کے مشہور عالم وحید الزماں حیدرآبادی نے اُسی عورت کے متعلق لکھا ہے کہ وہ متعہ کو جائز سمجھتی تھی۔اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ مشہور صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی مُتعہ کو جائز سمجھتے تھے اور کشف الغطا شرح موطا میں اُسی جگہ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ مُتعہ کرنے پر کوئی حد شرعی نہیں یعنی شریعت نے متعہ پر سزا نہیں رکھی۔پھر متعہ کو زنا کیونکہ کہا جا سکتا ہے؟

قرآن میں ذکرِ مُتعہ

اگر متعہ بھی زنا ہوتا تو حد شرعی ضرور لازم آتی۔اور خود رسولؐ خدا کسی بھی وقت مُتعہ کو ہرگز جائز قرار نہ دیتے حقیقت یہ ہے کہ مُتعہ کی آیت قرآن مجید میں موجود ہے دیکھئے پارہ ۵ سُورۃ النساء رکوع ۴ میں قرآن مجید کے مقدس الفاظ یُوں ہیں:۔ ﴿۴:۲۴﴾ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً اسی آیت کی تفسیر میں امام اہل سنۃ والجماعۃ جلال الدین سیوطی شافعی یُوں

تحریر فرماتے ہیں:۔

"اخرج عبدالرزاق وابوداؤد فی ناسخته وابن جریر عن الحکم انه سئل عن هذه الآیة امنسوختة قال لا"۔

یعنی عبدالرزاق نے اور ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں اور ابن جریر نے حکم سے روایت نقل کی ہے کہ حکم سے پوچھا گیا کہ "کیا متعہ کی آیت منسوخ ہے؟" اس نے کہا ہرگز نہیں۔ (تفسیر درمنثور وسیوطی تفسیر درمنثور تفسیر جلالین میں بھی ہے)۔

ضروری نوٹ:۔ پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۴ کی آیت مندرجہ بالا متعہ ہی کے متعلق ہے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اس آیۃ کی تفسیر میں حضرت علیؑ کا ارشاد مبارک یوں لکھا ہے:۔

فرمان مرتضوی بابت متعہ

"وقال علی لولان یہاں ایک اُمتی شخص کا نام ہے تفسیر درمنثور دیکھئے نهی عن المتعة مازنی الاشقی"

ترجمہ:۔ اور (حضرت) علیؑ نے فرمایا۔ "اگر حضرت عمر نے مُتعہ سے منع نہ کیا ہوتا تو سوائے شقی کے کوئی زنا نہ کرتا۔ اسی طیب قول ابن عباس مرقوم ہے (حاشیہ عاب و۲ صفحہ ۵۹ پر دیکھئے)" یعنی اگر وہ اُمتی متعہ سے نہ روکتا تو لوگ زنا سے بچے رہتے اور کوئی بد بخت ہی ہوتا جو زنا کرتا یعنی حضرت علیؑ کے نزدیک متعہ زنا سے بچانے والی چیز ہے اور مُتعہ سے منع کرنا درست نہیں تھا۔

ارشاد حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ بابت متعہ

رسولؐ خدا کے مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے فرمایا کہ ہم نے عہد رسولؐ میں متعہ کیا۔ اور اُس کے بعد عہد حضرت ابوبکر میں بھی کیا۔ پھر حضرت عمر نے منع کر دیا اور ہم نے متعہ کرنا چھوڑ دیا (دیکھئے مسند احمد حنبل مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص ۳۲۵ سطر ۱۔۲، ص ۳۵۶ سطر ۷۔۸ ص ۳۶۳ سطر ۲۴ تا ۲۶ اور ص ۳۸۰ سطر ۲۸ تا ۳۰)۔

صحابی عمران بن حصین کا بیان بابت متعہ

رسولؐ خدا کے صحابی عمران بن حصین نے بیان کیا کہ رسولؐ اکرم نے مُتعہ سے ہرگز منع نہیں فرمایا اور مُتعہ کے ممانعت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا"۔ (دیکھیے مسند احمد حنبل مطبوعہ مصر الجزء الرابع ص ۴۳۸ سطر ۱۲ تا ۱۴ اور ص ۴۳۹ سطر ۱۲۔۱۳)

نوٹ:۔ ثابت ہوا کہ غیر شیعہ کی جن روایات میں خیبر وغیرہ میں حرمت متعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہیں بلکہ متعہ سے منع کرنے والے اُس اُمتی کو مخالفت قرآن و سنت کے الزام سے بچانے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ کیونکہ مُتعہ کا جائز ہونا قرآن حدیث اور ارشادات حضرت علیؑ و عبداللہ بن عباسؓ اور اقوال جابرؓ و عمران بن حصین سے از روئے کُتب اہل سنۃ والجماعۃ ثابت ہے۔

نکاح دائمی اور متعہ میں فرق

مرد اور عورت کے جنسی تعلقات پر اسلام نے نکاح کی جو پابندی لگائی ہے۔ اُس کی ایک وجہ

یہ ہے کہ بلا کسی پابندی کے جنسی تعلقات قائم کرنے (یعنی زنا کی صورت میں معلوم نہیں ہو سکتا کہ اولاد کس کی ہے؟) اس طرح ایک طرف تو قانون وراثت ختم ہو جاتا ہے اور دوسری طرف کوئی شخص ایسی اولاد کو اپنی اولاد یقین نہیں کر سکتا اس طرح وہ بچے باپ کی شفقت اور جائداد سے محروم رہتے ہیں۔

نکاح کی پابندیوں سے قانونِ وراثت بھی محفوظ رہتا ہے، شناخت نسل بھی ہو جاتی ہے پابندیاں متعہ میں بھی موجود ہیں یعنی اولاد وارث ہوتی ہے۔ عدت ضروری ہے، مدت متعہ اور عدت میں عورت کو اجازت نہیں کہ وہ دوسرے مرد سے جنسی تعلقات قائم کر سکے۔

لہذا متعہ کو ناجائز کہنا یا "زنا" قرار دینا تحفہ الہیہ کا انکار ہے۔

وضو میں پاؤں کا مسح

جر جوار کی تردید

جو لوگ وضو میں دونوں پاؤں کے مسح کے خلاف اور پاؤں دھونے کے قائل ہیں وہ قرآن مجید سورۃ المائدہ کی آیت وضو پر گرامر کی بحث کرتے ہوئے یہ عذر کرتے ہیں۔ کہ آیت وضو میں **برؤسکم** میں سین کے نیچے زیر کی وجہ سے جر جوار کی ہے۔ جیسا کہ صاحب تفسیر حسینی نے لکھا ہے کہ جر جوار کی ہے لیکن امام اہل سنۃ والجماعۃ فخر الدین رازی نے اس عذر کو باطل قرار دیا ہے جیسا کہ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۶۸ میں امام رازی لکھتے ہیں:۔

"**قلنا هذا باطل من وجوه**" یعنی ہم کہتے ہیں یہ کئی وجوہ سے باطل ہے۔ (پھر امام رازی نے وجوہ بیان کرتے ہوئے ایک وجہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ **برؤسکم** کی کسر با کی وجہ سے ہے)

پھر اسی ص ۳۶۸ پر یوں لکھا ہے:۔

"ان الکسر بالجوار انمایکون بدون حرف العطف واما مع حرف العطف فلم تتکلم به العرب وأما القرأة بالنصب فقالوا انها أيضا توجب المسح"

یعنی جوار کی جر بلاشبہ، حرف عطف چھوڑ کر ہوتی ہے اور حرف عطف کے ساتھ قوم عرب کے کلام میں ہرگز نہیں آتی۔ اور رہی قرأت بالنصب تو کہتے ہیں یہ بھی مسح ہی واجب کرتی ہے۔

نوٹ:۔ مزید اطمینان کے لیے تفسیر خازن (لباب التاویل) مطبعۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر الجزء الثانی ص ۱۶ بھی دیکھیے۔

شیخ محی الدین ابن عربی عالم کبیر اہلسنت لکھتے ہیں پاؤں کے مسح کا حکم ہے دھونے کا نہیں

فتوحات مکیہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۴۴۸۔

۱۔ "یعنی قرآن مجید سورۃ المائدہ کی آیت وضو **۵:۶** یَآ یُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ میں لفظ ارجلکم کے لام پر زبر پڑھنا۔

۲۔ یعنی علماء اہل سنۃ الجماعۃ کہتے ہیں جیسا کہ شیخ محمد الدین ابی عربی کا قول پیش کیا گیا۔

سطر ۲ میں ابن عربی خود لکھتے ہیں۔ **فمذهبنا ان النصب فی اللام لایخرجه عن الممسوح فان هذه الواؤ قد تکون دائو مع وداوالمعیة تنصب تقول قامه زید و عمرا** یعنی پس ہمارا مذہب ہے کہ (**ارجلکم**) کے لام پر زبر اُس کو حکم مسح سے خارج نہیں کرتی پس تحقیق یہ واؤ معیت کا قرار پائے گا اور معیت کا واؤ نصب دیتا ہے جیسا کہ بولتے ہیں "**قام زید وعمرا**" یعنی کھڑا ہو زید ساتھ عمر کے یعنی اسی طرح **ارجلکم**

بروسکم کے ساتھ حکم مسح میں آیا ہے۔

امام اہل سنتہ والجماعتہ فخر الدین رازی اور امام اہل سنتہ شیخ محمد الدین ابن عربی کی تحریر کردہ عربی گرامر کی بحث کے بعد اس امر کی ہرگز گنجائش نہیں رہتی کہ قرآن کی آیت وضو میں پاؤں دھونے کا حکم نکل سکے۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید میں، پاؤں کا مسح کرنے کا ہی حکم ہے دھونے کا نہیں۔

امام حسنؑ اور امام حُسینؑ سرداران جنت بھی ارجلکم پڑھتے تھے

محمد مصطفٰےؐ کے وہ محبوب نواسے جنہوں نے اپنے نانا رسولؐ سے قرآن سنا اور پڑھا۔ رسولؐ ہی سے وضو سیکھا۔ وہ قرآن کی آیت وضو میں "**ارجلکم**" پڑھتے تھے یعنی حُسین کی قرات میں لام پر زبر نہیں بلکہ زیر ہے دیکھئے تفسیر "جامع البیان" علامہ اہل سنتہ والجماعتہ ابن جریر مطبوعہ دار المعارف الجزالا عاشر ص ۵۵ سطر ۱،۲

قرات صحابی رسولؐ "انس" بھی ارجلکم ہے

دیکھئے تفسیر جامع البیان ابن جریر مطبوعہ دار المعارف مصر الجز العاشر ص ۵۹ سطر ۱۔۳ (نوٹ: تفسیر جامع البیان الجز العاشر ص ۶۰۔۶۱ میں دیگر حضرات کا بھی اس قرات کو تسلیم کرنا مرقوم ہے)

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کے اعراب لگاتے وقت "**ارجلکم**" کے لام پر زبر حجاج بن یوسف نے لگائی ہے۔

مشہور صحابی رسولؐ انس بن مالک اور دیگر حضرات کے علاوہ اہل بیت طاہرینؑ میں سے حسینؑ کی قراۃ "**ارجلکم**" ثابت ہونے کے بعد اس امر میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ اللہ نے قرآن کی آیہ وضو میں پاؤں کا مسح ہی واجب کیا ہے۔ دھونا نہیں۔

وجوب مسح کا مزید ثبوت

تفسیر "فتح البیان" علامہ اہلحدیث نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی مطبوعہ صدیقی بھوپال الجزالاول تفسیر سورۃ المائدہ ص ۶۹۳ سطر ۱۹ تا ۲۲ کی عبارت یوں ہے:۔

"قال القرطبیے قدروی عن ابن عباس انه قال الوضوء غسلتان و مسحتان قال وکان عکرمة یمسح رجلیة وقال لیس فی الرجلین غسل انما نزل فیهما المسح وقال عامر الشبع نزل جبریل بالمسح قال وقال قتاده افترض الله غلستین و مسحتین"

یعنی قرطبی نے کہا حضرت ابن عباسؓ (صحابی رسولؐ) سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "وضو منہ دھونے اور دو مسح ہے اور عکرمہ اپنے دونوں پاؤں کا مسح کرتے تھے اور انہوں نے کہا کہ پاؤں کو دھونے کا حکم نہیں۔ محض اُن کے مسح کا حکم نازل ہوا ہے اور عامر الشبعی نے کہا حضرت جبریلؑ مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے اور قتادہ نے کہا اللہ نے منہ دھونے اور دو مسح فرض کئے ہیں۔"

(نوٹ:۔ اسی سلسلہ میں علامہ صدیق حسن بھوپالی کی اُردو تفسیر ترجمان القرآن مطبوعہ صدیقی لاہور جلد ۳ ص ۸۴۲ سطر ۱۲ تا ۱۹۔ اور تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری مطبوعہ دار المعارف مصر الجز العاشر ص ۵۸ و ص ۵۹ اور ص ۶۰ بھی ملاحظہ فرمایئے)

۲۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۶۸ سطر ۱۷ اور ۱۸ میں تفسیر قفال سے منقول ہے کہ ابن عباسؓ وانس بن مالک وعکرمہ وشعبی اور حضرت (امام) ابو جعفر محمد بن علی الباقرؑ کے نزدیک دونوں پاؤں کا مسح ہی واجب ہے۔

حضرت رسول خداؐ نے پیروں پر مسح کا حکم دیا(شرح صحیح بخاری)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری علامہ عینی حنفی مطبوعہ دارالطباعتہ العامرہ مصر جلد اول ص ۶۵۶ سطر ۲۸ تا ۳۱ کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

"منها حديث رفاعه ابن رافع عن النبي عليه الصلوة والسلام انه قال لايتم صلاة لاحد حتى ليسبغ الوضوء كما امره الله تعالى فيغسل وجهه ويديه الى المرفقين ويمسح برأسه ورجليه الى الكعبين حسنه ابو على الطوسى الحافظ و ابو عيسى الترمذى وابو بكر البزار وصححه الحافظ ابن حبان وابن حزم۔"

یعنی اس (وجوب مسح کی حدیثوں) میں سے حدیث رفاعا بن رافع، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کسی کی نماز تمام نہیں ہوگی جب تک وہ اللہ کے حکم کے مطابق وضو نہ کرے پس دھوئے اپنے منہ کو اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرے اپنے سر کا اور اپنے دونوں ٹخنوں تک۔ (علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں کہ) اس حدیث کو حافظ ابوعلی طوسی، ابوعیسیٰ ترمذی اور ابوبکر بزار نے حسن مانا اور حافظ ابن حبان اور ابن حزم نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ (نوٹ:۔ اسی سلسلہ میں شرح معانی آلاثار طحاوی مطبع الاسلامیہ لاہور جلد اول ص ۲۱ بھی دیکھئے)

رسول خداؐ پیروں پر مسح کرتے تھے

حسب ذیل کتب اہل سنتہ والجماعتہ میں لکھا ہوا ہے کہ وضو میں حضورؐ اپنے دونوں پاؤں کا مسح فرماتے تھے:۔

۱۔ اصابہ فی تمییز الصحابہ حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۹۲ ترجمہ تمیم بن زید (اس کتاب میں یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں)

۲۔ تفسیر ابن جریر طبری مطبوعہ دار المعارف مصر جلد ۱۰ ص ۵۷ سطر ۷ تا ۹

۳۔ شرح معانی آلاثار طحاوی مطبع الاسلامیہ لاہور جلد اول ص ۲۱ سطر ۶۔۷

۴۔ نیل الاوطار شوکانی جلد اول ص ۱۶۴

۵۔ "کنز العمال" علامہ علی متقی بن حسام الدین مطبوعہ دائرہ المعارف حیدر آباد دکن جلد ۵ مسند تمیم بن زید المازنی، حدیث نمبر ۲۱۹۴۳ ص ۱۰۲

۶۔ کنزل العمال مطبوعہ دائرہ المعارف حیدر آباد دکن جلد ۵، مسند علی کرم اللہ وجہہ ص ۱۴۷ حدیث ۲۲۴۰۴

حضرت علی مرتضیٰ بھی مسح ہی کرتے تھے

دیکھیے شرح معانی آلاثار طحاوی مطبوعہ مطبع الاسلامیہ لاہور جلد اول سطر ۳۔۴ ص ۲۱ اور مسند امام اہل سنۃ والجماعۃ احمد مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۱۶

امام محمد باقرؑ بھی مسح کرتے تھے

تفسیر ترجمان القرآن صدیق حسن بھوپالی مطبوعہ صدیقی لاہور جلد ۳ ص ۸۴۲ میں لکھا ہے کہ ابن عمر علقمہ و امام محمد (باقرؑ) و حسن بصری و جابر اور ابن زید وغیرہم سے پاؤں کا مسح مروی ہے (یہی

بات تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۶۸ سطر ۱۷ تا ۱۸ سے بھی ثابت ہے)

نوٹ:۔ مسح کا مزید ثبوت عمدۃ التفسیر حافظ ابن کثیر مطبوعہ دار لمعارف مصر جلد ۴ ص ۷۹ اور تفسیر معالم التنزیل بر حاشیہ تفسیر مطبعۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر الجز الثانی ص ۱۶ میں دیکھیے

حافظ ابن حجر عسقلانی کا عذر

فتح الباری شرح صحیح بخار حافظ ابن احجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الجزیر مصر الجزاء الاوّل ص ۱۸۷ میں حافظ ابن حجر نے تسلیم کیا کہ "صحابہ میں حضرت علیؑ اور ابن عباسؓ اور انس پاؤں دھونے کے مخالف تھے۔" لیکن پھر ابن حجر نے یہ دعویٰ کر دیا کہ حضرت علیؑ اور ابن عباسؓ نے رجوع کر لیا تھا۔" حافظ ابن حجر کے اس عذر کا مطلب یہ ہوا کہ باب علم نبیؐ حضرت علیؑ اور عالم شریف صحابی ابن عباسؓ دونوں رسولؐ سے وضو سیکھ کر، ساتھ نمازیں پڑھنے کے بعد (معاذ اللہ) غلط وضو کرتے رہے پھر بعد میں رجوع کر لیا"۔ یعنی پہلے تو پاؤں دھونے کی مخالف غلط کرتے رہے (معاذ اللہ) پھر خود دھونے لگے (معاذ اللہ) حضرت علیؑ کی خود رسولؐ نے اہلبیت طاہرینؑ میں شمار کیا ہے لہذا وہ سنت کی مخالفت کر ہی نہیں سکتے۔ بلکہ حضرت علیؑ اور ابن عباسؓ کا پاؤں دھونے کی مخالفت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ پاؤں دھونا سُنت رسُول نہیں بلکہ مسح کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ قرأتِ حسنینؑ اور عمل امام محمد باقرؑ اور عمل رسُولؐ سے ثابت کیا گیا۔ لہذا حافظ ابن حجر کا دعویٰ درست نہیں۔

﴿ایک عجیب عُذر کا جواب﴾

بعض لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ "پاؤں دھونا سُنت ہے"۔ تو جواباً عرض ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ قرآن مجید میں اللہ نے مسح ہی واجب کیا ہے۔ عکرمہ اور عامر شعبی نے تسلیم کیا کہ جبریلؑ مسح ہی

کا حکم لے کر نازل ہوئے حضرت ابن عباس صحابی رسولؐ اور قتادہ نے کہا کہ اللہ نے دو مسح فرض کئے ہیں اور "وضو و غسل اور دو مسح ہے" پھر یہ کہنا کہ پاؤں دھونا سنت ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) رسولؐ، حکمِ خدا کے خلاف عمل کرتے تھے۔ حالانکہ رسولؐ کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ قرآن کے خلاف عمل کریں۔ لہذا ثابت ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا ہرگز سُنّتِ رسولؐ نہیں ہے۔ بناء بریں جن روایات میں پاؤں دھونے کا حکم دینا یا دھونا حضورؐ سے منسوب کیا گیا ہو، وہ تمام روایات خلافِ قرآن ہونے کی وجہ سے نا موضوع تسلیم کی جائیں گی۔

ضروری گذارش:۔ رفیع الدین محدث دہلوی نے اپنے ترجمہ قرآن میں "دھوؤ یا" "دھولو کا لفظ ہرگز نہیں لکھا لیکن اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ سے کم از کم چالیس برس پہلے کا چھپا ہوا ترجمہ رفیع الدین محدث دیکھا جائے۔ کیونکہ آج کل کے بعض ناشرین اُصول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی جانب سے "دھولو" یا "دھوؤ" کا لفظ اضافہ کر کے ترجمہ رفیع الدین محدث شائع کر رہے ہیں، یہ ایک شرمناک حرکت ہے جو پیشہ نشر و اشاعت کے اصول دیانت و امانت داری کے خلاف ہے۔

خیال رہے اگر وضو صحیح نہ کیا جائے نماز نہیں ہوگی۔

طریقہ نماز رسولِ اعظم صلی اللہ و علیہ وآلہ وسلم

نماز رسالت مآب کی ابتداء اور اختتام

رسولؐ خدا (سورۃ) الحمد سے نماز شروع کرتے تھے اور تکبیر پر ختم کرتے تھے ثبوت کے لئے دیکھئے صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد اول کتاب الصلوۃ ص ۱۰۰ (۲) صحیح مسلم مترجم مع شرح نووی مطبوعہ مکتبہ

سعودیہ کراچی جلد دوہم ص ۷۴۔۷۵ (۳) مشکوۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد اول ص ۱۸۳ خیال رہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ (الحمد) کی پہلی آیت ہے یعنی جزو سورہ ہے ثبوت کے لئے دیکھئے شرح معانی الآثار طحاوی مطبوعہ مطبع الاسلامیہ لاہور جلد اول ص ۱۱۷، ص ۱۱۸ اور سنن کبریٰ مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۲ ص ۴۴، ۴۵۔

﴿بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا﴾

امام اہل سنتہ والجماعۃ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد اول ص ۸ میں لکھتے ہیں:۔ **"واخرج الدارقطنی والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرہ قال کان رسول اللہ یجھر ببسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوۃ"** ۔ترجمہ "اور دار قطنی و حاکم و بیہقی نے ابو ہریرہ سے حدیث نقل کی ہے کہ ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ رسولؐ خدا نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے"۔

جہر بسم اللہ مذہب علیؑ ہے۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ جلد اول ص ۱۵۹ کے الفاظ یہ ہیں:۔ **"ان علیا کان مذھبہ الجھر ببسم اللہ فی جمیع الصلوت"** ترجمہ:۔ بے شک علیؑ کا مذہب تمام مذہب میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا تھا۔ (مزید دیکھئے سنن کبریٰ بیقی مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۲ ص ۴۸)

جہرِ بسم اللہ مذہب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے

امام شوکانی اپنی کتاب نیل الاوطار (مطبوعہ مع حاشیہ عون الباری) جلد ۲ کے صفحہ ۹۱ میں تسلیم کرتے ہیں کہ "جہر بسم اللہ پر آل رسولؐ نے اجماع کیا ہے"۔ یعنی آل محمدؐ کے تمام افراد کا اس بات پر

مکمل اتفاق ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

آلِ محمدؐ پر نماز میں دُرود پڑھا جاتا ہے۔ اگر نہ پڑھا جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ پھر نماز ہی کے مسئلہ میں آلِ محمدؐ کی مخالفت کیونکر درست ہوگئی؟ کم از کم نماز میں تو آلِ محمدؐ کی اتباع کر لی جائے ہم شیعانِ علیؑ تو ہر معاملہ میں آلِ محمدؐ کی اتباع ضروری سمجھتے ہیں۔ "دراسات اللبیب" مصنفہ علامہ اہل سنتہ والجماعۃ شیخ محمد مُعین لاہوری مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ص ۹۵ میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حاکم شام، مدینہ آیا اور اس نے نماز میں بسم اللہ نہیں پڑھی تو مہاجرین اور انصار (اصحاب رسُولؐ) نے اُس کے اس فعل سے ناواقفیت کا اظہار کیا اور صاف کہہ دیا۔ کہ اے معاویہ تو نے بسم اللہ پڑھنے کی چوری کر لی"۔ (متعلقہ حاشیہ ص ۸۱ کے نیچے)

﴿توجہ فرمائیں﴾

چونکہ نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا سُنت رسُولؐ ہے۔ اور اصحاب رسُولؐ (مہاجرین و انصار) سُنت سمجھتے تھے۔ جب جب حاکم شام نے بلند آواز سے پڑھی۔ اور اصحاب نے بسم اللہ نہ سُنی تو چور کہہ دیا!! اگر بسم اللہ کو مخفی طور سے پڑھنا سُنت ہوتا تو مہاجرین و انصار یہ سمجھ لیتے کہ حاکم شام نے مخفی طور سے بسم اللہ پڑھ لی۔ پھر "چور" نہ کہتے۔ اسی لئے ہم شیعانِ علیؑ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے سُنا کر پڑھتے ہیں کہ کہیں مہاجرین و انصارِ مدینہ کے فتویٰ کی زد میں آ کر "چور" نہ بن جائیں! اور تارکِ سُنت رسُولؐ ہونے سے بھی محفوظ رہیں۔

نوٹ:۔ نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا مزید ثبوت حسب ذیل کتب اہل سُنّۃ والجماعۃ میں دیکھئے۔

ا۔ دار قطنی مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۱۱۴ اور ص ۱۱۶ (۲) ازالۃ الخفاء ولی اللہ محدث دہلوی مطبوعہ سعیدی کراچی مقص دوم ص ۱۶۲، (۳) کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن جلد ۴ ص ۹۶ حدیث ص ۲۰۰۴، ص ۲۰۹ حدیث نمبر ۴۴۷۶ تا ۔ ۴۴۸ اور ص ۲۱۰۔

آل محمد "تامین" کے مخالف ہیں

امام شوکانی "نیل الاوطار" مطبوعہ مع حاشیہ عون الباری جلد ۲ ص ۱۱۲ میں لکھتے ہیں: "وحکی المہدی فی البحر من العترۃ جمیعا ان التامین بدعۃ وقد استدل علی ابن التامین بدعۃ بحدیث معاویہ بن الحکم" ۔ یعنی المہدی البحر میں عترت (آل محمدؐ) کا متفقہ بیان لکھا ہے ۔ کہ تامین (یعنی نماز میں سورۃ الحمد کے بعد آمین کہنا) نئی چیز ہے ۔ اور تامین کے نئی چیز ہونے پر حدیث معاویہ بن حکم سے استدلال کیا ہے"۔

﴿نماز میں قنوت﴾

مندرجہ ذیل کتب اہل سنۃ والجماعۃ میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نماز میں قنوت پڑھتے تھے ۔ (۱) صحیح مُسلم (عربی) مطبوعہ نولکشوری جلد اول ص ۲۳۷ سطر ۱۱ یا المعلم ترجمہ صحیح مُسلم علامہ وحید الزمان مطبوعہ صدیقی لاہور ص ۵۴۷ ص ۵۵ ۷ (۲) سُنن نسائی مترجم علامہ وحید الزمان مطبوعہ مکتبہ الیوبیہ کراچی جلد اول باب القنوت فی صلوۃ المغرب ص ۲۷۰ روایت براء بن عاذب

(صحابی) (۴) مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب القنوت ص ۲۹۰، ۲۹۱۔
رفع یدین:۔ حضرت رسالت مآب تکبیر کے ساتھ ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ دیکھئے صحیح مُسلم مترجم مع شرح نووی مطبوعہ مکتبہ سعودیہ کراچی جلد ۲ ص ۱۰ (۲) سُنن ابو داؤد (عربی) مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر الجزء الاول باب رفع الیدین ص ۲۶۹ سطر ۸ (۳) حجتہ اللہ البالغہ (عربی) ولی اللہ محدث مطبوعہ مطبعہ بولاق مصر ص ۱۰ سطر ۳ جمع بین الصلوتین

حضرت رسولِ خدا سفر یا بارش کے بغیر بھی دو نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے

ثبوت کے لئے دیکھئے:۔ (۱) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد اول کتاب مواقیت الصلوٰۃ پارہ ص ۵ ص ۲۷۶ حدیث نمبر ۵۳۲ (۲) صحیح مسلم مترجم مع شرح نووی مطبوعہ سعودیہ کراچی جلد دوم ص ۲۵۸ یا المعلم ترجمہ صحیح مسلم مطبوعہ صدیقی لاہور ص ۷۵۴، ص ۷۵۵ (۳) سُنن ابو داؤد (عربی) مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر الجزء الثانی ص ۸ حدیث نمبر ۱۲۱۰، ۱۲۱۱ (۴) شرح معانی الآثار طحاوی مطبوعہ مطبع الاسلامیہ لاہور جلد اول ص ۹۵ سطر ۱۸ تا ۲۰ (۵) موطاء امام مالک (عربی) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۱۲۶۔

علماء اہلحدیث کا اعتراف

کتاب ہدیۃ المہدی مطبوعہ میور پریس دہلی جلد اول ص ۱۰۹ میں علامہ وحید الزمان حیدر

آبادی لکھتے ہیں:۔"الجمع بین الصلوتین من غیر عذر ولا سفر ولا مطر جائز عند اھل الحدیث والتفریق افضل "۔یعنی دونمازیں اکٹھی پڑھ لینا، کسی عذر، سفر اور بارش کے بغیر اہل حدیث کے نزدیک جائز ہے اور الگ الگ پڑھنا افضل ہے۔(نوٹ:۔ مذہب امامیہ بھی اسی طرح ہے)

خاک پر سجدہ کرنا

صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعید کراچی جلد اول کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی الخمرہ باب نمبر ۲۶۲ کے صفحہ ۲۲۰ پر حدیث نمبر ۳۷۱۰ یوں موجود ہے۔

حدثنا ابوالولید قال نا شعبة قال نا سلیمان الشیبانی عن عبدالله بن شدادٍ عن میمونة قالت کان النبی صلی اله علیه وسلم یُصلی علی الخمرة.

ابوالولید، شعبہ سلیمان شیبانی، عبداللہ بن شداد، حضرت میمونہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسُولِ خدا ﷺ خمرہ پر (سجدہ گاہ خاک) پرنماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

نوٹ:۔مزید ثبوت کے لئے سُنن کبریٰ بیہقی مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۲ باب الصلوۃ علی الخمرہ ص ۴۲۱ دیکھیے۔

﴿خمرہ کیا چیز ھے؟﴾

کتاب مجمع بحارالانوار مصنفہ علامی محمد طاہر فتنی، مطبوعہ نولکشور جلد اول باب الخاء مع المیم ن ص ۳۷۷ سطر ۱۹ میں "خُمرہ" کے معنے یوں لکھے ہیں:۔

"ج ھی التی یسجد علیھا الآن الشیعه" یعنی یہ وہی خمرہ ہے جس پر اب شیعہ سجدہ کرتے ہیں"۔

نوٹ:۔ اہل سنتہ والجماعتہ (بریلوی) کے رہنما علامہ احمد رضا خان بریلوی نے اپنی تصنیف "حیات المواتٗ" شائع کردہ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور کے ص ۸۵ پر علامہ محمد طاہر کا ذکر یوں کیا ہے:۔ فاضلِ محدث مولانا محمد طاہر فتنی احمد آبادی صاحبِ مجمع بحار الانوار"۔

﴿ارسال الیدین یعنی ہاتھ کھلے چھوڑ کر نماز پڑھنا﴾

مشہور و معروف دیوبندی بزرگ علامہ محمد اسمٰعیل المعروف "شہید" دہلوی مصنف تقویۃ الایمان اپنی کتاب تنویر العینین مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور کے ص ۳۰ پر یوں لکھتے ہیں:۔

"اما ماروی من الارسال عن بعض التابعین من نحوالحسن و ابراهیم و ابن المسیب و ابن سیرین کما اخرجه ابن ابی شیبه فان بلغ عندهم حدیث الوضع فمحمول علے اغم میحسبوه بسنة سنن الهدی بل حسبوه عادة من العادات فما لوالی الا رسال لاصالته مع جواز الوضع وان لم یبلغ عندهم حدیث الوضع فمحمول علی انه لم یثبت عندهم امرالوضع فعلمو ابالارسال بناءً علے الاصل اذالو ضع امرجدید یتاج الی الدلیل"۔

ترجمہ:۔ البتہ ارسال (یعنی نماز میں ہاتھوں کو کھلے چھوڑنا) جو حسن بصری و ابراہیم و ابن مسیّب و ابن سیرین جیسے بعض تابعین سے روایت کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اُس (ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے) کو ابن شیبہ نے نقل کیا ہے۔ تو اگر اُن (تابعین) کو ہاتھ باندھنے کی حدیث پہنچی تھی۔ تو اس پر محمول ہے کہ انہوں نے اس (ہاتھ باندھنے کو ہدایت کی سُنتوں میں سے سُنت ہرگز نہیں سمجھا بلکہ اُن (تابعین) نے اس (ہاتھ باندھنے) کو عادتوں میں سے ایک عادت شمار کیا۔ تو وہ ہاتھ کھولنے ہی کی جانب مائل رہے اُس کے اصل ہونے کی وجہ سے مع جواز اوضع کے۔ اور اگر ہاتھ باندھنے کی حدیث اُن (تابعین) کے پاس پہنچی ہی نہیں۔ تو اس پر محمول ہے کہ ہاتھ باندھنے

(۱) اور اس کے باوجود وہ ہاتھ کھولتے رہے (۲) یعنی لوگوں کی عادت۔ رسُولؐ کی عادت ہوتی تو سُنت سمجھتے۔

(۳) "مع جواز واضع کے" لکھ تو دیا لیکن ثبوت ندارد واجب کو وضع "امر جدید" اور "محتاج دلیل" ہے پھر جواز وضع کے قائل کیسے ہوئے دیکھیے عربی عبارت میں "امر جدید" کے الفاظ ہیں۔

کا حکم ان کے نزدیک ہرگز ثابت نہیں ہوا۔ پس۔ انہوں نے ہاتھ کھولنے کی تعلیم دی اصل ہونے کی بناء پر جب کہ وضع (یعنی ہاتھ باندھنا) امر جدید ہے دلیل کا محتاج ہے۔

نوٹ:۔ اسی طرح روضۃ الندیہ کے ص ۶۵ پر مرقوم ہے۔

۲۔ "تنویر العینین" مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور ص ۲۱ سطر ۱۸ تا ۲۰ میں علامہ محمد اسمعیل دیوبندی دھلوی لکھتے ہیں:۔ "ویحکی انہ حکم بالارسال مع انہ کان مشھوراً فی القرن الاول واتفق علیہ اکثر العلماء فی القرن الاخر وقالوا ایضاً ان ھذا الفع فی ھذہ البلاد تستبیہ بالروافض حیث ترک شیوع مذھب

الحنفیه فلم یبق فاعلوه غیر الشیعه"۔

ترجمہ۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ حکم ہاتھ کھولنے ہی کا ہے۔ ساتھ ہی کہ یہی حکم قرآن اول (یعنی زمانی رسولؐ) میں مشہور تھا اور اسی (ہاتھ کھولنے) پر قرنِ آخر کے علماء کی اکثریت نے اتفاق رکھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان شہروں میں فعل (یعنی ہاتھ کھولنا) رافض سے مشابہ ہونے کی وجہ سے، مذہب حنفیہ کے پروکاروں نے چھوڑ دیا۔ پس اس (ہاتھ کھولنے) کے فعل پر باقی نہ رہے سوائے شیعہ کے۔

نوٹ:۔ کسی کی ضد میں شیعوں نے اصل حکم کو نہیں چھوڑا لیکن علامہ محمد اسمٰعیل المعروف "شہید" دہلوی دیوبندی کا یہ دعویٰ کہ سوائے شیعہ کے ہاتھ کھولنے کے فعل پر کوئی باقی نہ رہا حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ اہلسنت والجماعت میں سے مالکی حضرات ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ امام مالک کا فتویٰ نیچے ملاحظہ ہو۔

۳۔ امام مالک کا فتویٰ

شرح کنز الدقائق مطبوعہ نولکشور ص ۲۵ میں علامہ عینی حنفی تحریر فرماتے ہیں۔ **"قال مالک العزیمه فی الارسال والرخصته فی الوضع والخذ"** یعنی امام مالک نے فرمایا پختہ حکم تو ہاتھ کھولنے کا ہے۔ اور ہاتھ باندھنے کی اجازت ہے"۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

مذہب اہل سنتہ والجماعتہ کی رُو سے آئمہ اربعہ (ابُو حنیفہ۔ احمد حنبل شافعی۔ مالک) میں سے کسی کی فقہ پر عمل کرے۔ تو صحیح ہے۔ اس لحاظ سے امام مالک کا حکم ہونے کی وجہ سے ہاتھ کھول کر نماز

پڑھنا مذاہب اہل سُنۃ والجماعۃ میں صحیح ثابت ہے۔ لہذا ہاتھ کھولنے پر اعتراض کرنا خود مذہب اہل سنۃ والجماعۃ کی مخالفت ہے۔

تاویلِ فرنگی محلی کا جواب

مُفتی عبدالحیٔ فاروقی فرنگی محلی لکھنوی نے "فتاوی عبدالحیٔ" مطبوعہ یوسفی پریس لکھنو جلد اول ص ۱۸۶ میں تو تسلیم کر لیا کہ ارسال (یعنی ہاتھ کھولنے) کی روایات آتی ہیں لیکن پھر یہ تاویل کی ہے کہ ارسال سے مراد ہاتھوں کو باندھنے سے پہلے ذرا سی دیر لٹکانا ہے"۔ جواباً عرض ہے کہ امام مالک اور اُن کے اہل سنۃ والجماعۃ مقلدین نے تو ارسال کے یہ معنے نہیں سمجھے۔ اور مشہور تابعین حسن بصری، ابراہیم، ابن مسیب اور ابن سیرین وغیرہ نے بھی ہاتھ کھول کر ہی نمازیں پڑھیں۔ جیسا کہ تنویر العینین سے نقل ہوا۔ اور علامہ اسمٰعیل دہلوی کی تحریر سے ہاتھ باندھنا امر جدید اور دلیل ثابت ہو چکا۔ پھر اس تاویل کی گنجائش کہاں رہی؟ علاوہ ازیں "تنویر العینین" کی عبارت میں ارسال کے ذکر کے ساتھ "شیعہ" اور "روافض سے تشبیہ" کے الفاظ ثابت کر رہے ہیں کہ وہی ارسال مراد ہے جس پر شیعہ عمل کرتے ہیں۔ مفتی عبدالحیٔ صاحب کی تاویل والا ارسال ہرگز مراد نہیں۔ لہذا تاویل فرنگی محلی درست نہیں۔

ہاتھ باندھنے کے متعلق امام مالک کا حکم

موطا امام مالک (عربی) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۱۴۲ کے حاشیہ کشف المغطاء میں مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی لکھتے ہیں: ۔**قال مالک فی وضع الیمنی علی یسری قال لا اعرف ذلک فی الفریضۃ و کان یکرھہ ولکن فی النوافل اذا اطال القیام فلا با بذلک یعین بہ نفسہ** "۔ یعنی سیدھا ہاتھ بائیں پر رکھنے (ہاتھ باندھنے) کے بارے میں امام مالک نے فرمایا کہ فریضہ (یعنی فرض نماز) میں ہیں اس (ہاتھ

باندھنے) سے واقف تک نہیں ہوں۔ (یعنی امام مالک فرض نماز میں ہاتھ نہیں باندھتے تھے) اور امام مالک اس کو مکروہ جانتے تھے۔ ہاں لیکن نوافل میں جب قیام طول پکڑ جائے تو حرج نہیں کی اپنی جان کی مدد کے لئے ہاتھ باندھ لئے جائیں"۔ ہاتھ باندھنے کے متعلق حاشیہ موطاء کے اُسی صفحہ پر یہ لکھا ہے۔ **اجازھا مالک فی النفل ولم یجزھا فی الفرض۔** یعنی امام مالک نے ہاتھ باندھنے کی اجازت نفل میں دی ہے اور فرض میں اس کی اجازت نہیں دی"۔

ان تمام توضیحات کے بعد مفتی عبدالحیٔ فرنگی محلی والی تاویل کی کہاں گنجائش ہے؟

نماز ہاتھ کھول کر پڑھنے کے ثبوت

دیکھیے شرح صحیح مسلم نوری مطبوعہ نولکشور جلد اول ص ۱۷۳ سطر ۶ (۲) کبریت احمر بر حاشیہ الیواقیت والجواہر ص ۵۱ (۳) نیل الاوطار امام شوکانی مطبوعہ مع حاشیہ عون الباری جلد ۲ ص ۷۶ (۴) تیسیرا الوصول الیٰ جامع الاُصول مطبوعہ نولکشور ص ۳۲۷ سطر ۱۵ تا ۱۸ (۵) جمع الفوائد من جامع الاصول ابن اثیر مطبوعہ مطبعۃ الخیر یہ میرٹھ ص ۷۳ سطر ۳۰ تا ص ۷۴ سطر اول میں ملاحظہ فرمائیے۔

مسئلہ تراویح

چونکہ غیر شیعہ حضرات پوچھتے رہتے ہیں کہ شیعہ تراویح کیوں نہیں پڑھتے؟ اس لئے وضاحت کی ضرورت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ "تراویح" زبان رسولؐ سے ثابت نہیں یہ لفظ بھی بعد میں بنا۔ اور حضرت رسولِ خدا تو ماہِ رمضان کی راتوں میں نمازِ شب یعنی تہجد کے علاوہ "تراویح" نام کی کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری اُردو ترجمہ مطبوعہ نور محمد المطابع کراچی پارہ ۸ جلد اول

کتاب الصوم "نماز تراویح کا بیان" ص ۴۴۸، حدیث ۱۸۵۷ کی عبارت یوں ہے:۔"ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسولِ خدا ﷺ کی نماز رمضان میں کس طرح ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا کہ آپؐ رمضان میں اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نافلہ نماز نہ پڑھتے تھے"۔

نوٹ:۔ایسی ہی روایت صحیح مسلم مترجم مطبوعہ مکتبہ سعودیہ کراچی جلد دوم ص ۲۲۷ میں موجود ہے۔

علامہ وحیدالزمان کا اعتراف

کتاب "ہدیۃ المھدی" مطبوعہ میور پریس دہلی جلد اول کے ص ۱۰۹ پر علامہ اہلحدیث وحید الزمان حیدرآبادی لکھتے ہیں "**وکذلک صلوۃ التراویح فی رمضان سنتہ عنط عنداھل الحدیث وھی التسجد**"۔ترجمہ:۔اور اسی طرح نماز تراویح رمضان میں سُنت ہے اہل حدیث کے نزدیک، اور یہ تہجد ہے۔

نوٹ:۔ جب علامہ اہل حدیث نے تسلیم کرلیا کہ تراویح تہجد ہے پھر رمضان کی قید کیوں لگائی؟ جبکہ "تہجد" غیر رمضان میں بھی سنت ہے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت کی رُو سے بی بی عائشہ کا بیان ہے کہ رسُول خدا رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت ہی پڑھتے تھے یعنی حضورؐ غیر رمضان میں بھی تہجد پڑھتے تھے۔ لہذا تہجد کی نماز غیر رمضان میں بھی سُنت ہے۔ علامہ وحید الزمان اہلحدیث نے رمضان کی قید شاید اس وجہ سے لگائی ہے کہ اُن کے نزدیک تہجد کا نام رمضان میں تبدیل ہوکر "تراویح" ہوجاتا ہے۔ اور جونہی رمضان ختم ہوا پھر "تراویح" سے تبدیل ہوکر تہجد ہوجاتا ہے لیکن علامہ موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ نام کو تبدیل کرنا کس حدیث کی رُو سے ضروری ہے؟

نمازِ تہجد اور جماعت

تمام مسلمان جانتے ہیں کہ نمازِ تہجد باجماعت نہیں پڑھی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی جماعت کا حکم دینے والے اُمتی شخص نے خود ہی اُس کی جماعت کو "اچھی نئی چیز" کہا جیسا کہ صحیح بخاری پارہ نمبر ۸ کتاب الصوم باب "فضل من قام رمضان" میں اور مشکوٰۃ (اُردو ترجمہ) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی جلد اول ص ۲۳۹ حدیث نمبر ۱۲۱۶ میں مرقوم ہے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

جب اُس اُمتی شخص اپنی رائے سے ایک قاری کے پیچھے جمع ہونے (یعنی تہجد کو باجماعت پڑھنے) کا حکم دے کر اُس کو نئی چیز "تسلیم کرلیا تو ہم اُسے "سُنت موکدہ" کیونکر تسلیم کرلیں؟ اگر رسولِ خدا نے تہجد کی جماعت کا حکم دیا ہوتا تو اُس اُمتی کو نئی چیز کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

مزید تفصیل

حسب ذیل کتب موجود ہے:۔ (۱) "الفاروق" مصنفہ شمس العلماء شبلی نعمانی مطبوعہ منصور پریس لاہور حصہ دوم باب اولیات ص ۲۲۳ (۲) اُردو ترجمہ تاریخ الخلفاء سیوطی مطبوعہ صدیقی لاہور ص ۲۳۷۔۲۴۷ (۳) حیوۃ الحیوان علامہ دمیری جلد اول ص ۴۳۱ (کتاب سیرت "محمد رسول اللہ ﷺ" مصنفہ محمد رضا مصری مطبوعہ مصر طبعہ ثالث ص ۱۲۹ سطر ۱۲ (۵) تاریخ ابوالفداء مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۷۴ (۶) "انتقاد الرجیح" صدیق حسن بھوپالی ص ۶۲ و ص ۶۳۔

حکم قرآن سے روزہ افطار کرنے کا صحیح وقت

۱۔قرآن مجید پارہ۲سورۃ البقرہ میں اللہ فرماتا ہے ۱۸۷ **ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ** ترجمہ:۔"پھر پورا کرو روزوں کو رات (ہونے) تک"۔لہذا جب تک رات نہ ہو جائے افطار درست نہیں۔خیال رہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے "**الی المغرب**" نہیں فرمایا "**الی الیل**" فرمایا ہے۔

۲۔کتاب "**فقہ عمر**" مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ و ۳ کتاب "فقہ عمر" میں اس مقام پر دو صحابیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں وہیں دیکھ لئے جائیں) صفحہ ۱۰۰ روایت نمبر ۳۵۶ میں مرقوم ہے کہ حضرت ـــــ اور حضرت ـــــ نمازِ مغرب کے بعد روزہ افطار کرتے تھے۔خیال رہے کہ یہ دو بڑے صحابیوں کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ اُن دونوں صحابیوں نے "**الی الیل**" کا مفہوم یہ سمجھا کہ نمازِ مغرب کے بعد روزہ افطار کیا جائے۔اب یہ فیصلہ خود کر لیا جائے کہ نمازِ مغرب کے بعد روزہ افطار کرنے والوں کے روزے مکروہ ہوئے یا نہیں؟ اور وہ دونوں جو نمازِ مغرب کے بعد افطار کرتے تھے،اُن کا یہ فعل سُنت رسولؐ کے مطابق تھا یا خلاف؟ حقیقت تو یہی ہے کہ وہ جانتے تھے کہ نمازِ مغرب کے بعد افطار کرنا ہی سُنت رسولؐ ہے اور مکروہ نہیں۔

تکبیرات جنازہ اور اذان کا مسئلہ

"حی علی خیر العمل"

الفاظ عہدِ رسالتؐ میں اذان میں پڑھے جاتے (لہذا جزوِ اذان ہیں) تھے لیکن بعد میں ایک اُمتی شخص (جو شارع نہیں تھا) نے منع کر دیا۔ثبوت کے لئے دیکھئے (۱) نیل الاوطار امام شوکانی جلد اول ص ۳۳۹ (۲) صحیح مُسلم مترجم مطبوعہ سعودیہ کراچی جلد دوم ص ۱۰ سطر ۱۷ تا ۲۱ (۳) کنز العمال

مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد۴ص ۲۶۶ حدیث، ۵۴۸۹

نوٹ:۔ ہم شیعیان علی نے اُس اُمتی کے حکم پر عمل نہیں کیا۔

"الصلوٰۃ خیر من النوم"

یہ الفاظ صبح کی اذان میں کہنے کا حکم کس نے دیا؟ یہ بات حسب ذیل کُتب دیکھنے سے معلوم ہو جاتی ہے:۔

(۱) الفاروق" مصنفہ شمس العلماء شبلی نعمانی مطبوعہ منصور پریس لاہور حصہ دوم باب اولیات ۶۶۳ (۲) "روضۃ الاحباب" مصنفہ جمال الدین محدث مطبوعہ امین آباد لکھنوص ۳۰۷ (۳) اُردو ترجمہ "ازالۃ الخفاء" ولی اللہ محدث دہلوی مطبوعہ سعیدی کراچی مقصد دوم ص ۱۵۸ (۴) "نیل الاوطار" امام شوکانی مطبوعہ مع حاشیہ "عون البار" جلد اول ص ۳۴۸ (۵) تحفی عجیب مصنفہ مفتی عبدالحی فاروقی فرنگی محلی لکھنوی ص ۵ (۶) موطاء امام مالک (عربی) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی باب الاذان ص ۵۷ سطر ۵ تا ۷۔

تکبیراتِ جنازہ

نماز جنازہ میں چار سے زیادہ تکبیریں کہنے سے کس نے منع کیا؟ یہ حسب ذیل کُتب میں دیکھیے۔ (۱) تاریخ الخلفاء سیوطی (اُردو) مطبوعہ صدیقی لاہور ص ۲۳ ۔۴۷ (۲) "الفاروق" شبلی نعمانی مطبوعہ منصور پریس لاہور باب اولیات ص ۶۶۳ (۳) تاریخ ابو الفداء (عربی) مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۷۴۔

قیاس کا مسئلہ

صحیح مسلم مترجم شرح نودی مطبوعہ مکتبہ سعود کراچی جلد دوم ص ۲۷ سطر ۱۰ تا ۱۲ میں علامہ

اہلحدیث وحید الزماں حیدر آبادی (مترجم صحیح مسلم) یوں لکھتے ہیں:۔ شروع وہی ہے جو نبیؐ سے ثابت ہو، نہ رائے اور قیاس کسی کا، علی الخصوص جب مخالف نبی ہو اگرچہ سارا جہان اُس کا قائل کیوں نہ ہو"۔

اہلبیتؑ کا فیصلہ

کتاب "دارسات اللبیب" مصنفہ شیخ محمد معین لاہوری مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ص ۴۵ میں لکھا ہے کہ آئمہ اثناء عشر (یعنی آئمہ اہلبیتؑ) قیاس کے قائل نہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادقؑ نے امام ابو حنیفہ سے فرمایا کہ "مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ تو قیاس کرتا ہے پس قیاس مت کیا کر پس تحقیق سب سے پہلے جس نے قیاس کیا ابلیس ہے"۔

مذہب اہلبیتؑ میں اختلاف نہیں

آئمہ اہلبیتؑ کے متعلق دارسات اللبیب کے ۴۵ ہی پر یوں مرقوم ہے۔ "**ومذهب بعضهم مذهم كل كما لا يخفى على من أحاط ببعض خصائص احوالهم**" دینی اُن میں اختلاف نہیں) جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جو اُن کے اہل کی بعض خصوصیات سے پوری واقفیت رکھتا ہے"۔

مسئلہ آمدِ حضرت شہید بانوؑ

حضرت شہر بانوؑ کی آمد کا جو قصہ مذہب امامیہ کی مخالفت کی غرض سے وضع کر کے مشہور کیا گیا ہے اُس کے متعلق اہل سنۃ والجماعۃ کے مشہور و معروف مورخ "شمس العماء" شبلی نعمانی اپنی کتاب

"الفاروق" مطبوعہ نقوش پریس حصہ دوم ص ۴۱۰ میں یوں لکھتے ہیں :۔

اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فنِ تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ربیع الا برار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین علیہ السلام کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے۔ اولاً نوزمخشی کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی اور بلاوزی، ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ اور زمخشیر کا فن تاریخ میں پایہ ہے وہ ظاہر ہے اس کے علاوہ تاریخی قرآن اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یزدگرد اور خاندانِ شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدجزر دمع تمام اہل وعیال دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچ کر ۳۰ھ میں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا اُس کی آل اولاد گر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمحشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدجزر کا قتل کس عہد میں واقعہ ہوا"۔

نوٹ :۔ "الفاروق" مصنفہ شبلی نعمانی کی مندرجہ بالا عبارت نے ثابت کر دیا کہ حضرت عمر کے عہد میں حضرت شہر بانو ہرگز تشریف نہیں لائی تھیں لیکن علامہ شبلی نعمانی نے جو عہد عثمانی کے متعلق لکھا کہ یزدجزر کی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے یہ محض ایک بے ثبوت قیافہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی اس کی تائید میں کوئی حوالہ تحریر نہ کر سکے۔ بلکہ علامہ کو خود اس کا یقین نہ تھا جیسا کہ انہی کے الفاظ "اگر گرفتار ہوئے ہونے" ظاہر کر رہے ہیں۔ لہذا علامہ شبلی کے اس بے ثبوت قیافہ کی کچھ اہمیت نہیں ہے۔ جبکہ اس کے خلاف تاریخی ثبوت بھی موجود ہے کہ حضرت شہر بانو عہد حکومت مولا علیؑ میں تشریف لائی تھیں۔

حضرت شہر بانوؑ کس طرح تشریف لائیں

"روضۃ الصفا" مصنفہ علامہ خاوند شاہ مطبوعہ بمبئی جلد سوم ص ۹ سطر ۴ میں "ذکر احوال علی بن الحسینؑ" میں یوں مرقوم ہے:۔ "امیر المومنین علیؑ حریث ابن جابر حنفی را بحکومت بعضی از بلاد مشرق فرستاد و حریث دو دختر یزدجرد از بدست آوردہ بخدمت آنحضرتؐ آورد و حضرت مقدس امیر المومنین علیؑ شہر بانو را بقرۃ العین حسینؑ داد و دیگری را کہ مسماۃ بیگھان بانو بود بہ محمد ابن ابی بکر ارزانی داشت" یعنی حضرت امیر المومنین علیؑ نے حریث ابن جابر حنفی کو بعض بلادِ مشرق کے انتظام کو بھیجا۔ اور حریث کو یزدجرد کی دو ۲ لڑکیاں مل گئیں۔ تو انہوں نے حضرت علیؑ کے پاس پہنچا دیں۔ حضرت مقدس امیر المومنین علیؑ نے شہر بانو کو قرۃ العین امام حسینؑ کی زوجیت میں دے دیا۔ اور دوسری کو جن کا نام گیہان بانو تھا، حضرت محمدؒ ابی بکر کو عنایت فرما دیا۔

تحقیق افسانہ عقد اُم کلثوم

جس اُم کلثوم کا عقد حضرت عُمر سے ۱۷ھ میں ہوا۔ وہ حضرت علیؑ کی دُختر نہ تھی۔ اس امر کے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

﴿دلیل ۱﴾

"الفاروق" شبلی نعمانی مطبوعہ نقوش پریس لاہور حصہ دوم ص ۵۳۹ اور تاریخ ابو الفداء مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۷۱ میں مرقوم ہے کہ زیر بحث عقد ۱۷ھ میں ہوا۔ اور "ہدایت السعداء" مصنفہ ملک العلما قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الرزانی دولت آبادی ص ۲۵۵ میں مرقوم ہے کہ اُم کلثوم کی عُمر اُس وقت چار سال یا ۴ اور ۵ کے درمیان تھی۔ یعنی سنہ ۱۷ھ میں بوقت عقد اُم کلثوم پورے پانچ سال کی بھی نہ تھی۔ تو یقیناً سنہ ۱۲ھ میں پیدا ہوئی۔ جبکہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی وفات سنہ ۱۱ھ میں

ہو چکی تھی۔ لہذا وہ اُم کلثوم حضرت فاطمہؑ کی دُختر نہیں تھی۔

﴿دلیل ۲﴾

شرح مواقف مطبوعہ نولکشور لکھنوء ص ۷۳۰ میں لکھا ہے کہ حضرت اُم کلثوم (بنتِ علیؑ) نے ہبہ فدک کی گواہی دی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۱ھ میں ہوا۔ لہذا ظاہر ہے کہ حضرت اُم کلثوم کی عمر سنہ ۱۱ھ میں کم از کم چھ سال تو ہوگی تاکہ گواہی دینا ممکن ہو۔ پھر سنہ ۱۷ھ میں بالغ تھیں لیکن وہ عقد والی اُم کلثوم سنہ ۱۷ھ میں چار پانچ سال کی کمسن اور نابالغ تھی لہذا وہ کوئی اور ام کلثوم تھی۔ دُختر علیؑ و زہراؑ ہرگز نہ تھی۔

﴿دلیل ۳﴾

"الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب" مصنفہ علامہ ابن عبدالبر مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۲ ص ۷۹۵ اور تاریخ الخمیس علامہ حسین بن محمد دیار بکری مطبوعہ مطبعتہ العامرۃ العثمانیہ مصر جلد ۲ ص ۳۱۸ سطر ۲۵ تا ۳۰ میں لکھا ہے کہ "عقد کے بعد اُم کلثوم سے دو بچے زید اور رُقیہ پیدا ہوئے زید جوان ہوئے اور ایک خانہ جنگی میں زخمی ہو گئے پھر زید اور اُن کی والدہ اُم کلثوم دونوں کا انتقال ایک ساتھ ہو گیا۔ اُن دونوں کی نماز جنازہ عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص اور امام حسنؑ نے پڑھی"۔

لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عمر کی (سنہ ۱۷ھ کے عقد وال) زوجہ اُم کلثوم، حضرت امام حسنؑ کی شہادت سے پہلے ہی انتقال کر چکی تھی جبکہ امام حسنؑ کی شہادت سنہ ۵۰ میں ہوئی۔ دیکھئے تاریخ الامم والملوک ابن جرزی طبری مطبعتہ الحسینیہ قاہرہ مصر جلد ۱۲ ص ۱۵۔ ثابت ہوا کہ اُم کلثوم زوجہ حضرت عمر سنہ ۵۰ کے بعد ہرگز موجود نہ تھی۔ لیکن "الاخبار الطوال" (مطبوعہ بریل لیدن) مصنفہ ابوحنیفہ احمد بن

داؤد دینوری ص ۲۴۲، روضۃ الاحباب جلد ۳ ص ۵۸۵ اور نہایہ ابن اثیر بیان لغتہ فرث ص ۲۶۸ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ و فاطمہ زہراؑ کی دختر حضرت اُم کلثوم سنہ ۶۱ ھ میں کربلا میں موجود تھیں۔ بلکہ واقعہ کربلا کے کافی عرصہ بعد حضرت زینبؑ بنت علیؑ کی وفات ہوئی تو حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؑ سے حضرت اُم کلثوم کا عقد ہوا جیسا کہ تاریخ الخمیس مصنفہ علامہ حسین بند محمد یار کبری مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر الجزء الثانی ص ۳۱۸ سطر ۲۱ تا ۲۳ میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت عونؑ کے وفات کے بعد محمدؑ بن جعفرؑ سے اور ان کی وفات کے بعد عبداللہ بن جعفرؑ میں تھیں۔ اور سنہ ۶۱ (واقعہ کربلا) تک حضرت زینبؑ یقیناً زندہ تھیں۔ لہذا حضرت اُم کلثوم بنت علیؑ کا عقد حضرت عبداللہ بن جعفرؑ سے یقیناً سنہ ۶۱ ھ کے بعد ہی ہوا۔ تو ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ و زہرا کی بیٹی حضرت اُم کلثوم سنہ ۶۱ ھ تک زندہ تھیں بلکہ اس کے بعد بھی کافی عرصہ زندہ رہیں۔ لیکن سنہ ۱۷ ھ کے عقد والی اُم کلثوم زوجہ حضرت عمر کا انتقال سنہ ۵۰ سے پہلے ہو چکا تھا۔ تو یقیناً وہ حضرت علیؑ کی دختر نہ تھی بلکہ کوئی اور اُم کلثوم تھی۔

﴿دلیل ۶﴾

مورخین تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت اُم کلثومؑ کا عقد عونؑ بن جعفرؑ سے ہوا تھا۔ دیکھئے تاریخ الخمیس علامہ دیار بکری مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر الجزء الثانی ص ۳۱۸ سطر ۲۱ تا ۲۳۔ لیکن یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت عونؑ بن جعفرؑ کی وفات کے بعد حضرت عمر سے عقید ہوا۔ کیونکہ تاریخ الخمیس وغیرہ میں لکھا ہے کہ عونؑ بن جعفرؑ کے بعد محمدؑ بن جعفرؑ سے عقد ہوا اور اُن کے بعد عبداللہ بن جعفر سے۔ اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ حضرت عمر کی وفات کے بعد عونؑ بن جعفرؑ سے عقد ہوا تو یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ وفاتِ حضرت عمر کے بعد حضرت عونؑ بن جعفرؑ موجود ہی نہ تھے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب "اصابہ فی تمیز الصحابہ" مطبوعہ مطبعۃ الشرفیہ مصر الجزء الخامس ص ۵، حرف العین ترجمہ

نمبر ۶۱۰۲، ترجمہ عون "بن جعفر" ص ۴۵ سطر ۲ میں یوں لکھا ہے۔ "**وقال ابو عمر استشهد عون بن جعفر فی تستر و ذلک فی خلافة عمر و ماله عقب**"

ترجمہ:۔ "اور ابو عمر نے کہا عونؑ بن جعفرؑ تستر (کی لڑائی) میں شہید ہوئے اور یہ واقعہ حضرت عمر کے عہد حکومت میں ہوا۔ اور عونؑ کوئی اولاد نہیں چھوڑ گئے"۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت اُم کلثوم بنت علیؑ کا عقد حضرت عونؑ بن جعفرؑ سے تستر کی لڑائی سے پہلے ہی ہوا۔ ثابت ہوا کہ حضرت عمر بن خطاب کی زندگی اور اُن کے عہد حکومت میں ہی حضرت اُم کلثوم بنت علیؑ حضرت عونؑ بن جعفرؑ کے عقد میں تھیں۔ تو سنہ ۱۷ھ کے عقد والی اُم کلثوم زوجہ حضرت عمر یقیناً کوئی اور اُم کلثوم تھی۔ حضرت علیؑ کی دُختر نہ تھی۔

زُبیر بن بکار کی روایت

جب کہ مضبوط دلائل سے ثابت ہو گیا کہ سنہ ۱۷ھ میں جس اُم کلثوم کا عقد چار سال کے سن میں حضرت عمر سے ہوا اور جس کا انتقال سنہ ۵۰ھ سے پہلے ہوا۔ وہ ہرگز دُختر علیؑ نہ تھی۔ پھر حضرت اُم کلثوم بنت علیؑ کے متعلق زُبیر بن بکار کی روایت کا موضوع ہونا یقینی امر ہے۔ خواہ وہ روایت کسی شیعہ کتاب میں یا سُنی کتاب میں ہو۔ یہی وجہ کہ مشہور شیعہ مجتہد شیخ مفید علیہ الرحمہ کا ارشاد شیعہ کتاب "مرأۃ العقول" میں یوں موجود ہے کہ "یہ روایت ہرگز ثابت نہیں بلکہ زبیر بن بکار نے بُغض علیؑ کی وجہ سے (وضع کر کے) بیان کی"۔

﴿وہ اُم کلثوم کون تھی﴾

حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد اُن کی ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی جس کا نام اُم کلثوم رکھا گیا تھا۔ ثبوت کے لئے حسب ذیل کتب اہل سنۃ والجماعۃ ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) تاریخ الامم والملوک ابن جریطبیر مطبعة الحسینیه قاہرہ مصر الجزء الثانی ص ۵۰ (۲) تاریخ کامل علامہ ابن الاثیر مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۱۶۱ سطر ۲۴ (۳) تاریخ الخمیس مطبوعہ مطبعة العامرة العثمانیہ مصر جلد ۲ ص ۲۶۷ (۴) الاصابی فی تمیز الصحابہ مصنفہ حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعة الشفیہ مصر الجزء الثامن ص ۲۸۶ سطر ۲۰، اور الجزء الثالث ص ۲۷ ترجمہ زید بن خارجہ اور الجزء الثالث ص ۲۱۱ سطر ۲۰ باب ش یم ترجمہ الشماخ۔

چونکہ بی بی عائشہ، کلثوم بنت ابوبکر کی بڑی بہن تھیں۔ اس وجہ سے حضرت عمر نے بی بی عائشہ کے پاس اُم کلثوم کے لئے پیغام نکاح بھیجا تھا اور بی بی عائشہ رضامند ہوگئی تھیں۔ ثبوت کے لئے دیکھئے تاریخ الخمیس مطبوعہ مطبعة العامرة العثمانیہ مصر جلد ص ۲۶۷، تاریخ کامل ابن اثیر مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۲۱ اور "الاستعیاب فی معرفة الاصحاب" ابن عبدالبر مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۲ ص ۷۹۵۔ مزید یہ کہ اُم کلثوم بنت حضرت ابوبکر ہی کی عمر سنہ ۱۷ھ میں چار سال کے قریب ہوسکتی ہے۔ ان قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۷ھ میں جس اُم کلثوم کا عقد ہوا وہ بنت ابوبکر ہی تھی بہر حال حضرت اُم کلثوم بنت علیؑ کا عقد حضرت عمر سے ہرگز نہیں ہوا اور یہ ممکن بھی نہیں تھا۔

کیا وہ رسول اللہ کی بنات تھیں؟؟

حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے علاوہ رسُولِ خدا کی جو بیٹیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اُن کے نام زینب اور، رُقیہ ۲، اور اُم کلثوم ۳، ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے علاوہ حضرت رُسولِ خدا کی کوئی حقیقی بیٹی نہ تھی۔ بلکہ حضور یتیموں کی پرورش فرمایا کرتے تھے اسی طرح ان تینوں (یعنی زینب ورقیہ واُم کلثوم) کی بھی پرورش فرمائی۔ اور حضورؐ کے گھر میں پرورش پانے کی وجہ سے اُنہیں رسُولؐ کی بیٹیاں سمجھ لیا گیا۔ یہ وجہ ہے کہ خود غیر شیعہ مورخین بھی اس امر پر متفق نہیں کہ وہ رسول اللہؐ کی بیٹیاں تھیں۔

جیسا کہ سیرۃ ہشام مطبوعہ مطبعتہ مصطفیٰ البابی الحبی واولادہ مصر میں "ذکر أزواجه صلی الله علیه وسلم" میں حضرت خدیجہؑ کے متعلق یوں مرقوم ہے۔

"وكانت قبله عند أبى هالة بن مالك، أحد بنى أسيد بن عمرو بن تميم، حليف بنى عبدالله ار فولدت له هند بن أبى هالة و زينب بنت أبى هالة" یعنی حضرت خدیجہؑ، حضورؐ سے پہلے ابو ہالہ بن مالک کے پاس تھیں جو بنی عبدالدار کے حلیف قبیلہ بنی اسید بن عمرو بن تمیم کا فرد تھا۔ پس حضرت خدیجہؑ سے اُس (ابو ہالہ کے دو بچے) پیدا ہوئے ہند بیٹا ابو ہالہ کا اور زینب بیٹی ابو ہالہ کی"۔ (خیال رہے سیرۃ ابن ہشام مذہب امامیہ کی کتاب نہیں ہے)۔

نوٹ:۔ تاریخ الخمیس مطبوعہ مطبعتہ العامرۃ العثمانیہ مصر الجزء الاول ص ۲۹۷ سطر ۳ میں زینب کو ابو ہالہ کی بیٹی لکھا ہے۔ اور الاصابہ فی تمیز الصحابہ مصنفہ حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعتہ الشرفیہ مصر الجزء السادس حرف النون باب ھ۔ن ترجمہ ۹۰۰۸ میں یوں مرقوم ہے:۔

"وكانت قبله عند أبى هالة بن مالك، أحد بنى أسيد بن عمرو بن تميم، حليف بنى عبدالدار فولدت له هندبن أبى هالة وزينب بنت أبى هالة" یعنی حضرت خدیجہ، حضورؐ سے پہلے ابو ہالہ بن مالک کے پاس تھیں جو بنی عبدالدار کے حلیف قبیلہ بنی اُسید بن عمرو بن تمیم کا فرد تھا۔ پس حضرت خدیجہؑ سے اُس (ابو ہالہ کے دو بچے) پیدا ہوئے ہند بیٹا ابو ہالہ کا اور زینب بیٹی ابو ہالہ کی۔ (خیال رہے سیرۃ ابن ہشام مذہب امامیہ کی کتاب نہیں ہے)

نوٹ:۔ تاریخ الخمیس مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر الجزء الاول ص ۲۹۷ سطر ۳ میں بھی زینب کو ابو ہالہ ہی کی بیٹی لکھا ہے۔ اور الاصابہ فی تمیز الصحابہ مصنفہ حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الشرفیہ مصر الجزء السادس ۲ حرف النون باب ھ۔ن ترجمہ ۹۰۰۸ میں یوں مرقوم ہے:۔

"ھند بن أبی ھالة التمي ربيب النبی صلى الله عليه وآله وسلم اُمه خديجه زوج النبی صلى الله عليه واله وسلم "۔یعنی ہند بیٹا ابو ہالہ تمیمی کا، نبی کا پرورش کیا ہوا اُس کی ماں خدیجہ زوجہ پیغمبرؐ ہیں"۔ سیرت ابن ہشام اور اصابہ کی مندرجہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہے کہ ہند بن ابو ہالہ اور زینب بنت ابو ہالہ دونوں یتیم بچے تھے۔ جن کو رسولؐ نے پالا تھا۔ حضورؐ کے گھر میں پرورش پانے کی وجہ سے زینب بنت ابو ہالہ کو رسولؐ کی بیٹی سمجھ لیا گیا۔ اسی طرح رُقیہ واُم کلثوم بھی رسُولِ خداؐ کی پالی ہوئی تھیں۔ حضورؐ کی بیٹیاں نہیں تھیں۔ جیسا کہ الاصابی فی تمیز الصحابہ مصنفہ حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الشرفیہ مصر جلد ۴ الجز الثامن ۸ ص ۲۷۳ سطر ۲۴ ترجمہ ۱۴۶۴ سے اُم کلثوم کا ربیبہ یعنی پالی ہوئی ہونا ثابت ہے۔ "(اُم كلثوم) بنت ابی سلمة بن عبدالاسد بن عبدالعزی المخزومية ربيبه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم"یعنی اُم کلثوم ابی سلمہ بن عبدالعزیٰ کی بیٹی قبیلہ بنی مخزوم سے تھیں۔ رسولؐ کی پالی ہوئی تھیں۔

﴿قرآن میں لفظ بنات﴾

قرآن میں جو لفظ بنات آیا ہے اُسی طرح آئی مباہلہ بھی حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے لئے صیغہ جمع "نسانا" آیا ہے۔ اور حسنینؑ کے لئے ابناء نا بھی جمع ہے۔ حالانکہ عربی میں جمع تین سے شروع ہوتی ہے۔ لہذا صیغہ جمع کو دلیل بنانا درست نہیں علاوہ ازیں حسنینؑ جس طرح نواسے ہو کر "ابناء نا" کے

مصداق ہیں اسی طرح جناب سیدہؑ کی بیٹیاں زینبؑ واُم کلثوم بنات میں شامل ہیں۔

«"نُورین"»

رقیہ اوراُم کلثوم کو جولوگ "نُورین" (یعنی دو۲ نور) کہتے ہیں اُنہیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ وہ دونوں مُبینہ نور کافی عرصہ ابولہب کے کافر بیٹیوں عتبہ اور عتیبہ کی ازواج کی حیثیت سے رہیں۔ جیسا کہ "مواہب لدُنیہ" قسطلانی مطبعۃ الشرفیہ مصر جلد اول ص ۱۹۷ سطر ۲ تا ۶ اور "مروج الذہب" مسعودی مطبوعہ مص الجزاء الثانی ص ۲۹۸ سطر ۳۔۴ کے علاوہ دیگر کُتب میں تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن عتبہ عتیبہ، اُن "نُورین" کے شوہر رہنے کے باوجود ایمان والے نہیں ہوئے۔ نہ ہی اُن کافروں کی کوئی فضیلت ثابت ہوسکتی ہے۔ پھر بھلا محض رشتہ زوجیت کو دلیل فضیلت بنانا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ فرعون آسیہ کا شوہر ہونے کے باوجود فرعون ہی رہا۔ اور حضرت لوط کی بیوی نبیؑ کی بیوی ہونے کے باوجود گمراہ رہی اور عذاب میں مبتلا ہوئی۔

مزید یہ کہ ضروری نہیں کہ نبی کی ہر اولاد نور ہو۔ ورنہ آدمؑ کا بیٹا قابیل اپنے بھائی حضرت ہابیل کو شہید نہ کرتا۔ حضرت نوحؑ کا بیٹا کنعان غرق نہ ہوتا۔ اور بنیامینؑ کو چھوڑ کر باقی برادرانِ یُوسفؑ، نبی کی اولاد ہونے کے باوجود یُوسفؑ کو کنوئیں میں نہ پھینکتے۔ لہذا ثابت ہوا کہ نبی کی ساری اولاد نور نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف وہی اولاد نور ہوتی ہے جسے اللہ نے نور سے پیدا کیا ہو۔ تو جب تک قرآن وحدیث سے کسی کا نور ہونا ثابت نہ ہو اُسے نور کہنا کیونکر درست ہوگا حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ رسُولؐ خدا نے رُقیہ اوراُم کلثوم کو "نورین" فرمایا ہو۔ بلکہ اُن دونوں کے متعلق یہ بھی ثابت نہیں کہ وہ رسولؐ کی بیٹیاں تھیں۔

یا علیؑ آپ کو تین شرف ایسے دیئے گئے

کتاب اہل سنتہ والجماعتہ "ریاض النفرہ فی مناقب العشرہ" مصنفہ محب طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۰۲ میں یہ حدیث رسولؐ موجود ہے:۔ "عن ابی الحمرا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعلی اوتیت ثلثالم یرتھن احد والا انا اوتنیت صھراً مثلی ولم اوت انا مثلی واوتیت زوجہ صدّیقیقہ مثل ابتنی ولم اوت مثلھا زوجتہ واوتیت الحس و الحسین من صلبک ولم اوت من صلبی مجھلہ ولکنکم منی دانا منکم"۔ ترجمہ:۔ ابوالحمراءؓ (صحابی رسولؐ) سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا "تجھے تین چیزیں ایسی دی گئی ہے جو کسی کو نہیں دی گئیں اور نہ ہی مجھے دی گئیں۔ (۱) تجھے مجھ جیسا خسر دیا گیا اور مجھے ایسا نہیں دیا گیا۔ (۲) تجھے صدیقہ زوجہ دی گئی میری بیٹی جیسی، اور مجھے ویسی زوجہ نہیں دی گئی۔ (۳) تجھے حسنؑ اور حسینؑ دیئے گئے تیرے صلب سے اور مجھے اُن دونوں جیسے میرے صُلب سے نہیں دیئے گئے۔ ہاں مگر تم مجھ سے ہو۔ اور میں تم سے ہوں"۔ (نوٹ:۔ یہ حدیث فردوس الاخبار دیلمی اور شریف النبوۃ ابوسعد میں بھی موجود ہے)

﴿توجہ فرمائیں﴾

فرمان رسولؐ سے ثابت ہوا کہ علیؑ کو تین چیزیں دی گئیں وہ کسی کو بھی نہیں دی گئیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ جیسا خسر ملا یعنی رسولؐ اعظم سوائے حضرت علیؑ کے کسی کے خسر نہیں۔ لہذا حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے سوا رسولؐ کی کوئی دُختر نہ تھی۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ صدیقہ حضرت فاطمہؑ ہیں۔

احوال مصاحف قرآن

ہم پیرا کاران مذہب امامیہ، قرآن مجید میں کسی لفظی کمی بیشی کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ ہمارے مشہور عالم دین شیخ صدیق علیہ الرحمہ نے "اعتقادیہ" وضاحت فرمادی ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ کمی بیشی کی تمام روایات (خواہ کسی فرقہ کی کتابوں میں ہوں) قطعاً مرضی اور نا قابل اعتبار ہیں۔ لیکن آیات اور سورتوں کی مروجہ موجود ترتیب، نزول کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔ جیسا کہ اہل علم اس امر سے واقف ہیں کہ غار حرا میں قرآن مجید کا نزول، سورہ اقراء سے شروع ہوا۔ لیکن موجودہ ترتیب میں قرآن مجید اس سورۃ سے شروع نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو آیات آخر میں نازل ہوئی تھیں۔ موجودہ ترتیب میں قرآن مجید ان پر ختم نہیں ہوتا لیکن قرآن مجید بالکل مکمل ہے کوئی لفظ کم یا زیادہ ہرگز نہیں ہے۔ البتہ اعراب حجاج بن یوسف نے لگائے ہیں۔ اور اس رسوائے زمانہ ظالم سے کوئی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

جس زمانہ میں موجودہ ترتیب کو رائج کیا گیا تھا اس دور میں بعض اصحاب رسولؐ کے پاس قرآن مجید کے ایسے مصاحف موجود تھے جن کی ترتیب بھی وہی تھی جس ترتیب سے نزول ہوا تھا۔ لیکن مجوزہ ترتیب کو رائج کرنے کے لئے، اُن موافق نزول ترتیب والے مصاحف کا کیا بندوبست کیا گیا۔ یہ بات معلوم کرنے کے لیے حسب ذیل کتب دیکھ لی جائیں۔

(۱) صحیح بخاری مُترجم مطبوعہ سعدی کراچی جلد ۲ کتاب فضائل القرآن ص ۹۹۰ و ص ۹۹۱ حدیث، ۲۰۹۶ (۲) مشکوۃ (اردو) مطبوعہ نور محمد اصح لمطا کراچی جلد اول ص ۳۷۳ (۳) الاتقان فی علوم القرآن سیوطی (اردو) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی حصہ اول ص ۱۴۹ (۴) صواعق محرقہ ابن حجر مکی مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۹ء ۸ (۵) تذکرۃ الکرام ص ۲۳۷ (۶) اُردو ترجمہ تاریخ اعثم کوفی مطبعہ بمبئی ص ۱۴۷ (۷) تحفہ نذریہ مطبوعہ رفاہ عام لاہور ص ۵۵، ص ۵۶ (۸) تاریخ الخمیس مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ

العثمانیہ مصر الجزء الثانی ص ۳۰۴ سطر ۳۱ (۹) روضۃ الصفاء مطبوعہ بمبی جلد ۲ ص ۲۲۸ سطر ۲۵۔۲۶ (۱۰) روضۃ الاحباب مطبوعہ انور محمدی لکھنو، جلد ۲ ص ۲۲۹ سطر ۳۔۲ (۱۱) سیرت حضرت عثمان مصنفہ آغا زرفیق بلند شہری مطبوعہ مقبول عام پریس لاہور ص ۵۳ آخری سطر تا ص ۹۴ پہلی سطر۔

حضرت عمر کا
دروازہ سیدہ کونینؑ کو آگ لگانا

رواداری کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اس واقعہ کے حالات لکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے شائقین تحقیق حضرات کے لئے محض ایسے حوالے لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے حالات معلوم ہو سکیں۔ کہ دروازے کو آگ لگائی اور ملکیۃ الجنت کے بطن مطہر پر گرایا!!! کوڑا مارا طمانچہ مارا گیا اور گھر میں گھس کر مولائے کائنات کے گلے میں رسی ڈال کر مدینے کی گلیوں میں گھسیٹا گیا!!! اس کے نتیجے میں حضرت محسنؑ قبل از ولادت شہید ہوئے اور چالیس دن میں ملکیۃ الجنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ٹکڑا یہ کہتے ہوئے دنیا سے چلیں کے بابا سے شکایت کرونگی کہ آپ کی اُمت نے وہ مصائب توڑے کہ اگر دنوں پر پڑتے تو راتوں میں بدل جاتے پھر وصیت فرماتی ہے یا علی ان کو میرے جنازے میں شریک نہ ہونے دینا اور رات میں جنازہ اٹھانا۔ واہ مسلمانوں یہودی و عیسائی تو حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی نعلین بھی تبرکاً رکھیں اور تم نے تو اہلبیتؑ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ سلوک کیا!!!

(۱) الملل والنحل مصنفہ ابو الفتح عبدالکریم شہرستانی مطبوعہ بمبئی جلد اول ص ۳۵ (۲) انساب الاشراف علامہ بلاذری مطبوعہ دارلامعارف مصر جلد اول ص ۵۸۶ سطر ۳۔۴ (۳) "الامامۃ والسیاستہ" ابن قتیبہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۰ (۴) "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" علامہ ابن عبدالبر مطبوعہ حیدر

آبادوکن جلداول ص ۴۴۵ (۵) منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد حنبل مطبوعہ مصر جلد۲ ص ۴۷ اپہلی سطر (۶) تاریخ ابو الفد مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۵۶ (۷) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی مطبوعہ عیسی البابی الحلبی مصر الجزء الثانی ص ۴۵۔

ضروری توجہ فرمائیں

اگر مندرجہ بالا کتب دیکھنے کے بعد کوئی شخص شہادت محسنؑ کا انکار اس شبہ کی بنا پر کرے کہ حضرت محسن کا نام اُن کی ولادت سے پہلے ہی کیونکہ قرار پا گیا؟ تو شبہ کرنے والے کو غور کرنا چاہیئے کہ امام مہدی علیہ السلام کا اسم گرامی اُن کی ولادت سے پہلے قرار پا گیا تھا اور پیغمبر اسلامؐ نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ خود حضرت رسول نے بتا دیا تھا جیسا کہ بشارت عیسیٰ قرآن مجید میں موجود ہے اسی طرح حضرت یحییٰ کا اسم گرامی بھی ملائکہؑ نے حضرت ذکریاؑ کو فرزند کی بشارت دیتے ہوئے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے تینوں فرزندوں کے اسمائے مبارک، حضرت رسول خداؐ نے پسران ہارونؑ (شبر، شبیر، مشبر) کے اسماء کے مطابق عربی زبان میں حسنؑ، حسینؑ اور محسن قرار دیئے تھے دیکھئے کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن جلد ۶ ص ۱۲۲ حدیث نمبر ۲۹۰۰۔

اصحاب کا جہاد سے فرار ہونا

ہر مومن یہ تسلیم کرتا ہے کہ میدان جہاد میں قتل ہونے والا مومن "شہید" اور اللہ کی راہ میں ثابت قدمی سے لڑ کر زندہ بچ رہنے والا غازی اور مستحق ثواب عظیم ہوتا ہے۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہو وہ میدان جہاد سے ہرگز فرار نہ ہوگا۔ کیونکہ اُسے اپنی جان سے زیادہ خدا اور رسول کی محبت ہوتی ہے لیکن جس کے دل میں ایمان نہ ہو، اُسے خدا اور رسولؐ سے محبت نہیں ہوتی بلکہ اپنی زندگی محبوب ہوتی

ہے۔وہی شخص میدان جنگ سے بھاگ سکتا ہے۔میدان جہاد سے بھاگنا ایمان کے خلاف اور بزدلی کی علامت ہے۔لہذا جہاد سے فرار ہر لحاظ سے مذموم ہے۔

غزوہ اُحد

زمانہ رسولؐ میں جنگ اُحد ہوئی تو اُس وقت حضرت رسول خداؐ نے اپنے پچاس تیرانداز صحابیوں کو اُحد پہاڑ کے درہ پر مقرر فرما کر، حکم دیا کہ جب تک میں حکم نہ دوں یہاں سے ہرگز نہ ہٹنا۔ لیکن حکم رسولؐ پر کیسا عمل ہوا؟ یہ بات حسب ذیل کتب دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے:۔

(۱) "مدارج النبوۃ" شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ نولکشور کانپور جلد ۲ ص ۱۶۱ اور ص ۱۶۲ سطر ۱۹ تا ۲۳ (۲) تاریخ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد اول جزو سیول ص ۲۷ سطر ۲۹ (۳) منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد حنبل جلد اول ص ۴۲۹ سطر ۱۳ (۴) تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد پنجم ص ۳۰۱ (۵) تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۱۰۸ و ص ۴۷ (۶) تفسیر درمنثور سیوطی مطبوعہ مصر تفسیر سورۃ ال عمران جلد ۱ ص ۸۹ (۷) تاریخ طبری مطبوعہ مطبعۃ الحسینیہ قاہرہ مصر جلد ۳ ص ۲۱ (۸) "الفاروق" شبلی نعمانی مطبوعہ انشاء پریس لاہور طبع پنجم ص ۹۵ (۹) ازالہ الخفاء ولی اللہ محدث دہلوی (اُردو ترجمہ) مطبوعہ سعیدی کراچی مقصد دوم ص ۷۹ سطر ۴ اور مقصد دوم ص ۲۸ (۱۰) نہایہ ابن اثیر مطبوعہ مطبعۃ العثمانیہ مصر الجز الثالث ص ۲۲۹ سطر ۱۰ (باب الواؤ مع القاف) (۱۱) "ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" محب طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۰۲ (۱۲) تاریخ الخمیس مطبوعہ مصر جلد اول ص ۴۸۵ سطر ۱۷۔ (۱۳) روضۃ الصفاء مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص ۹۱ سطر ۲۵ (۱۴) روضۃ الاحباب مطبوعہ انوار محمدی لکھنو جلد اول ص ۲۶۱ (۱۵) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۲ (کتاب المغازی) ص ۵۴۲ روایت ۱۲۳۶۔

نوٹ:۔ اگر کسی پہلے جرم کی معافی دے کر عدالت ضمانت پر چھوڑ دے۔ اُس کے بعد وہی شخص پھر ارتکاب جرم کرے تو سزا زیادہ سخت دی جاتی ہے۔ اسی طرح میدان جہاد سے چلے جانے والوں کو اُحد میں معافی دے دی گئی تھی لیکن معافی کے بعد اللہ نے قرآن مجید میں یہ انتباہ شدید بھی نازل فرمادیا تھا:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝١٥ وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝١٦ قرآن مجید پارہ ۹ سورۃ الانفال) ترجمہ اشرف علی تھانوی صاحب۔ "اے ایمان والو جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو اُن سے پشت مت پھیرنا۔ اور جو شخص اُن سے اس موقع پر (مقابلہ کے وقت) پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنےٰ ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آ جاوے گا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے"۔ قرآن مجید سورۃ الانفال کے مندرجہ بالا فرمان قدرت کی رُو سے جہاد سے بھاگنے والے مغضوب علیہم اور جہنمی قرار پائے لیکن اس قدر شدید انتباہ کے بعد خیبر اور حُنین میں کیا ہوا؟ یہ بات حسب ذیل کتب سے معلوم ہو سکتی ہے۔

﴿خیبر﴾

"انوار اللغتہ" مصنفہ علامہ اہلحدیث وحید الزمان حیدر آبادی مطبوعہ فیض عام بنگلور پارہ ۲۲ص ۳۶ (۲) "سیرۃ النبی" شبلی نعمانی مطبوعہ مکتبہ مصطفائی کشمیری بازار لاہور حصہ اول ص ۴۸۶ (۳) ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" محب طبری مطبوعہ مصر ص ۱۸۷ (۴) "تاریخ الامم

واللوک "طبری مطبوعہ مطبعتہ الحسینیہ قاہرہ مصر جلد ۳ ص ۹۳ (۵) "روضتہ الصفاء" مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص ۱۳۹ (۶) "روضتہ الاحباب" مطبوعہ انوار محمدی لکھنو جلد اول ص ۳۸۵ (۷) منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۴۵ سطر ۲ (۸) ازلتہ الخفاء ولی اللہ محدث مطبوعہ نولکشور مقصد دوم ص ۵۹۰ (۹) خصائص نسائی مترجم مطبوعہ محمدی لاہور ص ۱۲۔

نوٹ:۔ حدیث پیغمبرؐ کے الفاظ "کرار غیر فرار" منتخب کنز العمال اور انوار اللغتہ وحید الزماں میں موجود ہیں۔ مزید دیکھئے روضتہ الاحباب جمال الدین محدث مطبوعہ تیغ بہادر امین آباد جلد اول ص ۳۸۵۔

غزوہ حنین

اس مقام پر یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ بیعت رضوان" جنگ حنین سے پہلے ہو چکی تھی جس میں یہ عہد لیا گیا تھا کہ جہاد سے آئندہ کبھی نہ بھاگیں گے" جیسا کہ الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب علامہ ابن عبد البر مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد اول خطبتہ الکتاب ص ۲ سطر ۱۰۔۱۱ میں حضرت جابرؓ (صحابی رسولؐ) کی روایت موجود ہے کہ ہم اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم کبھی نہ بھاگیں گے۔ مزید دیکھئے۔ مسند امام احمد حنبل مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص ۳۸۱ سطر ۷۔۸ اور ص ۳۹۶ سطر ۹۔۱۰ (مسند جابر بن عبد اللہ) قرآن بھی اس کی شہادت دیتا ہے جیسا کہ پارہ ۲۱ سورہ احزاب میں اللہ فرماتا ہے:۔

"۱۵ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْاَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا ہ "ترجمہ۔ اشرف علی تھانوی صاحب "حالانکہ یہی لوگ پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹ نہ پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اُس کی باز پرس ہوگی"

چونکہ جہاد سے کبھی نہ بھاگنے کا عہد "بیعت رضوان" میں درخت کے نیچے ہوا تھا اسی لئے

اُس کو "بیعت الشجرہ" یعنی "درخت والی بیعت" کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے جنگ حنین میں حضرت عباسؓ نے "یا اصحاب الشجرہ" یعنی "آئے اُس درخت والے اصحاب" کہ کر آواز دی تھی یہ تفسیر حسینی خاتمہ واعظ کاشفی (یا اُردو ترجمہ سینی یعنی تفسیر قادری) میں ملاحظہ فرمائیں اور جنگ حُنین کا پورا حال معلوم کرنے کے لئے حسب ذیل کُتب دیکھئے۔

(۱) تفسیر حسینی (فارسی) مطبوعہ نولکشور جلد اول ص ۲۴۴ یا تفسیر قادری (اُردو ترجمہ تفسیر حسینی) پارہ ۱۰ سورہ توبہ آیت "ویوم حُنین" کی تفسیر (۲) روضۃ الصفاء مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص ۱۵۴ (۳) تاریخ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد سول ص ۶۵ سطر ۴ (۴) "تاریخ الخمیس" مطبوعہ مطبعۃ العامرہ العثمانیہ مصر الجزء الثانی ص ۱۱۳ سطر ۹ (۵) "روضۃ الاحباب" جمال الدین محدث مطبوعہ انوار محمدی لکھنو جلد اول ص ۴۵۰ (۶) "معارج النبوۃ" معین کاشفی مطبوعہ نولکشور جلد ثانی رکن چہارم ص ۲۵۶۔

جنگ حُنین کا حال قرآن مجید میں خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

"**ویوم حُنین ازاعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بمارحبت ثم ولیتم مدبرین**" ترجمہ اشرف علی تھانونی صاحب:۔

"اور حُنین کے دن جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی۔ پھر آخر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے" (دیکھئے قرآن مجید مترجم اشرف علی تھانوی صاحب پارہ ۱۰ سورۃ توبہ رکوع نمبر ۹)۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

قرآن مجید پارہ ۹ سورۃ الانفال میں اللہ تعالےٰ نے جہاد سے بھاگنے والوں کو مغضوب علیہم اور جہنمی قرار دیا ہے اور سورۃ فاتحہ (یعنی سورۃ الحمد) میں بتادیا ہے کہ مغضوب علیہم کا راستہ **آیۃ** صراط

طَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ہ یعنی (صراط مستقیم) اُس کا راستہ جن پر اللہ کی (خاص) نعمت ہوئی، ان کا نہیں جن پر غضب ہوا اور گمراہوں کا "لہذا جہاد سے بھاگنے والے لوگ لائق اتباع دینی پیشوا ہرگز نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ خود صراط مستقیم پر نہیں، اس لئے بیعت لینے کا استحقاق نہیں رکھتے۔ خیال رہے کہ بزدلی بری صفت ہے قابل غور امر یہ ہے کہ وہ صفات جو معیار استحقاق بیعت میں اُن میں بزدلی کو کسی نے بھی شمار نہیں کیا۔ لہذا بزدل کو بیعت لینے کا کوئی حق نہیں۔

لاو کاغذ کے میں لکھ دوں کے تم گمرائی سے بچ جاؤ (حدیث قرطاس)

حضرت نظام الدین "اولیاء" دہلی کی درگاہ کے سجادہ نشین شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی اپنی شہرہ آفاق تصنیف محرم نامہ گیارھوں ایڈیشن مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی کا ص ۱۱ دیکھے کے ص ۱۱ پر یوں تحریر فرماتے ہیں:۔ "اسی بیماری کے زمانہ میں ایک دن بہت سے لوگ حضرت صلعم کے پاس جمع تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "لاؤ کاغذ میں تم کو کچھ لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ فرمایا تم جھگڑا نہ کرو۔ یہ سُن کر (محرم نامہ میں اس جگہ ایک شخص کا نام موجود ہے وہیں دیکھ لیں) بولے حضرت عمر رسول اللہ ﷺ پر بخار کی تکلیف کا غلبہ ہے اس کے سبب ایسا فرماتے ہیں وصیت نامے کی کچھ ضرورت نہیں ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

حضرت محمد مصطفٰےؐ فخر مسیحؑ ہیں۔ جب عیسیٰؑ اذن خدا سے اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرسکتے تھے۔ تو حضرت عیسیٰؑ کے سردار حضرت محمد مصطفٰےؐ کی شان اس عیب سے پاک ہے کہ (معاذ

اللہ) بخار کی تکلیف سے مغلوب ہو جائیں۔

توجہ فرمائیں

رسولِ خداؐ معصوم ہیں۔ اُنؐ کے نزدیک نوشتہ کی ضرورت "محرم نامہ" کی عبارت میں اس جگہ ایک شخص کا نام موجود ہے وہیں دیکھ لیں۔ تو فرمایا۔ لیکن غیر معصوم اُمتی نے کہا "کچھ ضرورت نہیں" اُس کا یہ کہنا حکمِ رسولؐ کی مخالفت ہے یا نہیں؟ جبکہ رسولِ خداؐ بخار سے مغلوب ہو کر غلط حکم دینے سے قطعاً پاک اور معصوم ہیں۔

نوٹ:۔ محرم نامہ کے ص ۱۱ پر خواجہ حسن نظامی صاحب نے حدیث قرطاس بُخاری و مسلم سے نقل کی ہے۔ جیسا کہ خواجہ صاحب نے حاشیہ میں حوالہ دیا ہے لیکن اطمینان کیلئے حسب ذیل کتب اہل سنۃ والجماعۃ ملاحظہ فرمایئے:۔

(۱) صحیح بُخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد اول پارہ کتاب العلم باب کتابتہ العلم ص ۱۳۴ و ص ۱۳۵ حدیث ۱۱۴ (۲) صحیح بُخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد دوم پارہ ۱۸ کتاب المغازی باب مرض النبی صلعم و وفاتہ ص ۷۹۶ حدیث ۱۵۵۸ (۳) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد سوم پارہ ۳۰ کتاب الاعتصام باب کراہیۃ الخلاف ص ۸۴۲ تا ۸۴۳، حدیث ۲۲۲۱ (۴) صحیح مسلم (عربی) مطبوعہ مطبعۃ محمد علی صبیح میدان الازہر مصر الجزالخامس کتاب الوصیۃ ص ۷۶ سطر ۵ تا ۱۵ (۵) فتح الباری شرح صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الخیریہ قاہرہ مصر ۱۳۱۹ھ الجزالاول باب کتابتہ العلم برحاشیہ ۱۴۹ اور الجزالثامن باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و وفاتہ ص ۱۰۱ (۶) مکتوبات شیخ احمد سرہندی المشہور

مجد الف ثانی مطبوعہ احمد دہلی جلد ثانی مکتوب سی و ششم (۳۶) ص ۶۱،ص ۶۲ (۷) "الشفاء" قاضی عیاض مطبوعہ صدیقی بریلی ص ۳۰۸ سطر ۱۲ اور مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ لاہور الجزاء الثانی ص ۲۷۳ تا ۲۷۵ (۸) "نسیم الریاض" (شرح الشفاء قاضی عیاض مالکی) از علامہ خفاجی مطبوعہ مطبعۃ الازہریہ مصر الجزء الرابع ص ۲۷۸ سطر ۲۲ تا ۲۵ (۹) "شرح الشفاء" علی قاری مطبوعہ بر حاشیہ نسیم الریاض مطبوعہ مطبعۃ الازہریہ مصر الجزء الرابع ص ۲۷۸ حاشیہ کی سطر ۲۴۔۲۵ (۱۰) مدارج النبوۃ "شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ نولکشور کانپور" ص ۵۴۲ (۱۱) سر العالمین وکشف مافی الدارین "مصنف" امام غزالی مطبوعہ بمبئی مقالہ رابعہ ص ۹ (۱۲) "حبیب السیر" مطبوعہ بمبئی جلد اول ص ۷۹ (۱۳) "الفاروق" شبلی نعمانی مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ حصہ اول ص ۶۰۔

علامہ شبلی نعمانی کے عُذر

"الفاروق" میں علامہ شبلی نے رسول خداؐ کی حدیث قرطاس کو مع متعلقہ واقعات لکھنے اور "ھجر" کا معنی "ہذیان" تسلیم کرنے کے بعد صحیح بخاری کی روایت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں چند عُذر تحریر فرمائے اور پھر روایت کا سرے ہی سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ علامہ موصوف کا کوئی بھی عُذر ایسا نہیں جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت حدیث قرطاس کو موضوع ثابت کر سکے۔ صحیح بخاری کی روایت ابن عباسؓ (صحابی رسولؐ) کے متعلق علامہ شبلی نعمانی نے جتنے عُذر کئے ہیں اُن میں سے صرف یہ تین قابل غور ہیں:۔

ا۔ عبداللہ بن عباسؓ اُس وقت موجود ہی نہ تھے۔

۲۔ عبداللہ بن عباسؓ کی عمر اس وقت ۱۳۔۱۴ برس کی تھی۔

۳۔اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکورہ ہے۔ بایں ہمہ بجز عبداللہ ابن عباسؓ اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

جواب عذر ۔ ا

علامہ شبلی کو ابن عباسؓ کی غیر موجودگی کا خود یقین نہ تھا ورنہ ابن عباسؓ کی عمر کا عذر پیش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے اور کم از کم یہ لکھ دیتے کہ ابن عباسؓ اُس وقت آ خر تھے کہا؟ علامہ شبلی نعمانی نے حضرت ابن عباسؓ کی غیر موجودگی کا من گھڑت عذر تحریر کر کے فتح الباری باب کتابتہ العلم کا حوالہ لکھ دیا جو بالکل غلط نکلا کیونکہ فتح الباری کے باب کتاب العلم میں کسی بھی جگہ یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ واقعہ قرطاس کے وقت عبداللہ بن عباسؓ موجود نہیں تھے۔ بلکہ عبداللہ بن عباسؓ کے بیٹے عبداللہ کے متعلق یہ لکھا ہے:۔

"لان عبداللہ تابعی من الطبقة الثانیه لم یدرک القصه فی وقتها لانه ولد بعدالنبی صلی اللہ علیه وسلم تم سمعها من ابن عباس بعد ذلک بمده اخری واللہ اعلم" (یہ عبارت فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مطبعۃ الخیریہ قاہرہ مصر ۱۳۱۹ھ الجزاء الاول کتاب العلم باب کتابتہ العلم ص ۱۵۰ سے نقل کی گئی ہے)

مفہوم عبارت فتح الباری:۔ "اس وجہ سے کہ عبیداللہ تابعی میں طبقہ ثانیہ سے۔ انہوں نے اس قصہ (قرطاس) کو اُس کے وقت (وقوع) پر نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے اس (ولادت) کے (بھی) کافی عرصہ بعد اس (واقعہ قرطاس) کو ابن عباسؓ سے سنا تھا واللہ

علم"۔ اب غور فرمایئے کہ فتح الباری باب کتابتہ العلم میں تو عبیداللہ تابعی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ واقعہ قرطاس کے وقت موجود نہ تھے لیکن شمس العلماء شبلی نعمانی فتح الباری کا حوالہ دے کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عبیداللہ تابعی کے والد حضرت عبداللہ بن عباسؓ (صحابی) اُس وقت موجود نہ تھے۔ چہ خُوب!

فتح الباری باب کتابتہ العلم ہی کی عبارت نے ثابت کر دیا کہ علامہ شبلی نعمانی کا پیش کردہ عذر قطعاً بے دلیل اور من گھڑت ہے۔ بنائے ثبوت دعویٰ یہ نہیں ثابت کر سکتا کہ عبداللہ بن عباسؓ واقعہ قرطاس کے وقت موجود نہ تھے۔ جب کہ روایت بخاری و مسلم ہی سے ثابت ہے کہ موجود تھے اور فتح الباری میں "**ثم سمعها من ابن عباس**"

جواب عذر ۲

علامہ شبلی نعمانی کا یہ عذر کہ "ابن عباسؓ کی عمر اُس وقت ۱۳۔۱۴ برس کی تھی" محض کج بحثی کی دلیل اور غلط عذر ہے کیونکہ عرب میں لڑکی ۹ سال کی عمر میں اور لڑکے ۱۲ سال کی عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں۔ جب علامہ شبلی نے خود ہی تسلیم کر لیا کہ حضرت ابن عباسؓ کی عمر اس وقت ۱۳۔۱۴ برس تھی تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابن عباسؓ اُس وقت بالغ، صاحب فہم و تمیز اور ذی شعور تھے۔ لہٰذا اُن کی عمر روایت کیلئے موزوں تھی۔ علاوہ ازیں محدثین نے حضرت امام حسنؑ کی روایات کو قبول کیا حالانکہ وفات پیغمبرؐ کے وقت امام حسنؑ کا سن مبارک ۸ سال تھا دیکھئے کتاب "شہید کربلا اور یزید" المصنفہ حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۳۹ اور اسی کتاب کے ص ۴۰ پر مہتمم دارالعلوم دیوبند نے لکھا ہے کہ "حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی یہ روایات موثق مانی گئی ہیں" پھر اسی کتاب شہید کربلا اور یزید میں ص ۲۸ پر کفایت الخطیب کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ "صغیر سن صحابہ روایات معتبر ہیں" پھر ص ۲۸ پر یوں

تحریر فرمایا ہے:۔ "یہ واضح ہوا کہ کمسن صحابہ کی روایت کا معتبر ہونا مسلمات اور بدیہیات فن میں سے ہے کہ وہ بحث ہی میں نہیں آ سکتا" لیکن علامہ شبلی نعمانی بحث فرما رہے ہیں حالانکہ حضرت ابن عباسؓ واقعہ قرطاس کے وقت بالغ تھے۔ لہذا علامہ شبلی کا عذر درست نہیں۔

جواب عذر۔۳

علامہ شبلی نعمانی کا یہ عذر کہ بجز عبداللہ ابن عباسؓ اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔ ایسا عذر ہے جس سے روایت صحابی رسولؐ عبداللہ ابن عباسؓ کی نفی نہیں ہوتی یعنی کسی اور صحابی کی روایت ہو یا نہ ہو عبداللہ ابن عباسؓ کی صحیح روایت تو موجود ہے۔ اُس کا کیا جواب ہے؟ جب کہ علامہ شبلی نعمانی نے اس حدیث کی اصول حدیث کی رو سے موضوع ثابت نہیں کیا اور محدثین اہل سنتہ والجماعتہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے اس حدیث کو ایسی صحیح حدیث تسلیم کیا کہ اپنی "صحیح" میں ۷ طریقوں (یعنی راویوں کے ۷ سلسلوں) سے نقل کیا۔ اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسے نقل کیا۔ اور بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہونے کی وجہ سے یہ حدیث اُصول حدیث اہل سنتہ والجماعتہ کی رو سے "متفق علیہ" ہے لہذا اصول حدیث کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت صحیح ہے۔ جس سے واقعہ قرطاس قطعاً ثابت ہے۔

علاوہ ازیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث کی تائید ابن عباسؓ اور "حسبنا کتاب اللہ" کہنے والے شخص کے درمیان ہونے والے ان مکالموں سے بھی ہوتی ہے۔ جو اہل سنتہ والجماعتہ کی کتاب تاریخ بغداد سے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی میں نقل کیے گئے ہیں۔ جن میں "حسبنا کتاب اللہ" کہنے والے نے واقعہ قرطاس کو یہ کہہ کر خود تسلیم کیا ہے کہ "رسول خداؐ نے لکھنے کا ارادہ کیا

تھا لیکن میں نے روک دیا" (دیکھئے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی مطبوعہ مطبعہ دار الکتب العربیۃ الکبری المجلد الثالث ص ۹۷ سطر ۲۰۔۲۱ اور ص ۱۱۴ سطر ۲۴ تا ۲۸)

نوٹ:۔ خیال رہے کہ علامہ ابن ابی الحدید بھی شیعہ نہیں تھے بلکہ "چار خلیفوں" کو ماننے والے معتزلی تھے۔

اور صحابی کی روایت

واقعہ قرطاس خود اُس کی روایت سے بھی ثابت ہے جس نے "حسبنا کتاب اللہ" کہا تھا۔ اُس شخص کی روایات حدیث قرطاس کنز العمال مطبوعہ دائرہ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۱۲ھ الجز الثالث حدیث نمبر ۲۳۳۲ ص ۱۳۸ اور الجز الرابع ۵۲ حدیث نمبر ۱۰۸۸ میں موجود ہے۔ لہذا علامہ شبلی نعمانی کا یہ عذر کہ "اور کسی صحابی نے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں" ہرگز درست نہیں۔ بلکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح روایت کی تائید کنز العمال کی روایت سے بھی ہوگئی۔ پھر واقعہ قرطاس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی یہی وجہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، امام غزالی، علامہ خفاجی، قاضی عیاض اور شیخ احمد سرہندی المعرف مجدد الف ثانی جیسے بزرگان اہل سنۃ و الجماعۃ بھی روایت عبداللہ بن عباسؓ کا انکار نہ کر سکے بلکہ واقعہ قرطاس کو تسلیم کرتے رہے۔ جیسا کہ اُن کی کُتب کے حوالے پیچھے نقل کیے گئے پھر علامہ شبلی کا عذر کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔

وارثت فدک اور امت

واثت انبیاء

قرآن مجید پارہ نمبر ۵ سورہ نساء میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہے:۔

ق۔۳۳ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

ترجمہ عبدالقادر محدث دہلوی:۔ "اور ٹھہرادیئے ہم نے ہر کسی کے وارث اُس مال میں جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابتی"

﴿توجہ فرمائیں﴾

ا۔قرآن مجید کا حکم ہر کسی کے وارث حکم عام ہے۔انبیاءؑ کو مستثنٰی نہیں کیا۔

۲۔قرآن مجید پارہ نمبر ۱۹ سورۃ النمل میں اللہ فرماتا ہے:۔ ق۔۱۵ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ہ ترجمہ:۔ "اور دونوں نے کہا تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان دار بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے" حضرت سلیمانؑ اور اُن کے والد حضرت داؤدؑ دونوں نبی ہیں۔لہذا نبی کا وارث قرآن سے ثابت ہوا۔لیکن غیر شیعہ حضرات یہ عذر کرتے ہیں کہ یہ وراثت علم ہے وراثت مال نہیں لیکن اُن کا یہ عذر، تفسیر قرآن مجید کی اُنہی لوگوں کی کُتب سے غلط ثابت ہوجاتا ہے۔کیونکہ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ششم ص ۵۵۷ اور تفسیر معالم التنزیل ابوالفراء لغوی مطبوعہ مصر ۵۶۵ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو ورثہ میں ایک ہزار گھوڑے ملے۔لہذا وراثت مال ثابت ہوگئی۔

۳۔قرآن مجید پارہ نمبر ۱۶ سورۃ مریم میں اللہ ذکر فرماتا ہے کہ حضرت ذکریاؑ نے یوں دعا کی:۔

ق۔۵ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ہ ق۔۶ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ہ ترجمہ رفیع الدین محدث دہلوی "اور تحقیق میں ڈرتا ہوں وارثوں اپنے سے پیچھے

میرے اور ہے عورت میرے بانجھ پس بے شک دے تو واسطے میرے اپنے پاس ولی کہ وارث ہو اولاد یعقوبؑ کا اور کردے اس کو اے رب میرا پسندیدہ"

﴿توجہ فرمائیں﴾

جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ علم عطا نہ فرمائے اور خود منتخب نہ کرے اُس وقت تک کوئی علم نبوت کا وارث نہیں ہوسکتا اور جسے اللہ منتخب فرما کر علم نبوت عطا فرمادے اُس سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت ذکریاؑ کو اپنے پیچھے جن "وارثوں" کا خوف تھا۔ وہ علم نبوت کے وارث تو ہو ہی نہیں سکتے تھے بلکہ محض مال کے وارث ہوتے لیکن حضرت ذکریاؑ نے اسے پسند نہ فرمایا کہ دوسرے رشتہ دار وارث ہوجائیں اور آپؑ اولاد سے محروم ہی رہ جائیں۔ اسی لئے مال کا وارث اللہ سے مانگ لیا اور حضرت ذکریاؑ کا یہ منشاء اور آرزو فطرت کے خلاف نہیں۔ وارث (اولاد) کی خواہش کرنا معیوب نہیں ہے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

اگر صرف علم نبوت کا وارث مانگنا حضرت ذکریاؑ کا مقصود ہوتا تو یہی کہہ دینا کافی ہوتا کہ "میرا وارث ہو" کیونکہ یعقوبؑ کی ساری اولاد کے پاس تو علم نبوت نہیں تھا بلکہ (بنیامین کو مستثنیٰ تسلیم کرتے ہوئے) برادران یوسفؑ بھی تو یعقوبؑ کی اولاد تھے۔ جو نہ تو نبی تھے نہ اُن کے پاس علم نبوت تھا۔ ورنہ یوسفؑ کو کنویں میں کیوں پھینکتے؟ اور یعقوبؑ سے یہ جھوٹ کیوں بولتے کہ "یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا" (معاذ اللہ) اگر علم نبوت اُن کے پاس ہوتا تو وہ اس بات سے ضرور واقف ہوتے کہ اللہ نے انبیاءؑ کے جسموں کو درندوں پر حرام قرار دیا ہے۔ وہ انبیاءؑ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لہٰذا حضرت ذکریا کا بارگاہ ایزدی میں یہ عرض کرنا کہ "میرا وارث ہو اور اولاد یعقوبؑ کا وارث ہو" وارثت مال ہی کے لئے تھا۔

"علم نبوت" کی وراثت کے لئے نہیں۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

حضرت ذکریاؑ کی منقولہ بالا دعا میں دوسوال کیے گئے ایک یہ کہ "میرا وارث ہو اور اولاد یعقوبؑ کا وارث ہو" اور دوسرا یہ ہے کہ اُس وارث کو پسندیدہ بھی کردے۔ ظاہر ہے کہ جسے اللہ علم نبوت کا وارث بنائے گا وہ تو ہوگا ہی پسندیدہ۔ اُس کے لئے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ "اُس کو پسندیدہ کردے" لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت ذکریاؑ نے وارث تو مال ہی کا مانگا تھا۔ لیکن "اُس کو پسندیدہ کردے" کہ کر اُس کے لئے بھی دُعا کی تاکہ حضرت ذکریاؑ کے اموال کو جائز جگہ خرچ کرے اور تبرکات انبیاءؑ کی حفاظت بھی کرے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

یہ دعا حضرت ذکریاؑ نے مال دنیا کی محبت میں نہیں کی بلکہ "وارثوں" کے خوف سے کی تاکہ اُن "وارثوں" کو نبی کے مال کو ناجائز مقاصد پر ضائع کرنے کا موقع نہ ملے۔ اور مال ذکریاؑ میں جو تبرکات انبیاءؑ تھے وہ بھی ضائع ہونے یا بے حرمتی سے محفوظ رہیں۔

۴۔ پیغمبر اسلام خود وارث ہوئے

"فتح الباری شرح صحیح بُخاری مصنفہ حفاظ ابن حجر عسقلانی مطبعۃ الخیریہ قاہرہ مصر جلد ۳ ص ۳۶۰ وص ۳۶۱" اور سیرت حلبیہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۵۶ اور جلد ۳ ص ۳۵۵ سے ثابت ہے کہ حضرت رسول خداؐ کو حضرت ہاشم کا امکان ورثہ میں ملا اور "ماثور" نامی تلوار، بکریاں اور پانچ اُونٹ بھی رسولؐ کو ورثہ

میں ملے مزید دیکھئے انساب الاشراف مصنفہ احمد بھی یحییٰ المعروف بلاذری مطبوعہ دار المعارف مصر جلد اول ص ۹۶ سطر ۱۰۔۱۱۔

ایک عذر کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ رسول گو ورثہ ملا اُس وقت (معاذ اللہ) حضورؐ نبی نہ تھے تو یہ غلط ہے کیونکہ حدیث پیغمبرؐ ہے کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدمؑ پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ص ۱۴ تا ۱۸ میں اشرف علی تھانوی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ آدمؑ کی خلقت سے چودہ ہزار سال پہلے میرا نور پیدا ہوا۔

«توجہ فرمائیں»

جب قرآن مجید کی آیات مقدسہ اور کتب تفسیر و حدیث سے ثابت ہو گیا کہ انبیأ میں راثت مال جاری رہی۔ پھر روایت "لا نرث ولا نورث" یعنی "نہ ہمارا کوئی وارث نہ ہم کسی کے وارث" قرآن مجید کے خلاف ہوئی۔ لہذا موضوع ثابت ہوا، کیا فرمان رسولؐ ہے کہ ایسا کوئی قوم و فعل جو قرآن کے خلاف ہوا اور مجھ سے منسوب نہ کیا جائے۔ اُسے دیوار سے دے مارو۔ وہ ہرگز میری حدیث نہیں ہوگی۔

«فدک رسولؐ کا ذاتی مال تھا»

قرآن مجید پارہ نمبر ۲۸ سورہ حشر میں اللہ ذوالفضل العظیم فرماتا ہے:۔ ٦ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ اشرف علی تھانوی صاحب:۔ "اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو اُن سے دلوایا۔ سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ لیکن اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے) کہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے"

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیہ مبارکہ کی رُو سے فدک اور دیگر اموال سے اللہ نے اپنی قدرت سے اپنے رسول کو دلوائے تھے۔ اور مسلمانوں کو فرما دیا کہ "تم نے اُس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ" تا کہ فدک اور دیگر اموال نے کو عوام کا مال نہ سمجھا جائے اور مسلمان عوام فدک وغیرہ پر اپنا حق جتلانے سے باز رہیں لہذا ثابت ہوا کہ فدک رسول خداؐ کا ذاتی مملوک تھا۔ اس امر کا مزید ثبوت حسب ذیل کتب اہل سنت والجماعت میں دیکھئے:۔

ا۔صحیح بخاری کتاب المغازی باب الخمس اور باب المیر اث ۲۔سیرت ابن ہشام مطبوعہ مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی و اولادہ مصر ۱۳۵۵ھ جز الثالث ص ۳۶۸ (۳) وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ علامہ نور الدین سمہودی شافعی مطبوعہ مصر ۱۵۹ آخری سطر اور ص ۳۵۵ سطر تا ۷ (۴) "فتوح البلدان" علامہ بلاذری مطبوعہ لیڈن فرانس (مع فرانسیسی ترجمہ) باب ۵ ص ۲۹ اور ص ۳۰ (۵) تاریخ طبری مطبوعہ مصر الجزاء الثالث ص ۹۵ (۶) تاریخ کامل ابن اثیر مطبوعہ مصر الجزاء الثانی ص ۸۵ سطر ۳۔

ہبہ نامہ فدک

اگر باغ فدک رسولؐ کا ذاتی مال نہ ہوتا اور عوام کا مال ہوتا حضرت رسول خداؐ، فدک

حضرت فاطمہ زہرا کو ہرگز ہبہ نہ فرماتے لیکن معصوم رسولؐ نے حضرت فاطمۃ الزہراؑ کو فدک ہبہ فرما دیا تھا اور وثیقہ ہبہ سیدہ طاہرہؑ کو دے دیا تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ فدک پیغمبرؐ کا مملوکہ ذاتی تھا۔ ہبہ اور وثیقہ ہبہ کا ثبوت حسب ذیل کتب اہل سنۃ والجماعۃ میں موجود ہے:۔

۱۔ تفسیر درمنثور "امام اجلال الدین سیوطی مطبوعہ مصر تفسیر سورہ بنی اسرائیل آیہ مبارکہ **وات ذاالقربی حقه** کی تفسیر میں باسناد صحابی رسولؐ حضرت ابوسعید خدری۔ (۲) صواعق محرقہ امام ابن حجر مکی مطبوعہ مصر بات ۱۵ ص ۱۲۔۲۲ (۳) شرح مواقف مطبوعہ نولکشور ص ۳۵ ۷ (۴) "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰؐ" علامہ سمہودی شافعی مطبوعہ مصر الجز الثانی باب ۶ ص ۱۶۱ سطر ۱۷ تا ۲۰ اور ص ۱۶۰ اسطر ۱۴۔۱۵ (۵) فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۴۳ (۶) روضۃ الصفاء مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص ۱۳۵ سطر ۱۹ تا ۲۲ (۷) حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد اول ۸۵ (۸) "معارج النبوۃ" معین کاشفی مطبوعہ نولکشور رکن چہارم ۲۲۱۔

نوٹ:۔ حضرت فاطمہؑ نے فدک پر اپنا حق ثابت کرنے کے لئے رسولؐ کا دیا ہوا وثیقہ ہبہ دکھایا تھا اور حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، اُم کلثومؑ بنت علی اور حضرت اُم ایمنؓ نے یہ شہادت دی کہ واقعی ہبہ کا یہ وثیقہ رسولؐ نے دیا تھا۔ اور باغ فدک ہبہ کیا تھا لیکن ان ہستیوں کی شہادت اور وثیقہ رسولؐ کو رد کر دیا گیا (افسوس) دیکھئے وفاء الوفاء سمہودی شافعی مطبوعہ مصر الجزاء الثانی ب ۶ ص ۱۶۱ اور دیگر کتب مندرجہ بالا۔

دعویٰ وراثت

بعد از اں حضرت خاتون جنتؑ نے "وراثت" کا دعویٰ فرمایا دیکھئے فتح الباری ترجمہ صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی لاہور کتاب المغازی باب المس پارہ نمبر ۱۲ ص ۱۸۱۲ ا پارہ ۱۷ ص ۱۲ لیکن حضرت فاطمہ

زہراؑ کے دعویٰ وراثت کے جواب میں یہ نہیں کہا گیا "فدک تو رسول کی ذاتی لملکیت ہی نہیں تھا۔عوام کا مال تھا پھر آپ کیوں دعویٰ کرتی ہیں "لہذا ثابت ہوا کہ وہ اہل حکومت بھی ملکیت پیغمبرؐ کا انکار نہ کرتے تھے۔پھر جب قرآن مجید سے ثابت ہو چکا کہ قانون وراثت مال انبیاؑ میں بھی جاری رہا اور روایت "لانرث ولانورث "موضوع ثابت ہو کر لاوارث ہوگئی۔تو اس امر میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ رسول خداؐ کی محبوب بیٹی، خاتون جنت سیدہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حق پر تھیں اور مخدومہ کونین کا دعویٰ ہبہ بھی سچا تھا اور دعویٰ وراثت بھی مبنی بر حق وصداقت تھا۔خیال رہے کہ حضرت فاطمہؑ قرآن مجید کی آئیہ تطہیر کی رُو سے طاہرہ ہیں۔لہذا اُن کے متعلق یہ وہم کرنا کہ معاذ اللہ انہوں نے جھوٹا دعویٰ کیا ایمان کے خلاف ہوگا۔

ایسی طاہرہ مقدس ہستی (کہ جس کی تعظیم میں خود رسول خداؐ کھڑے ہو جاتے تھے) کے متعلق یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ وہ حکم رسولؐ کو تسلیم نہ کریں (معاذ اللہ) حقیقت یہ ہے کہ حضرت زہراؑ نے روایت "لانرث ولانورث" کو فرمودہ رسولؐ ہی تسلیم نہیں کیا اور اس بات پر غضب ناک ہوئیں کہ نہ تو وثیقہ رسولؐ کا احترام کیا گیا اور نہ ہی قرآن مجید کے قانون پر عمل ہوا۔اور قرآن کے خلاف بات کو فرمودہ پیغمبرؐ کہہ دیا گیا (افسوس)۔

کیا حضرت سیدہ
وقت وفات اصحاب سے راضی تھیں؟

ثبوت کے لئے حسب ذیل کتب اہل سنتہ والجماعتہ تلاحظہ فرمائیے:۔

ا۔وفا الوفاء باخبار دار المصطفیٰؐ مصنفہ علامہ نورالدین سمہودی شافعی مطبوعہ مصر ج۲ ص ۱۵۷(۲)

شمکل آلا ثار طحاوی مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد اول ۴۸ (۳) تیسر الباری ترجمہ صحیح بخاری مطبوعہ احمدی لاہور کتاب المغازی باب الخمس پ ۱۲ ص ۱۲، ۱۸، پ ۱۷ ص ۱۲ (۴) ترجمہ صحیح مسلم مطبوعہ مکتبہ شعیب کراچی جلد پنجم کتاب الجہاد والسیر ص ۲۵ (۵) رویائے صادقہ شمس العلماء نذیر احمد فصل نمبر ۱۴ (۶) روضۃ الاحباب جمال الدین محدث جلد ۴ ۴۴۳ (۷) "الامامۃ والسیاستہ" مصنفہ ابن قتیبہ دینوری مطبوعہ مصر ص ۱۵ (۸) استیعاب ابن عبدالبر مطبوعہ بر حاشیہ اصابہ ابن حجر جلد ۴ ص ۳۷۹ (۹) ازالتہ الخفاء ولی اللہ محدث (اُردو ترجمہ) مطبوعہ سعیدی کراچی مقصد دوم ص ۵۷ سطر ۱ تا ۶ اور سطر ۲۱ تا ۲۴ (۱۰) براہین قاطعہ فارسی ترجمہ صواعق محرقہ ابن حجر مکی مطبوعہ نولکشور ص ۲۱ (۱۱) "اشعتہ اللمعات" شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ نولکشور جلد ۳ ص ۴۸۰ باب الفئے (۱۲) "الزہراء" مصنفہ عمر ابوالنصر (اُردو ترجمہ محمد احمد پانی پتی) مطبوعہ مکتبہ جدید لاہور ص ۸۹ تا ص ۹۱۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا کتب دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ تا دوفات غضب ناک ہی رہیں۔ یہاں تک کہ وصیت فرما گئیں کہ ناراض کرنے والے میرے جنازہ پر نہ آنے پائیں۔

عذر رضامندکا جواب

صحیح بخاری میں "حتیٰ ماتت" کی لفظیں اس امر کا ثبوت ہیں کہ تا وفات غضب ناک ہی رہیں۔ راضی نہیں ہوئیں جنازہ سے روکنا بھی یہی ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا بیہقی کی روایت سے راضی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب کہ روایت ناراضگی صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں موجود ہونے کی وجہ سے اہل سنتہ والجماعتہ حضرات کے اصول حدیث کے مطابق "متفق علیہ" قرار پائی۔ اور اہل سنتہ والجماعتہ کے اُصول حدیث کی کتاب "جامع الاصول" مصنفہ علامہ ابن الاثیر میں واضح طور

پر لکھا ہے کہ بخاری و مسلم کے مقابلہ پر دوسری کتاب کی روایت قابل قبول نہیں۔لہذا بخاری و مسلم کی روایت غضب سیدہؑ کے خلاف بیہقی کی روایت رضامندی قابل قبول نہیں۔ جب کہ بخاری میں "حتی ماتت" یعنی مرتے دم تک کے الفاظ اور جنازہ سے منع کرنے کی وصیت سے رضامندی کی تردید ہوتی ہے۔لہذا ثابت ہوا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے آخیر سانس تک ہرگز راضی نہیں ہوئیں۔اور رضامندی کی روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

«مقام حضرت سیدہ ملیکۃ الجنت سلام علیہا»

حضرت محمد مصطفےؐ حبیب خدا ہیں اور حضور ماتشائون الا ان یشاء الله (یہ لفظ قرآن مجید کے الفاظ ہیں۔ترجمہ یہ ہے "تم کچھ نہیں چاہتے سوائے اُس کے جو اللہ چاہتا ہے") کے مصداق اول ہیں۔لہذا حضورؐ کی خوشنودی اللہ کی خوشنودی اور آپؐ کا غضب، اللہ کا غضب ہے۔جس پر رسول خداؐ غضب ناک ہوں اُس شخص سے اللہ ہرگز راضی نہیں ہوسکتا۔اب غور طلب امر یہ ہے کہ صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ مناقب فاطمہؑ میں صحابی رسولؐ مسعود بن مخرمہ کی روایت موجود ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ "فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے (یہ صحیح ترجمہ ہے "میرے جگر کا ٹکڑا" غلط ترجمہ ہے۔کیونکہ حدیث میں "کبدو" یعنی جگہ کا لفظ نہیں اور نہ ہی "تب" یعنی دلا کا لفظ ہے) پس جس نے اس کو غضبناک کیا اُس نے مجھے غضب ناک کر لیا"۔حضرت رسالتمآبؐ کے اس فرمانِ وحی بیان کی رُو سے غضبِ سیدہؑ غضب رسولؐ ہے۔لہذا حضرتِ فاطمہؑ کو غضب ناک کرنا اللہ کو غضب ناک کرنا قرار پائے گا"۔حضورؐ کی یہ حدیث کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۶ ص ۲۱۹ میں موجود ہے۔حدیث نمبر ۳۸۵۹۔اور ۳۸۶۰ ملاحظہ ہو۔ثابت ہوا کہ غضبِ فاطمہ زہراؑ، غضب خدا اور رسولؐ ہے۔چونکہ پیغمبر خداؐ نے اپنی زبان وحی بیان سے غضبِ سیدہؑ کو اپنا اور خدا کا غضب قرار دیا ہے۔اس لئے حضرت سیدہؑ کا غضب غلط یا بلاوجہ نہیں ہوسکتا۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

حضرت رسولِ خدا نے اہل بیتؑ سے تمسک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا بربنائے تمسک ہمارا مذہب وہی ہے جو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا تھا۔

تینوں کو مولا علیؑ نے کیسا سمجھا؟

جن لوگوں نے رسولِ خدا کی پیاری بیٹی، خاتونِ جنت اور آیہ تطہیر کی رو سے طاہرہ بی بی حضرت فاطمہ زہراؑ کو غضب ناک کیا اُن کو حضرت امیر المومنین، امام المتقین مولائے کائنات علیؑ ابن ابی طالبؑ نے کیسا سمجھا؟ یہ بات حسب ذیل کتب سے واضح ہو جاتی ہے:۔

(۱) صحیح مسلم مترجم (علامہ وحید الزمان) مع شرح نووی مطبوعہ مکتبہ شعیب کراچی جلد پنجم کتاب الجہاد والسیر بابُ حکم الفئے ص ۲۳، (۲) جمع الفوائد من جامع الاصول مطبوعہ میرٹھ جلد ثانی ص ۱۸ (۳) فیض الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مجلس علمی سورت جلد ۴ ص ۱۴۲ (۴) اُردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون مطبوعہ قیصرِ ہند پریس الہ آباد کتاب ثانی جلد سوم ص ۲۷۲ (۵) "الامتہ والسیاستہ" ابن قتیبہ دینوری مطبعہ مصر ص ۱۵۔

﴿شوریٰ میں اُن کی سیرت سے انکار﴾

حضرت علیؑ نے اُن کی سیرت پر عمل کرنے یعنی اُن کی اتباع کرنے سے شوریٰ میں صاف انکار کر دیا ثبوت کے لئے حسب ذیل کتب دیکھئے:۔

(۱) شرح فقہ اکبر علامہ علی قاری حنفی مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۸۰، (۲) "تاریخ الامم والملوک"

ابن جریر بری مطبوعۃ الحسینیہ قاہرہ مصر الجزاء الخامس ص ۳۷ (۳) تاریخ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد اول جلد چہارم ۲۷۔۲۸۔

عذرِ اجتہاد

علامہ حنفی علی قاری نے یہ عذر کیا کہ "حضرت علیؑ چونکہ خود مجتہد تھے اس وجہ سے اُن دو آدمیوں کی سیرت پر عمل کرنے سے انکار کیا"۔ جواباً عرض ہے کہ یہاں تو محض انکارِ علیؑ کی اہمیت کم کرنے کے لیئے حضرت علیؑ کو مجتہد مان لیا۔ لیکن شرح وقایہ حاشیہ چلپی حنفی مطبوعہ لکشور ص ۲۳۲ میں لکھا ہے۔ "**ان علیا لم یکن من اھل الاجتھاد**" یعنی علیؑ مجتہد نہیں تھے۔ پہلے اس تضاد کو تو رفع کیجئے۔ پھر اجتہادِ علیؑ کا عذر پیش کرنے کا حق ہوگا۔

مذہب اہل سنۃ والجماعۃ کی رُو سے تمام اصحاب رسُول مجتہد تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کسی اور کی شرط کیوں پیش نہیں کی انہی دونوں کی سیرت کی شرط کیوں پیش کی؟ محض اس لئے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کی نظر میں وہ دونوں خلیفہ تھے۔ اگر مجتہد کو خلفاء کی اطاعت و اتباع سے مستثنٰے قرار دیا جائے تو تمام اصحاب رسُولؐ مذاہب اہل سنۃ والجماعۃ کی رُو سے مستثنٰے ہوں گے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک تمام اصحاب پیغمبر مجتہد ہے۔ اس کے معنے ہوں گے کہ خلفاء کو اصحاب سے بیعت لینے کا حق ہی نہ رہا۔ کیونکہ محض مصافحہ کرنے کا نام بیعت نہیں ہے۔ صوفیا حضرات بھی بیعت حکومت کی وجہ سے نہیں بلکہ متابعت دینی و رُوحانی کے لئے کرتے ہیں۔ لہذا اطاعت کے عہد کو "بیعت" کہتے ہیں۔ بیعت کرنے والا مطیع و متبع ہوتا ہے اور بیعت لینے والا اُس کا مُطاع اور لائق اتباع پیشوا ہوتا ہے۔ اگر حضرت علیؑ نے وفاتِ رسُولؐ کے بعد بقول غیر شیعہ حضرات) اُن دونوں کی اتباع و اطاعت کا عہد کیا یعنی اُن

دونوں کی بیعت کی تھی اور اجتہاد علیؑ مانع نہیں ہوا۔ پھر شوریٰ میں اُن کی اتباع سے انکار کا سبب اجتہاد علیؑ کو کیونکر قرار دیا جائے گا؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے اُن کی سیرت کی اتباع سے انکار کر کے ثابت کر دیا کہ مولائے کائناتؑ نے پہلے بھی اُن کی اطاعت واتباع کا عہد نہیں کیا تھا۔ یعنی کبھی اُن دونوں کی بیعت نہیں کی تھی۔ او اُن دونوں کو کبھی لائق اتباع تسلیم نہیں کیا تھا۔ ورنہ شوریٰ میں بھی انکار نہ کرتے۔ مزید یہ کہ خصاص

قرآن میں اعلانِ ولایت علیؑ

قرآن مجید پارہ ۶ سورۃ المائدہ کی آیۂ ولایت "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنو الذین یُقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ راکعون"۔ مولائے کائنات حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ثبوت کے لئے حسب ذیل کُتبِ اہل سُنّۃ والجماعۃ ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری مطبوعہ دارالمعارف مصر جلد ص ۴۲۵ و ص ۴۲۶ (۲) تفسیر حافظ ابن کثیر دمشقی مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۲۹ (۳) تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد اول ص ۵۰۶ (۴) تفسیر دُر منثور سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۹۳ تا ص ۲۹۴ (۵) تفسیر حسینی (فارسی) مطبوعہ نولکشور لکھنو جلد اول ص ۱۵۰ سطر ۳ یا تفسیر قادری (اُردو ترجمہ تفسیر حسینی) مکتبہ مصطفائی کشمیری بازار لاہور جلد اول ص ۲۲۵ (۶) منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۳۸۔

ترجمہ آیتِ ولایت

سوائے اس کے نہیں کہ تم لوگوں کا ولی اللہ ہے اور اُس کا رسولؐ اور وہ ایمان والے جو نماز

کو قائم کرتے ہیں اور بحالتِ رکوع زکوۃ دیتے ہیں"۔ لیکن غیر شیعہ حضرات "وھم راکعون" کا ترجمہ اور وہ رُکوع کرنے والے میں بیان کرتے ہیں۔ قابل غور امر یہ ہے کہ جب یہ فرمادیا کہ نماز کو قائم کرتے ہیں "یُقیمون الصلوۃ" تو یہ ثابت ہوگیا کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اُس کے بعد یہ کہنا کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں غیر ضروری تکرار ہوگا اور اللہ سُبحانہ وتعالیٰ غیر ضروری کلام فرمانے سے قطعاً پاک ہے لہذا وہ رکوع کرنے والے ہیں صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ "نماز قائم کرتے ہیں" فرما کر ذکرِ رکوع اس لئے فرمایا کہ مولا علیؑ نے حالتِ رکوع ہی میں زکوۃ دی تھی۔ لہذا ترجمہ بحالتِ رکوع زکوۃ دیتے ہیں صحیح ہے۔



وصیِ رسول اللہؐ

جبکہ گزشتہ صفحات میں ثابت کیا گیا کہ دعوت ذوالعشیرہ اور دیگر مقامات پر خود حضرت محمد مُصطفےٰ نے اپنی زبان حق بیان سے لفظ "وصی" حضرت علیؑ کے لئے ارشاد فرمایا ہے اس کے بعد یہ کہنا کہ "علی کو وصی رسُول کہنا عبداللہ بن سباء نے ایجاد کیا"۔ ضد اور تعصب کے سوا کچھ نہیں۔ بلکہ ارشادات رسُول کی مخالفت پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ دُشمن عناصر نے محض مخالفت مذہب امامیہ کے لئے عبداللہ بن سباء کا فرضی قصہ وضع کیا تھا جیسا کہ مصر کے مشہور و معروف مورخ ڈاکٹر طٰہٰ والا حسین اپنی کتاب "الفتنہ الکبریٰ" میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرا خیال ہے کہ جو لوگ ابن سبا کے معاملے کو اس حد تک اہمیت دیتے ہیں وہ نہ صرف اپنے پر بلکہ تاریخ پر بھی شدید ظلم کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی غور طلب چیز یہ ہے کہ اُن تمام اہم ماخذ میں جو حضرت عثمان کے خلاف رُونما ہونے والی شورش پر روشنی ڈالتے ہیں ہمیں

ابن سباء کا ذکر ہی نہیں ملتا۔ مثلاً ابن سعد نے جہاں خلافت عثمان اور ان کے خلاف بغاوت کا حال رقم کیا ہے وہاں ابن سباء کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اسی طرح بلاذری نے بھی انساب الاشراف میں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ حالانکہ میرے خیال میں حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کے واقعات معلوم کرنے کے لئے "انساب الاشراف اہم ترین مآخذ ہے"۔ (دیکھئے اردو ترجمہ الفتنہ الکبریٰ"۔ شائع کردہ "ادارہ طلوع اسلام" ص ۲۸۴ آخری سطر تا ص ۲۸۵)۔ مرتضوی امام نسائی اور دیگر معتبر کتب میں حضرت علی مرتضیٰ کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے کہ اے علیؑ تیرا جسم میرا جسم ہے اور تیرا نفس میرا نفس ہے۔ لہذا حضرت علیؑ کا ہاتھ رسولؐ کا ہاتھ قرار پایا۔ پھر کوئی اُمتی شخص رسولؐ کے ہاتھ سے بیعت کیونکر لے سکتا تھا؟

حکومت اور خلافت رسولؐ کا فرق

ہم پیروکارانِ مذہب امامیہ، دُنیوی حکومت کو "خلافت رسولؐ" نہیں سمجھتے یعنی ہمارے عقیدے میں خلیفہ کے معنے "مسلمان بادشاہ" نہیں ہیں۔ بلکہ مذہب اثناعشری کے عقیدے کے مطابق "خلافت" ایک رُحانی عہدہ ہے جو رسالت کے رُوحانی منصب کی جانشینی ہے۔ لہذا خلیفہ کے لئے وہی علم اور روحانی قوتوں کی ضرورت ہے جو عوام نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی عطا فرماتا ہے۔ اسی وجہ سے مذہب امامیہ کا عقیدہ ہے کہ عوام کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتے۔ جس طرح عوام کی بڑی سے بڑی اکثریت کسی کو "نبی" یا "رسول" نہیں بنا سکتی۔ کیونکہ اگر عوام کی اکثریت کسی کو "نبی" یا "رسول" کہنے لگے (اور اللہ نے اُسے نبی یا رسول نہ بنایا ہو) تو وہ ہرگز "نبی" یا "رسول" نہیں ہوگا۔ کیونکہ عوام نام تو نبی یا رسول رکھ لیں گے لیکن نبوت و رسالت کی رُوحانی قوتیں اور وہبی علم نہ دے سکیں گے۔ اسی طرح اگر عوام کی اکثریت کسی کو "خلیفہ" کہنے لگے (اور اللہ نے اُسے خلیفہ نہ بنایا ہو) تو وہ نام تو "خلیفہ" رکھ

سکتے ہیں لیکن خلافت کی رُوحانی قوتیں اور وہبی علم نہیں دے سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کا بنایا ہوا "خلیفہ" علم نہ ہونے کی وجہ سے دُوسروں سے پوچھتا پھرتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔ رسُولؐ کے بعد، خلیفہ کا کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو ہدایت دے۔ لیکن خود ہی ہدایت کا محتاج ہو ایسے شخص کو "خلیفہ" تسلیم کرنے سے کیا فائدہ؟

❊کیا خلیفہ اللہ و رسول کا بنائیں گے چند لوگ؟؟؟❊

مخفی نہیں کہ اعلانِ رسالتؐ کے بعد رسول خدا مکہ معظمہ میں ۱۳ سال رہے۔ اُس وقت بھی دُنیوی سلطنت نہ ہونے کے باوجود حضورؐ نبی اور رسُولؐ تھے۔ معلوم ہوا کہ نبوت کے لئے حکومت "شرط نہیں۔ اسی طرح نبوت و رسالت کی جانشینی یعنی خلافت کے لئے بھی شرط نہیں۔ نبی اور رسول حکومت کے بغیر بھی نبی اور رسُول ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے بنائے خلیفہ رسُولؐ، حکومت کے بغیر بھی خلیفہ رسُولؐ ہوتے ہیں جسے اللہ نے نبی نہ بنایا ہو اُس کے پاس حکومت آجائے تو نبی نہیں بن سکتا۔ اور جسے اللہ نے خلیفہ نہ بنایا ہو اُسے حکومت مل جائے تو خلیفہ نہیں بن جاتا۔ خواہ عوام کی اکثریت اُسے خلیفہ کہتی، یہ خلافت کیسی ہے جو کوئی بھی ثروت مند ہاتھ بڑھا کر نائب رسول اعظمؐ بن جائے۔ جس طرح یزید بن معاویہ کے پاس حکومت تھی اور اکثریت نے اُس کو خلیفہ تسلیم کر کے بیعت کر لی تھی۔ پھر بھی خلیفہ رسُولؐ نہیں تھا۔ اور امام حسینؑ کے پاس حکومت نہیں تھی پھر بھی حسینؑ ہی اللہ کے بنائے ہوئے خلیفہ رسُولؐ تھے۔ اسی طرح امام حسنؑ رسولؐ کے خلیفہ برحق تھے۔ اور انہوں نے مسلمانوں میں خونریزی کو ناپسند فرماتے ہوئے دُنیوی حکومت معاویہ کے سپرد کر دی لیکن مذہب امامیہ کی رُو سے معاویہ خلیفہ نہیں۔ بلکہ حکومت کے بغیر بھی امام حسنؑ خلافِ رسُولؐ کے رُوحانی منصب پر فائز وہبی علم اور رُوحانی قوتوں کے

مالک، اللہ کے بنائے ہوئے خلیفہ رہے۔ کیونکہ مذہب امامیہ میں "حکومت" کا نام خلافت نہیں۔ بلکہ حکومت منصوص خلیفہ رسولؐ (یعنی فرمودہ رسول سے اللہ کے بنائے ہوئے خلیفہ) کا حق ہے جب کہ وہ رُوحانی پیشوا ظاہراً موجود ہوں۔

خلافت علیؑ منصوص ہے

دوسری جانب سے محض عوام کو بنائے ہوئے "خلیفوں" کو حق پر ثابت کرنے کے لئے، یہ دعویٰ کیا جاتا رہا ہے کہ حضرت رسُولِ خداؐ یہ بتا کر ہی نہیں گئے کہ خلیفہ کون ہو۔ بلکہ عوام ہی پر چھوڑ گئے۔ لیکن ایسا کہنے والوں کی کتابوں سے ثابت ہے کہ رسُولِ خداؐ نے اعلان نبوت کے وقت سے اپنی وفات تک کئی بار حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ اور مولا علیؑ کے لئے ہر وہ لفظ ارشاد فرمایا جو مفہوم خلافت کیلیے مناسب تھا۔ یعنی وصی، ولی، مولیٰ، وارث اور خلیفہ۔ علاوہ ازیں اپنا ہارونؑ بھی قرار دیا۔ ثبوت حسب ذیل ہے۔

دعوت ذوالعشیرہ

تبلیغ رسالتؐ کے ابتدائی ایام میں، جب قرآن مجید، سورۃ الشعراء کہ آیہ مبارکہ ۲۱۴ **وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ہ** (ترجمہ آیہ مبارکہ یہ ہے:۔ اور ڈرائیے اپنے قریبی عزیزوں کو") نازل ہوئی تو رسُول خداؐ نے حاضرین دعوت کے سامنے خلافتِ علیؑ کا اعلان یوں فرمایا:۔ "**ان ھذا اخی ووصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا**" یعنی تحقیق یہ (علیؑ) میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے تم لوگوں میں، پس اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو"۔ رسُولِ خدا کا یہ فرمانِ بیان حسب ذیل کُتب اہل سنۃ والجماعۃ میں موجود ہے:۔ (ان کے علاوہ بہت سی دیگر کتب میں بھی ہے)۔

(۱) مسندِ امام احمد حنبل مطبوعہ مصر الجزء الاول ص ۳۳۱ (۲) کنز العمال مطبوعہ مصر جلد ۶ حدیث نمبر ۶۰۰۸۔ اور حدیث ۶۰۵۶ (۳) تاریخ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد اول الجزا الثالث ص ۱۶ (۴) تفسیر معالم التنزیل ابو الفراء بغوی مطبوعہ مصر (برحاشیہ تفسیر خازن) جلد پنجم ص ۱۰۵ (۵) تاریخ "المختصر فی احوال البشر" ابو الفدا مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۱۹۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

بعض لوگ عذر کرتے ہیں کہ صرف "اقربین" میں خلیفہ مقرر فرمایا اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ خلیفہ ہوا کریں۔ اقربین میں الگ اور باقی اُمت میں الگ، یعنی جو باقی اُمت میں خلیفہ ہو اُسے اقربین سے بیعت لینے کا حق نہیں لیکن یہ بات عذر کرنے والوں کو بھی قبول نہ ہوگی۔ لہذا یہ عذر کہ صرف قربین میں خلیفہ مقرر فرمایا درست عذر نہیں۔ علاوہ ازیں اُس وقت حاضرین دعوت "اقربین" میں کُفار کی اکثریت تھی۔ پھر کیا کافروں میں خلیفہ مقرر فرما رہے تھے؟ (معاذ اللہ) حقیقت یہی ہے کہ جس طرح اُن کے سامنے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا اُسی طرح خلافتِ علیؑ کا بھی اعلان فرمایا۔ نہ تو رسالتِ محمدؐ یہ اُن کے اقربین تک محدود تھی اور نہ ہی خلافت علیؑ۔ بلکہ محض ابتدائے تبلیغ "اقربین" سے ہوئی۔

یا علیؑ آپ کی منزلت مجھ سے ایسے ہی ہے جیسے موسیٰؑ کی ہارون سے

حضرت رسالتمآبؐ نے جب سفر تبوک پر روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؑ کو "خلیفہ" مقرر فرمایا۔ بعضوں نے کہا "عورتوں اور بچوں میں" خلیفہ بنایا ہے (جس طرح کہا "اقربین میں بنایا ہے") اُس پر حضرت علیؑ نے رسُولؐ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ (یعنی

میری خلافت کو بچوں اور عورتوں تک محدود قرار دے رہے ہیں) تو حضورؐ نے فرمایا "تیری منزلت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ **اور حضرت علی کی شان میں رسول کا یہ فرمانِ وحی بیان اہل سنتہ و الجماعتہ حضرات کی حسب ذیل کتب میں موجود ہے:۔**

(۱) صواعق محرقہ امام ابن حجر مکی مطبوعہ مصر ص ۸۴ (۲) ازالتہ الخفا ولی اللہ محدث دہلوی (اردو ترجمہ) مطبوعہ سعیدی کراچی مقصد دوم ص ۵۰۵ (۳) فیض الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مجلس علمی سورت، باب مناقب علی جلد ۴ ص ۶۸ (۴) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد دوم باب فضائل اصحاب النبی مناقب علی حدیث ۹۰۳ (۵) صحیح مسلم مطبوعہ مصر الجزاء الثانی باب من فضائل علی (۶) مسند امام اہل سنتہ والجماعتہ احمد حنبل مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۷۹ سطر ۱۲ تا ۱۸ ص ۱۸۲ کی آخری دو سطریں ص ۱۸۴ سطر ۱۷۔۱۸ اور ص ۱۸۰ (۷) "زاد المعاد" حافظ ابن قیم مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص ۳ سطر ۸ (۸) الاصابہ فی تمیز الصحابہ" حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۲۷۰، ص ۲۷۱ (۹) جامع الترمذی مطبوعہ نولکشور باب مناقب علی (۱۰) شرح مواقف مطبوعہ نولکشور لکھنو ص ۷۳۹ سطر اول (۱۱) منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۳۱ سطر ۲ اور ص ۵۳ پہلی سطر (۱۲) "ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" محب طبری مطبوعہ مصر جلد ص ۱۶۲، ص ۱۵۳ (۱۳) تاریخ الخمیس مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۱۲۵ (۱۴) تاریخ الخلفاء سیوطی (اردو ترجمہ) مطبوعہ صدیقی (مطبع زمیندار) لاہور ص ۹۱ (۱۵) روضتہ الصفاء مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص ۱۶۱ سطر ۲۵ تا ۲۷ (۱۶) روضتہ الاحباب جمال الدین محدث مطبوعہ انوار محمدی لکھنو (تیغ بہادر) جلد اول ص ۲۸۷ (۱۷) معارج النبوۃ معین کاشفی مطبوعہ نولکشور رکن چہارم ص ۲۸۱ (۱۸) مشکوۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد سوم باب مناقب علی ص ۲۵۸ حدیث نمبر ۵۲۹ متفق علیہ۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

رسُول خدا نے اپنے فرمانِ وحی بیان میں صرف نبوت کو مستثنےٰ فرمایا جیسا کہ فرمایا "الا انہ لانبی بعدی" اور مسند احمد حنبل مطبوعہ مصر جلد اول (مسند ابی اسحٰق سعد بن ابی وقاص) ص ۱۷۰ سطر ۲۳ تا ۲۶، حدیث منزلت کی روایت بالمعنی موجود ہے "الا النبوۃ" کے الفاظ ہیں۔ لہذا صرف نبوت کو مستثنیٰ کیا گیا۔ تو نبوت کو چھوڑ کر حضرت ہارونؑ کی ہر منزلت (جو انہیں موسیٰؑ سے حاصل تھی) حضرت علیؑ کو رسولؐ سے حاصل ہوئی۔ قرآن مجید کی رُو سے حضرتِ ہارونؑ ہی حضرتِ موسیٰؑ کے خلیفہ اول (بلافصل) تھے۔ لہذا فرمانِ رسُولؐ کی رُو سے یہی منزلت حضرت علیؑ کو حاصل ہوئی اور حضرت رسول خداؐ کے خلیفہ اول (بلافصل) قرار پائے۔ کیونکہ رسُولِ خداؐ نے نبوت کو مستثنیٰ فرمایا ہے اولیت خلافت کو نہیں اگر خدا اور رسولؐ کا منشاء اس کے خلاف کچھ اور ہوتا علیم و حکیم خدا، اپنے معصوم رسُولؐ کی زبان وحی بیان ہی سے اُسی موقع پر خلافت کو بھی مستثنیٰ کروا دیتا۔ لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ اس بناء پر منشاء الٰہی یہی قرار پایا کہ ہارونِ محمدؐ ہونے کی وجہ سے حضرت علی مرتضیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ہی رسُول خُدا کے خلیفہ اول ہیں۔ خواہ اُن کے پاس حکومت ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ دُنیوی حکومت کا نام خلافت نہیں بلکہ منصبِ رُوحانی جانشینی پیغمبرؐ کا نام خلافت ہے لیکن حکومت خلیفہ رسُولؐ کا حق ضرور ہے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سفر تبوک پر تشریف لے جاتے ہوئے عارضی طور پر خلیفہ چھوڑ گئے تھے انہیں یہ غور کرنا چاہیے کہ وقتی طور پر خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑ جانا کوئی ضروری نہ تھا جب کہ کسی جنگ اور کسی سفر پر جاتے ہوئے پہلے کبھی مدینہ کسی کو خلیفہ نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ منشاء رسُولؐ یہی تھا کہ لوگوں کو آپؐ کے خلیفہ کا علم ہو جائے۔ علاوہ ازیں فرمانِ وحی بیان میں لفظ "بعدی" یعنی میرے بعد اس امر

کی واضح دلیل ہے کہ مولا علیؑ کی منزلت ہارونی وقتی یا عارضی نہ تھی بلکہ رسولؐ کے بعد بھی مولا علیؑ اسی منزلت پر رہیں گے۔ یہ منزلت سلب نہ ہوگی۔ اس بات کی تائید مندرجہ ذیل حدیث بھی کرتی ہے:۔

تبلیغ سورہ برات

کے موقع پر حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان یوں فرمایا:۔

"علیٌ منی وھواخی و دارثی و خلیفتی فی اھل بیتی و امتی بعدی " یعنی فرمایا علیؑ مجھ سے ہے اور وہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وارث اور میرا خلیفہ ہے میرے اہل بیتؑ اور میری اُمت میں میرے بعد"۔(دیکھئے حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد اول جزو سوم ص ۲ سطر ۴)۔

«توجہ فرمائیں»

حضرت سید الانبیاءؐ کے فرمان میں لفظ "بعدی" یعنی "میرے بعد" اس امر کا مقتضی ہے کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ ہی کے بعد خلیفہ تسلیم کیا جائے نہ کہ دوسرے حضرات کے بعد۔ لفظ "وصی" اور "وارثی" بھی اس امر کے موید ہیں۔

اعلانِ ولایت مولا علیؑ

غیر شیعہ حضرات کی معتبر کتب سے ثابت ہے کہ سرکار دو جہان، رسول خدا نے فرمایا:۔

"ان علیا منی وانا منه و ھوولی کل مومن بعدی " یعنی "علیؑ مجھ سے اور میں اس سے ہوں اور وہ ہر ایمان والے کا ولی ہے میرے بعد"۔ یہ فرمانِ رسولؐ حسب ذیل کتابوں میں موجود ہے:۔

(۱) صابہ فی تمیز الصابہ حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الشرفیہ مصر (سنہ ۱۳۲۵ھ) الجزء الخامس ترجمہ وہب بن حمزہ ص ۳۲۵ اور الجزء الثالث ص ۲۷۰ تا ۲۷۱ (۲) جامع الترمذی طبوعہ نولکشور باب مناقب علی ابن ابی طالب ص ۶۱۶ (۳) خصائص امام نسائی مطبوعہ محمدی لاہور ص ۵۲ تا ص ۵۴ (۴) صواعق محرقہ امام بن حجر مکی مطبوعہ مصر ص ۴۷ (۵) کنزالعمال مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ششم ص ۱۵۲ یا منتخب کنزالعمال برحاشیہ مسند حنبل مطبوعہ مصر جلد پنجم ص ۳۰ و ص ۵۲۔

مخفی نہیں کہ حضرت علیؑ عہدِ رسالتؐ میں بھی مومنوں کے دوست و مددگار ہی تھے دشمن تو نہیں تھے۔ اگر مقصود پیغمبرؐ "دوست" یا "مددگار" کہنا ہوتا تو حضورؐ لفظ "بعدی" یعنی میرے بعد ہرگز نہ فرماتے۔ یہ لفظ بتا رہا ہے کہ وہ ولایت مراد ہے جو حضرت علیؑ کو عہدِ رسالتؐ کے بعد حاصل ہونے والی تھی۔ لہذا لفظ "بعد" کے ہوتے ہوئے ولی کا معنیٰ "دوست" یا "مددگار" اس حدیث میں ہرگز نہیں ہوسکتا اس بنا پر ولی کا معنیٰ "حاکم" ہی صحیح ہے یعنی رسولؐ نے فرمایا۔ "علی مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں اور وہ ہر مومن کا حاکم ہے میرے بعد"۔ کیونکہ اس معنیٰ میں حضرت علیؑ عہدِ رسالتؐ میں ولی نہ تھے بلکہ رسولؐ حاکم تھے اور رسولؐ کے ظاہر بہ ظاہر موجود ہوتے ہوئے "علی ولی اللہ" کہہ کر علی کو حاکم قرار دینا عہدِ رسالتؐ میں مناسب نہ تھا۔ بلکہ عہدِ رسالتؐ کے بعد ہی مناسب ہے اور عہدِ رسالتؐ کے بعد "علی ولی اللہ" کہہ کر مولا علیؑ کی حاکمیت کا قرار کرنا فرمانِ رسولؐ "**ھوولی کل مومن بعد**" کو تسلیم کرنے کا اعلان اور اپنے ایمان کا اظہار ہے۔

علی ولی اللہ کا اعلان

اہل سنۃ والجماعۃ حضرات نے خطبہ جمعہ میں حضرت علیؑ اور دیگر حضرات کے نام پڑھنا

عہدِ رسالتؐ کے بعد ہی شروع کیا۔ حالانکہ یہ کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ خطبہ جمعہ میں یہ شارنام عہدِ رسالتؐ میں پڑھے جاتے تھے۔ "علی ولی اللہ" کہنے کو (معاذ اللہ) "بدعت" کہنے سے پہلے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ کسی بات کو بدعت اُسی وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ وہ بات قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو۔ لہٰذا "علی ولی اللہ" پڑھنا بدعت نہیں۔ بلکہ سنت ہے کیونکہ حضرت رسُول خدا نے "علی ولی اللہ" خود اپنی زبانی وحی بیان سے پڑھ کر سُنایا ہے جیسا کہ فردوس الاخبار دیلمی میں ہے کہ رسُولؐ نے فرمایا کہ **میں نے شب معراج کے دروازہ پر سونے کے حروف سے یہ کلمہ لکھا ہوا دیکھا**

"لا اله الله محمد حبيب الله علي ولي الله"

اور **کلمہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ** کے ساتھ مولا علیؑ کا ذکر منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۳۵ میں بھی موجود ہے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

جنت کے دروازہ والے کلمہ کے مطابق "علی ولی اللہ" ہم اس لئے پڑھتے ہیں کہ جنت میں جانا چاہتے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن بعض لوگ دروازہ جنت پر "علی ولی اللہ" لکھا ہوا دیکھ کر شاید یہی کہتے ہوئے واپس ہو جائیں کہ "یہ تو شیعوں کا امام بارہ ہے ہم اس میں نہیں جائیں گے"۔ ڈاکٹر طہٰ حسین پھر اسی کتاب کے ص ۲۸۹ (سطر ۱۰ سے) یوں تحریر فرماتے ہیں:۔ اس طرح گمان غالب ہے کہ شیعہ دُشمن عناصر نے عہد اُمیہ عباسیہ میں عبداللہ سباء کے معاملے کو اس لئے مبالغہ کا رنگ دے دیا کہ ایک طرف تو کچھ ایسے واقعات جو حضرت عثمان اور اُن کے والیوں سے منسوب ہیں وہ مشکوک

ہو جائیں اور دوسری طرف حضرت علیؑ اور اُن کے ساتھیوں پر زد پڑے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ شیعہ ایک یہودی کے جھانسے میں آئے ہوئے تھے۔

جس جس کا میں مولا ہوں اُس اُس کا علی مولا ہے

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع (سنہ ۱۰ھ) سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لاتے ہوئے جب مقامِ غدیرِ خُم پر پہنچے تو قرآن مجید کی یہ آیہ مبارکہ ومقدسہ نازل ہوئی:۔

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ط وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (قرآن مجید پارہ، سورۃ المائدہ کی آیت ہے۔

ترجمہ:۔ اے رسُولؐ (پیغام) کو پہنچا دیجئے جو آپؐ کی جانب آپؐ کے رب کی طرف سے نازل ہوا (۲) یہ حکم پہلے ہو چکا تھا جس کی جانب اشارہ فرمایا۔ اور حکم سورہ الانشراح کا ہے "**اذا فرغت فانصب**" یعنی جب آپؐ (حج سے) فارغ ہو جائیں تو مقرر کر دیجئے) اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو رسالت کو نہیں پہنچایا۔ اور (اُن) لوگوں کو (معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ایسے موجود تھے جن سے (یہ پیغام پہنچاتے ہوئے) رسُول کو خطرہ تھا) ان سے آپ کو اللہ بچائے گا۔

قرآن مجید کے اس حکم خدا کی تعمیل کے لئے رسُولؐ خدا نے ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا (وہ صحابہ حج کر کے آئے تھے یعنی حاجی بھی تھے) جس میں حضرت علیؑ کو اُن تمام مخلوقات کا مولا قرار دیا جن کے خود آپؐ مولا ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: "**فمن کنت مولا فھذا**

مولاہُ" کو صحیح تسلیم کیا ہے او مشکل آلا ثار طحاوی مطبوعہ دائرہ المعارف حیدر آباد دکن طبعہ اولیٰ جلد اول ص ۳۰۸ سطر ۱۸ میں حدیث غدیر کے متعلق یوں لکھا ہے:۔ "**فھذا الحدیث صحیح الاسناد لاطعن لاحد فی راتہ**" ترجمہ۔پس یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اس کے راویوں میں کسی پر بھی کوئی طعن نہیں ہے۔

لفظ مولا کا معنی کیا ہے؟؟

رسول خدا نے اپنے خطبہ میں حضرت علیؑ کو مولا قرار دینے سے پہلے خود ہی مولا کا مطلوب معنی بھی سمجھا دیا فرمایا "الست اولی بکم منکم انفسکم" یعنی کیا میں تم لوگوں کی جانوں پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟ ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ نے کہا "بیشک" تو حضورؐ نے فرمایا: "**من کنت اولی بہ من نفسہ فعلی اولی بہ من نفسہ**" (دیکھئے "ینابیع المودۃ" مصنفہ مفتی اعظم قسطنطنیہ محمد سلیمان حنفی بلخی مطبوعہ اسلامبول جلد اول ص ۱۱۵) "یعنی جس کی جان پر اُس سے زیادہ صاحب اختیار ہے۔ یہ معنی سمجھا کر فرمایا پس جس کا میں مولا ہوں اُس کے یہ علیؑ مولا ہیں" لہذا ثابت ہوا کہ مقصود پیغمبر علیؑ کو دوست" بتانا نہیں بلکہ جانوں پر اختیار رکھنے والا حاکم قرار دینا تھا۔ اس لئے حدیث غدیر میں لفظ مولا کا معنی دوست ہرگز درست نہیں۔

۲۔ خطبہ رسولؐ سن کر مشہور صحابی رسولؐ حسان بن ثابت نے مولا علیؑ کی شان میں اُسی وقت حاضرین کے سامنے قصیدہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

فقال لہ قمہ یا علیؑ ذاننی رمیتک من بعدا ماما وھا دیا

ترجمہ:۔ پس (رسولؐ) نے حضرت علیؑ سے فرمایا "اے علیؑ کھڑا ہو جا پس تحقیق میں نے تجھے

علی مولا "۔ یعنی "پس جس کسی کا میں مولا ہوں تو علیؑ اُس کا مولا ہے"۔ رسُول کا یہ فرمان وحی بیان حسب ذیل کُتب اہلسنتہ میں موجود ہے:۔

(۱) منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول" نواب صدیق حسین بھوپالی (اہلحدیث) مطبوعہ شاہجہانی ص ۱۳ سطر ۳ تا ۶ (۲) مشکوٰۃ (مترجم) مطبوعہ سعیدی کراچی جلد سوم باب مناقب علیؑ فصل دوم ص ۲۵۹ حدیث نمبر ۸۳۰ (۳) جامع الترمذی مطبوعہ نولکشور باب مناقب علیؑ ص ۶۱۹ (۴) "مطالب السئول" شیخ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی ص ۵۶۵۵ (۵) ریاض النفرہ فی مناقب العشرہ محب طبری مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۵۳ (۶) مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ نولکشور کانپور جلد ۲ ص ۵۱۲ (۷) تفسیر دُر منثور سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۵۹ (۸) کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۱۳ جلد ۶ ص ۳۹۷ (۹) تاریخ الخلفاء سیوطی (اُردو ترجمہ) مطبوعہ صدیقی (مطبع زمیندار لاہور ص ۱۲۱ (۱۰) روضۃ الصفاء مطبوعہ بمبی جلد ۲ ص ۱۷۳ سطر ۱ تا ۵ (۱۱) تذکرہ خواص الامۃ ابن جوزی مطبوعہ مصر ص ۲۰ سطر ۴ (۱۲) شواہد النبوۃ مولانا جامی مطبوعہ مطبع چودری بمبی ص ۲۰۸ (۱۳) "سر العالمین" امام غزالی مطبوعہ بمبی مقالا رابع ص ۹ (۱۴) الشفاء قاضی عیاض مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ لاہور الجز الثانی ص ۱۸۶ سطر ۵۔

نوٹ:۔ "سِر العالمین" تصنیف امام غزالی ہی ہے ثبوت کے لئے میزان الاعتدال علامہ ذہبی مطبوعہ مصر جلد اول حرالحاء ترجمہ حسن بن صباح ص ۲۴۲ ملاحظہ ہو۔

حدیث غدیر صحیح ہے

امام ابن حجر مکی نے "صواعق محرقہ" مطبوعہ مصر کے ص ۲۵ پر حدیث "من کُنت

پسند کیا بعد کے لئے امام (پیشوا) اور ہادی"۔ اور اُسی قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے:۔

فخص بهادون المبریته کلها　　علیاً وسماه الوزیر المواخیا

(یہ دو شعر قصیدہ حسان کے، تذکرہ خواص الامتہ علامہ سبط الجوزی کے ص ۲۰ پر دیکھئے)

ترجمہ:۔ پس (رسولؐ نے) تمام مخلوقات کو چھوڑ کر اس (پیشوا اور ہادی کے منصب) کے لئے علیؑ کو مخصوص کیا اور اُنہی کا نام رکھا "وزیر" برادر۔

حدیث تین قسم کی ہوتی ہے (۱) قولی (۲) فعلی (۳) تقریری رسولؐ۔ تیسری قسم یعنی "تقریر رسولؐ" وہ کہلاتی ہے کہ رسولؐ کے سامنے کوئی بات کہی جائے یا کوئی فعل کیا جائے اور رسولؐ تردید نہ فرمائیں یعنی رسولؐ کی خاموشی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ قول یا فعل صحیح ہے۔ اور اُسے حدیث تسلیم کیا جاتا ہے جیسا کہ مقدمہ مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اصول حدیث تحریر فرمائے اور اس تیسری قسم کا ذکر فرمایا ہے۔ لہذا احسان بن ثابت صحابی رسولؐ نے مولا کے معنے "امام" ہادی، "وزیر" پیغمبرؐ کے سامنے بیان کئے اور پیغمبرؐ نے تردید نہ فرمائی۔ اگر محض "دوست" کہنا مقصود ہوتا تو فوراً منع فرما دیتے کہ میں نے "مولا" امام، ہادی اور وزیر کے معنوں میں کہا ہے محض "دوست" کہا ہے۔ لیکن پیغمبرؐ نے منع نہیں فرمایا اور خاموش رہ کر ثابت فرما دیا کہ "مولا"، "دوست" کے معنی میں نہیں فرمایا۔

۳۔ خطبہ رسولؐ کے بعد حضرت عمر بن خطاب نے حضرت علیؑ کو یوں مُبارکباد دی: "مبارک! مبارک آپ کو اے فرزندِ ابو طالب! کہ آپ نے ایسی صبح کی اور ایسی شام کی (یعنی آج کا دن آپ کے لئے ایسا آیا) کہ آپ میرے مولا ہوئے اور تمام مومن مردوں اور تمام مومن عورتوں کے مولا ہوگئے"۔ حضرت عمر کے یہ الفاظ مشکوٰۃ (عربی) مطبوعہ محمدی دہلی باب مناقب علیؑ اور سیر العالمین امام غزالی مطبوعہ بمبئی مقالہ رابعہ ص ۹ میں موجود ہیں حضرت عمرؓ کے الفاظ کی رُو سے "مولا" کا مقام حضرت علیؑ کو اُسی روز حاصل ہوا تھا پہلے حاصل نہیں تھا جب کہ مومنین و مومنات کے دوست حضرت علیؑ پہلے بھی تھے۔ لہذا اس حدیث غدیر میں "مولا" کا معنی دوست نہیں بلکہ جانوں پر صاحبِ اختیار حاکم" ہے

یعنی رسولؐ کے بعد منصبِ ہدایت پر فائز، مخلوقات کا امام اور پیغمبرؐ کا وزیر۔

۴۔ علامہ سبط ابن جوزی نے "خواص الامۃ" کے ص ۲۰ پر "مولا" کے معنے دوست لکھنے کی بجائے یہ لکھے ہیں "**هذا نص صريح فى اثبات امامته وقبول طاعته**" یعنی "یہ (حدیث پیغمبرؐ میں لفظ مولا) حضرت علیؑ کی امامت کے اثبات اور آپؑ کی اطاعت قبول کرنے کے بارے میں نص صریح ہے"۔

۵۔ امام غزالی نے بخ بخ کہہ کر مبارک باد دینے کو تسلیم و رضا و تحکیم تحریر فرمایا ہے۔ دیکھئے "سرّ العالمین و کشف ما فی الدارین" مطبوعہ بمبئی مقالہ رابعہ ص ۹۔

دستارِ ولیعہدی

اگر صرف "دوست" کہنا مقصود فرمانِ پیغمبرؐ ہوتا تو حضورؐ کو علیؑ کی دستار بندی کی کیا ضرورت تھی؟ حالانکہ غدیر خم کے مقام پر حضرت علیؑ کے سر مبارک پر خود رسولؐ نے دستار باندھی۔ ثبوت کے لئے دیکھئے "ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۲۱۷ اور کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۸ ص ۶۰۔

منکر ولایت

حرث فہری کا واقعہ عذاب

تفسیر ثعلبی میں قرآن مجید کے پارہ ۲۹ کی سورۃ المعارج کی تفسیر میں بروایت امام محمد باقرؑ

اور تفسیر فتح البیان علامہ المحدیث نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی جلد عاشر (۱۰) مطبوعہ مصر ص ۴۸ سطر ۲۰ میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حدیث "**من کنت مولاہ**" جب تمام اطراف اور چھوٹے بڑے شہروں میں پہنچ گئی تو حرث بن نعمان فہری، خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوا۔ حضورؐ سے کہنے لگا۔ یا محمدؐ: آپؐ نے ہم لوگوں کو **لا الہ الا اللہ** کی شہادت دینے کا حکم دیا: ہم نے مان لیا: پھر آپ نے نماز پنجگانہ کا حکم دیا ہم نے مان لیا پھر آپ نے ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا وہ بھی ہم نے قبول کیا۔ پھر آپ نے حج اور اپنے اموال کی زکوٰۃ دینے کا حکم دیا وہ بھی ہم نے قبول کر لیا۔ اس پر بھی آپ راضی نہ ہوئے حتیٰ کہ آپ نے اپنے چچا کے بیٹے (علیؑ) کے بازو کو بلند کر کے اُس (علیؑ) کو تمام انسانوں پر فضیلت دے دی۔ اور آپ نے کہہ دیا کہ جس کا میں مولا ہوں اُس کا علیؑ (بھی) مولا ہے"۔ یہ حکم آپ کی جانب سے ہے یا اللہ کی جانب سے"؟

حرث کی یہ گفتگو سن کر حضرت رسولِ خداؐ کی آنکھیں غضب سے سُرخ ہو گئیں اور حضورؐ نے فرمایا" قسم ہے اللہ کی، جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ حکم اللہ کی جانب سے ہے۔ میری جانب سے نہیں" حضورؐ نے تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا: تو حرث کھڑا ہو گیا اور یہ کہتا ہوا (اپنی اونٹنی کی جانب) چلا کہ جو کچھ محمدؐ کہتے ہیں۔ اگر یہ حق ہے تو اے اللہ ہم پر آسمان سے پتھر بھیج یا کوئی اور دردناک عذاب پہنچا"۔ راوی کا بیان ہے کہ "پس قسم خدا کی، حرث اپنی اونٹنی تک نہیں پہنچا تھا کہ اللہ نے اُسے آسمان سے پتھر مارا جو اُس کے سر پر لگا اور دُبر سے نکل گیا۔ حرث وہیں مر گیا۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

سَأَلَ سَائِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ترجمہ آیت:۔ ایک مانگنے والے نے عذاب مانگا جو منکروں کے لئے واقع ہونے والا ہے کوئی شخص اُس کو روکنے والا نہیں (نوٹ:۔ یہ آیہ مقدسہ قرآن مجید پارہ ۲۹ رکوع ۶ سورۃ المعارج کی ہے)۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

حرث بن نعمان فہری توحید و رسالت کا قائل، نماز پڑھنے والا، روزے رکھنے والا مسلمان تھا۔ جس نے رسُولِ خدا کی صحبت بھی پائی۔لہذا وہ صحابی تھا اور عرب کا رہنے والا تھا، عربی زبان سے واقف تھا۔ اُس نے مولا کا یعنی "دوست" نہیں سمجھا اسی لئے کہا کہ آپؐ نے علیؑ کو تمام انسانوں پر فضیلت دے دی"۔ اور حضرت رسُولِ خداؐ نے بھی اُس کے سمجھے ہوئے معنوں کی تردید نہیں فرمائی بلکہ اللہ کی قسم کھا کر فرما دیا کہ "یہ حکم اللہ کی جانب سے ہے"۔ اور تین مرتبہ فرما کر تاکید فرما دی۔ اگر لفظ "مولا" سے مقصود پیغمبر محض "دوست" کہنا ہوتا۔ تو حضورؐ فرما دیتے کہ اے حرث! تو نے مولا کا مفہوم غلط سمجھا، میں نے تو صرف "دوست" کہا تھا۔ لیکن حضورؐ نے ایسا نہیں کیا۔لہذا حدیث غدیر میں مولا کا معنیٰ دوست ہرگز درست نہیں۔ بلکہ وہی معنیٰ درست ہے، جس کے مطابق علیؑ کو مولا تسلیم کرنے پر حرث تیار نہ تھا۔ اور منکر ہو کر بتلائے عذاب ہوا اور ہلاک ہو گیا۔ اللہ ہمیں اس بات سے محفوظ رکھے کہ ہم اُس معنیٰ میں علیؑ کو اپنا مولا تسلیم کرنے سے انکار کریں ہم تو صدیق دل سے اپنے مولا علیؑ کو رسُولؐ کے بعد تمام مخلوقات سے افضل، رسُولؐ کے وزیر اور خلیفہ اور اپنے امام و ہادی تسلیم کرتے ہیں۔

خُطبہ غدیر میں الفاظ "وصی" اور "خلیفہ"

مُفتی اعظم اہل سنت والجماعۃ علامہ محمد سلیمان حنفی نقشبندی قندوزی بلخی نے اپنی تصنیف "ینابیع المودۃ" مطبع استنبول جلد اول ص ۱۱۵ میں لکھا ہے کہ جب رسُولِ خدا نے "**من کنت مولاہ فھذا علی مولا**" ارشاد فرمایا تو قرآن مجید کی آیہ مبارکہ (یہ آیت پارہ ۶ سورۃ المائدہ کی ہے) (**ق** **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا**) نازل ہوئی۔ (ترجمہ آیہ مبارکہ " آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین

اور تم پر پورا کر دیا اپنی نعمت کو اور میں راضی ہوا کہ اسلام تمہارا دین مانا جائے")۔ تب تکمیل دین اور اتمام نعمت پر (خوش ہو کر) رسولِ خدا نے "اللہ اکبر" فرمایا۔ تو حضرت سلمان فارسیؓ (صحابی رسولؐ) نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ "یا رسولؐ اللہ! کیا یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے"؟ حضورؐ فرمایا۔ "بیشک علیؑ اور میرے روزِ قیامت تک کے اوصیاؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے"۔ (یعنی آیت ۵۔۳ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے مخاطب صرف حضورؐ اور آپ کے اوصیا ہیں۔ جن پر نعمت کو پورا کیا۔ تو معلوم ہو گیا کہ ۱۔۷ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے کون مراد ہیں) پس حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا کہ آپؐ ہمارے لئے اُنہیں بیان فرما دیجئے (کہ وہ اوصیا کون ہیں؟) حضورؐ نے فرمایا کہ اُن کا اول علیؑ ہے اور وہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وارث اور میرا خلیفہ ہے پھر حسنؑ، پھر حسینؑ کی اولاد میں سے نو (اوصیا) ہوں گے"۔

لفظ وصی کا مزید ثبوت مروج الذہب مسعودی بر حاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۶ ص ۷۵ اور شواہد النبوۃ مولانا جامی مطبوعہ نولکشور ص ۱۶۴ پر ملاحظہ فرمائیے۔ مندرجہ بالا تمام حوالوں سے ثابت ہوا کہ مقام غدیر خُم پر رسولؐ نے حضرت علیؑ کے دوست کے معنی میں نہیں بلکہ وصی و خلیفہ کے معنی میں مولا فرما کر دستار ولیعہدی باندھی تھی۔ اور حضرت علیؑ سے امام مہدیؑ تک بارہ اوصیاءؑ کی خبر دے دی تھی۔

اثناء عشر (یعنی ۱۲) خُلفاء

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بارہ ۱۲ خلفاء کا ذکر کئی مرتبہ فرمایا اور اُن ہی کو "آئمہ"، "اُمرا"، "اوصیا"۔ ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ قرآنِ مجید مع ترجمہ و تفسیر شاہ عبد القادر محدث دہلوی مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ پارہ ۶ سورۃ المائدہ میں ارشاد پروردگار ۵۔۱۲ وَ بَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا

کی تفسیر حاشیہ پر یوں مرقوم ہے:۔ ایک عہد اُس امت سے تھا کہ رسولؐ جو بعد پیدا ہوں۔ اُن کی مدد کرو۔ اُس کے بدل ہم سے یہ ہے کہ خلفاء کی اطاعت کرو۔ یہ مذکورہ بارہ سرداروں کا یہاں فرمایا اسی اشارہ کو کہ حضرتؐ نے بتایا ہے کہ میری اُمت میں بارہ خلیفہ ہوں گے قوم قریش سے"۔ عبدالقادر محدث دہلوی کی تفسیر وضح القرآن کی مندرجہ بالا عبارت سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ رسولؐ نے خلفاء کی تعداد بارہ بتائی تھی بلکہ یہ بھی ثابت ہو گیا اُن بارہ خلفاء کی اطاعت فرض ہے۔

«بارہ خلفاء کے متعلق احادیث حسب ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیے»

۱۔ تاریخ الخلفا امام جلال الدین سیوطیؒ (اُردو) مطبوعہ صدیقی (مطبع زمیندار) لاہور ص ۵

(۲) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی، جلد ۳، کتاب الاحکام ص ۹۰۷ حدیث نمبر ۸۶-۲ باب ۱۱۸۶

(۳) صحیح مسلم مع شرح نووی (عربی) مطبوعہ مصر الجزاء الثالث کتاب الامارہ ص ۱۴۵۲ (۴) مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد سوم باب مناقب قریش و ذکر القبائل ۱۲۹ حدیث نمبر ۵۷۲۹

(۵) ترمذی (نور محمد اصح المطابع کراچی والی) مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی جلد دوم ص ۱۹ حدیث ۹۰۔

اب فیصلہ طلب امر یہ ہے کہ وہ بارہ واجب الاطاعت خلفاء کونسے ہیں؟ مذہب امامیہ کے مطابق وہ بارہ واجب الاطاعت خلفائے رسولؐ یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ (۲) حضرت امام حسنؑ (۳) حضرت امام حسینؑ (۴) حضرت امام زین العابدین علیؑ (۵) حضرت امام محمد باقرؑ (۶) حضرت امام جعفر صادقؑ (۷) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ (۸) حضرت امام علی رضاؑ (۹) حضرت امام محمد تقیؑ (۱۰) حضرت امام علی نقیؑ

(۱۱) حضرت امام حسن عسکریؑ (۱۲) حضرت امام مہدیؑ۔

مذہب اثناء عشری کا یہ عقیدہ ارشادات رسولؐ کے مطابق ہے جیسا کہ مفتی اعظم اہل سنتہ والجماعتہ علامہ محمد سلیمان حنفی کی کتاب ینابیع المودہ مطبوعہ استنبول جلد ا ص ۱۱۵ سے حدیث غدیر نقل ہوئی۔ لیکن شرح فقہ اکبر علامہ علی قاری حنفی مطبوعہ مجتبائی دہلی کے ص ۸۴ پر "بارہ خلفاء" کی دوسری فہرست لکھی ہوئی ہے۔ جس میں یزید بن معاویہ کو چھٹا "خلیفہ" شمار کیا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۲۹ ص ۶۲۹ بھی ملاحظہ ہو۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۳ کتاب الفتن ۴۸ے حدیث نمبر ۱۹۸ کی مندرجہ ذیل عبارت بھی قابل غور ہے:۔

"سلیمان بن حرب، حماد بن زید، ایوب، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت فسخ کر دی تو ابن عمر نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ ہر عہد شکنی کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ ہم اس شخص کی بیعت (یعنی یزید کی) خدا اور اس کے رسول کے (معاذ اللہ یعنی یزید کی اطاعت کو، خدا اور رسول کی اطاعت سمجھا) موافق کر چکی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس بھی بڑھ کر کوئی بے وفائی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت خدا اور اسکے رسول کے موافق کی جائے پھر اس سے جنگ کی جائے میں نہیں جانتا کہ تم میں جو شخص (یعنی یزید کو) اس کی تخت خلافت سے معزول کرے گا اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو ہمارے اور اس کے درمیان جُدائی کا پردہ حائل ہوگا"۔

صحیح بخاری کی مندرجہ بالا عبارت اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ عبداللہ بن عمر نے یزید کی

بیعت کی تھی اور عبداللہ مذکور کی نظر میں یزید خلیفہ برحق تھا (معاذ اللہ) بلکہ وہ یزید کی بیعت کو خدا اور رسولؐ کی بیعت سمجھتے تھے (نعوذ باللہ)۔ مہتمم دارالعلوم دیوبند حافظ قاری محمد طیب صاحب اپنی کتاب "شہید کربلا اور یزید" مطبوعہ کراچی کے ص ۸۸ پر مقدمہ ابن خلدون کی عبارت کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:۔ "کہیں تم اس غلطی میں مت پڑ جانا کہ تم اُن لوگوں کو جو حضرت حسینؑ کی رائے کے مخالف تھے اور ان کی مدد کے لیے (عملاً) کھڑے نہیں ہوئے گنہگار کہنے لگو اس لئے کہ وہ صحابہ کی اکثریت سے جو یزید کے ساتھ تھے اور اس پر خروج جائز نہیں سمجھتے تھے"۔

اور "شہید کربلا اور یزید" کے ص ۸۲ پر یوں لکھتے ہیں:۔

"حضرت حُسین کو باغی کہنے کا منصوبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ یزید خلیفہ برحق تھا اور اُس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ظاہر کی گئی ہے کہ صحابہ کی اکثریت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی"۔

لیکن شرح فقہ اکبر علامہ علی قاری حنفی کی فہرست میں ہے، سوائے حضرت علیؑ کے کسی کو بھی مذہب امامیہ میں خلیفہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یزید کا تو ذکر ہی کیا؟ لیکن عام طور پر محض بغض و تعصب کی وجہ سے مذہب امامیہ کے پیروکاروں کو قاتلان حُسینؑ کہا جاتا ہے (نعوذ باللہ)۔

قاتلان حُسین کا مذہب

کوئی جاہل بھی اس کا انکار نہ کرے گا کہ امام حسینؑ اور اصحاب حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور یزید کو ہرگز خلیفہ تسلیم نہیں کیا جب کہ اس کے بالکل برعکس قاتلان حُسینؑ یزید کو خلیفہ برحق تسلیم کرتے تھے اور اُس کی بیعت کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حُسین کے قاتلوں نے حضرت امام حُسین اور اُن کے اصحاب باوفا کو، بھوکا پیاسا رکھ کر نہایت ظالمانہ طریقوں سے شہید کیا۔ کیونکہ قاتلان حُسینؑ کی نظر

میں امام علیہ السلام اور ان کے اصحاب باوفا، معاذ اللہ، خلیفہ برحق کے باغی تھے لہذا قاتلان حسینؑ اُسی مذہب کے پیروکار تھے جس میں یزید کو خلیفہ اور امیر المومنین تسلیم کیا جاتا رہا۔ قاتلان حسین علیہ السلام کو مذہب امامیہ کے پیروکار کہنا مبنی بر تعصب و جہالت ہے کیونکہ مذہب امامیہ میں یزید کو خلیفہ تو کجا، مومن ہی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ البتہ علامہ علی قاری حنفی نے شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۸۸ سطر ۲۲ میں یزید کو ایمان والا تحریر کیا ہے۔

۲۔ یزید کے والد کی فوج، حضرت علی مرتضیٰؑ کے خلاف جنگ صفین میں ایک مقتول کے قصاص کا مطالبہ کرتی ہوئی لڑی تھی۔ اُس فوج کا مذہب، مذہب امامیہ کے بالکل برعکس تھا کیونکہ وہ مقتول مذہب امامیہ کا پیشوا نہیں تھا۔ اور نہ ہی اُس "مطالبہ قصاص" سے مذہب امامیہ کا کوئی تعلق ہے۔ یزید کو تخت نشین ہونے کے بعد اپنے والد کی وہی صفین والی فوج ورثہ میں ملی کیونکہ کوئی عقل مند انسان یہ تسلیم نہیں کرے گا کہ یزید کے والد کی وفات کے ساتھ ہی ساری فوج بھی مر گئی تھی۔ لہذا یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ یزید اپنے والد کے اُسی لشکر صفین کا وارث ہوا جس کا مذہب "مطالبہ قصاص" تھا۔ اُسی فوج نے میدان کربلا میں نواسہ رسول کا خون بہایا۔ اُس فوج کا مذہب ظاہر ہے۔

۳۔ لشکر یزید کا مذہب "مطالبہ قصاص" کے عین مطابق تھا۔ جیسا کہ تاریخ الرسل والملوک ابن جریر طبری مع فرانسیسی ترجمہ (مطبوعہ ای جے برل) جلد ۲ (۱) ص ۳۴۲ سطر ۵ تا ۸ میں ہے کہ (اختصار کے پیش نظر طبری کی عربی عبارت چھوڑ کر مفہوم لکھا گیا) اصحاب حسینؑ میں سے نافع بن ہلالؒ میدان جنگ میں نکلے اور یہ رجز پڑھا (رجز کے الفاظ "**انا الجملی وانا علی دین علیؑ**" ہیں) "میں جملی ہوں اور میں علیؑ کے دین پر ہوں۔" اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر یزید سے مزاحم بن حریث نکلا۔ اُس نے کہا کہ میں (یہاں طبری کی عبارت میں ایک

ایسے شخص کا نام ہے جس کا عقیدت مند شخص مذہب امامیہ کا پیروکار ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں نام نہیں لکھ سکتا طبری دیکھیئے کے دین پر ہوں" یہ سن کر حضرت نافع بن ہلالؓ نے فرمایا۔ "تو شیطان کے دین پر ہے" پھر مزاحم پر حملہ کیا اور اُسے قتل کر دیا۔

نوٹ:۔ طبری کی اس عبارت سے بھی لشکر یزید مذہب نمایا ہو جاتا ہے بلکہ مزاحم بن حریث کے پیشوائے دین کے خلاف اصحاب حُسینؑ کا مذہب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن زیاد کا مذہب

تاریخ الرسل والملوک ابن جریر طبری مع فرانسیسی ترجمہ جلد ۲ (ا) ص ۳۱۱ سطر ۱۸ تا ۳۱۲ سطر ۲ کی عبارت یوں ہے:۔ "**جاء من عبيدالله بن زياد كتاب الى عمر بن سعد اما بعد نهل بين الحسين واصحابه و بين الماء ولايذوقوا منه قطرة كما صنع بالتقى الزكى المظام امير المومنين بن**" مطبوعہ ای جے برل ۲، ۳ یہاں طبری کی عبارت میں ایک شخص کا نام اور اُس کے والد کا نام صفین کے "مطالبہ قصاص" کے مطابق ہے طبری ہی میں دیکھیئے۔ رواداری ملحوظ ہے اس لئے میں نہیں لکھ سکتا۔

ترجمہ:۔ "عبیداللہ بن زیاد کی جانب سے عمر بن سعد کے پاس تحریری حکم پہنچا کہ امابعد، حُسینؑ و اصحاب حُسینؑ اور پانی کے درمیان حائل ہوا اور وہ اُس میں سے ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں۔ جیسا کہ تقی، زکی، مظلوم امیرالمومنین ۔۔۔ بن ۔۔۔ سے کیا گیا تھا"

نوٹ:۔ عبیداللہ بن زیاد اُس کا عقیدہ تمند تھا جس کو تقی، زکی، مظلوم، امیرالمومنین کہا لیکن

مذہب امامیہ کی رُو سے وہ شخص تقی، زکی، مظلوم اور امیر المومنین ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسا شخص تھا کہ اُس کا عقیدت مند مذہب امامیہ کا پیروکار ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ بات طبری میں نام پڑھ کر معلوم ہوجاتی ہے۔

شمر کا مذہب

جب لشکر یزید سر امام حسینؑ لے کر دمشق پہنچا تو یزید کے سامنے شمر نے جو تقریر کی اُسے حیات الحیوان جلد اول ص ۱۰۶ میں یوں لکھا ہے۔ "ثم تکلم شمر ابن ذی الجوشن فقال یا امیر المومنین ورد علینا ھذا یعنی الحسینؑ فی ثمانیہ عشر رجلاً من اھلبیتہ وستین رجلاً من شیعتہ فسرنا الیھم وسئلنا ھم النزول علی حکم امیرنا عبید اللہ بن زیاد او القتال فاختار و القتال"۔ یعنی پھر شمر بولا، پس کہنے لگا "اے امیر المومنین (شمر نے یزید کو امیر المومنین کہا (معاذ اللہ) یہ یعنی حسینؑ ہم پر وارد ہوا اس کے ہمراہ اٹھارہ مرد اس کے گھر والوں میں سے اور ساٹھ مرد اس کے شیعہ تھے پس ہم ان کی طرف پہنچے اور ہم نے اُن سے کہا کہ یا تو ہمارے امیر عبید اللہ بن زیاد کے حکم پر جھک جائیں یعنی بیعت کرلیں یا جنگ کرلیں پس اُنہوں نے جنگ کو اختیار کیا"

«توجہ فرمائیں»

مذہب امامیہ کی رُو سے حضرت علیؑ کے سوائے کوئی بھی امیر المومنین نہیں۔ یہاں تک کہ آئمہ اہلبیتؑ میں سے کوئی اور امام بھی امیر المومنین نہیں ہے۔ لیکن شمر تو یزید کو "امیر المومنین" تسلیم کرتا تھا۔ لہٰذا شمر کا مذہب امامیہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ وہ اس مذہب کا پیروکار تھا، جس میں یزید کو خلیفہ اور امیر المومنین مانا جاتا رہا ہے۔ مذہب امامیہ سے رو سے تو یزید مومن ہی نہیں تھا۔ البتہ علامہ علی قاری حنفی کی کتاب شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۸۸ سطر ۲۲ میں اُسے ایمان والا تسلیم کیا گیا ہے دیکھئے الفاظ "ولا یخفی ان ایمان یزید محقق" شرح فقہ اکبر میں موجود ہیں۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

ثمر کی تقریر میں "ستین رجلاً من شیعته" کے الفاظ اس امر کی دلیل ہیں کہ اصحاب حسینؑ، امام مظلومؑ کے شیعہ تھے۔

عمر بن سعد کون تھا

غیر شیعہ حضرات کی روایت کے مطابق حضورؐ نے دس آدمیوں کو جنت کی بشارت دی تھی۔ اُن دس صحابیوں کو غیر شیعہ حضرت "عشرہ مبشرہ" کہتے ہیں۔ اس "عشرہ بشرہ" میں سے ایک صحابی سعد بن ابی وقاص تھے۔ اُنہی کا بیٹا عمر بن سعد تھا۔ جو واقعہ کربلا میں لشکر یزید کا کمانڈر ان چیف تھا۔ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے "الفاروق" مطبوعہ تاج کمپنی لمٹیڈ حصہ دوم کے ص ۳۴۲۔۳۴۳ پر گورنروں کی فہرست لکھی ہے۔ اُس میں حمص کا گورنر عمر بن سعد کو لکھا ہے۔ اور کیفیت کے خانے میں "الفاروق" شبلی نعمانی دیکھئے۔ اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ حضرت "الفاروق" میں اس جگہ ایک نام لکھا ہوا ہے انکی بہت عزت کرتے تھے؟

(نوٹ:۔ علامہ شبلی نعمانی نے "لفظ غالباً" احتراماً ہی لکھا ہے)۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

عمر بن سعد جن کا مقرر کردہ گورنر تھا۔ اُنہیں خلیفہ بھی تسلیم کرتا تھا اور وہ بھی عمر بن سعد کی عزت کرتے تھے۔ لہذا عمر بن سعد کا مذہب ظاہر ہے۔ کیونکہ عمر بن سعد کے "خلیفہ" کا مذہب امامیہ سے کوئی تعلق نہیں۔

شمر کس مذہب کا راوی ہے

۱۔علامہ عبدالغنی الجرانی الشافی کی کتاب "قرۃ العینین فی ضبط اسماء رجال الصحیحین" مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ص ۲ میں مقصد کتاب یہ لکھا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کے راویوں کے ناموں کو توضیح کی جائے پھر ص ۳۵ پر ایک راوی کے نام کی توضیح یوں کی ہے:۔ **"شمر بکسر الشین وسکون الیم آخرہ راء وزنہ شبہ"** یعنی شمر (یوں پڑھا جائے گا) شین کے نیچے زیر اور میم ساکن اور آخر میں رے (ر) وزن اُس کا شبر ہے۔شاید کوئی شخص شبہ کرے کہ "یہ قاتل امام نہیں بلکہ کوئی اور شمر ہے" اس لئے شبہ رفع کرنے کے لئے حسب ذیل ثبوت پیش کئے جاتے ہیں:۔

۲۔تجرید اسماء الصحابہ مصنفہ ابن الاثیر الجزری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن جلد اول ص ۱۸۰ ترجمہ نمبر ۱۶۴۳ میں شمر کے باپ ذوالجوشن کے متعلق یوں لکھا ہے **"ولہ حدیث فی کتاب الحیل روی عنہ ابنہ شمر"** یعنی ذوالجوشن کی ایک حدیث کتاب الحیل کتاب الحیل، صحیح بخاری ہی میں ہے۔جسے اُس کے بیٹے شمر نے روایت کیا ہے۔

۳۔"میزان الاعتدال فی نقد الرجال" علامہ ذہبی مطبوعہ مطبعۃ السعادہ مصر جلد اول حرف الشین ص ۴۴۹ ترجمہ نمبر ۳۷۸۶ میں یوں لکھا ہے:۔ "شمر بن ذی الجوشن ابو السابقۃ الضبابی عن ابیہ وعنہ ابو اسحاق السبیعی لیس باھل للروایۃ فانہ احد قتلۃ الحسین وقد قتلہ اعوان المختار" یعنی شمر بن ذوالجوشن ابو سابقہ (کنیت) ضبابی اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور شمر سے ابو اسحاق کی روایت کرتا ہے (حالانکہ شمر) روایت کا اہل نہیں تھا پس تحقیق وہ قاتلان حسینؑ میں سے تھا اور اُس کو مختار کے مددگاروں نے قتل کیا۔

نوٹ:۔اگرچہ علامہ ذہبی کے نزدیک شمر اس قابل نہیں تھا کہ روایت کرے لیکن غیر شیعہ

حضرات جس کتاب کو قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب سمجھتے ہیں۔ وہ صحیح بخاری ہے جس میں محمد بن اسمعیل بخاری نے شمر کی روایت کو صحیح تسلیم کر کے نقل کیا۔ بہر حال ان حوالوں کو تحریر کرنے کا مقصد محض یہ ہے کہ امام حسینؑ کے قاتل یزدیوں کا مذہب ہرگز امامیہ نہ تھا بلکہ قاتلان حسینؑ مذہب امامیہ کے برعکس "مطالبہ قصاص" کے موافق مذہب رکھتے ہوئے اُن لوگوں کو خلیفہ سمجھتے تھے جنھیں مذہب امامیہ میں ہرگز خلیفہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک قاتلان حسینؑ کی نظر میں یزید بھی خلیفہ اور امیر المومنین تھا (معاذ اللہ)۔

مذہب اہل کوفہ

بعض لوگ اہل کوفہ کی اکثریت کو مذہب امامیہ کی پیروکار قرار دینے کے لئے محض یہ دلیل پیش کر دیتے ہیں کہ کوفہ کو حضرت علیؑ نے دارالسلطنت بنا کر وہاں کافی عرصہ قیام فرمایا لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت علیؑ کوفہ میں مذہب امامیہ کی تبلیغ فرماتے تھے؟ اگر کہا جائے "ہاں" تو مذہب امامیہ کی حقانیت ثابت ہو جائے گی۔ اور اگر کہا جائے "نہیں" تو یہ بات کیونکہ تسلیم کی جاسکتی ہے کہ حضرت علیؑ کوفہ میں تبلیغ تو دوسرے مذہب کی فرمائیں، اور پھیلتا جائے مذہب امامیہ؟ آخر حضرت علیؑ کے قیام کوفہ کی وجہ سے اکثریت اہل کوفہ کا مذہب امامیہ کیسے قرار دیا جائے گا؟"

کوفہ کی بنیاد حضرت نے رکھی نام "الفاروق" میں دیکھئے۔ "الفاروق" شبلی نعمانی شائع کردہ سجاد پبلیکیشنز لاہور ص ۳۲۴ اور ثانی کوفہ حضرت وہی نام نے ہی کوفہ کی تعریف کی اور اسے "راس اسلام" (یعنی اسلام کا سر) کہا دیکھئے "الفاروق" (سجاد پبلیکیشنز والی) ص ۳۲۶ جس شہر کی بنیاد رکھنے والے کا مذہب امامیہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور اُس کی تعریف کرنے والے ایسے لوگ ہوں۔ اور پھر کوفہ

میں نہ تو خود بانی کوفہ نے مذہب امامیہ کی تبلیغ کروائی نہ ہی حضرت علیؑ سے پہلے والی حکومت نے کوفہ میں مذہب امامیہ کی تبلیغ کی۔ اور نہ ہی غیر شیعہ حضرات اس بات کو قبول کر سکتے ہیں کہ کوفہ میں حضرت علیؑ مذہب امامیہ ہی کی تبلیغ فرماتے تھے پھر یہ کہنا کہ شہادت حسینؑ کے وقت کوفہ میں مذہب شیعہ امامیہ کے پیروکاروں کی اکثریت تھی کیونکہ درست ہوگا؟۔

حقیقت یہ ہے کہ کوفہ میں مذہب امامیہ کے پیروکار عہد حکومت مولا علیؑ میں بھی بہت کم تھے۔ پھر جب امام حسنؑ نے خونریزی سے نفرت فرماتے ہوئے حکومت چھوڑ دی تو کوفہ پر شامی حکومت قابض ہوگئی اور شرائط صلح میں محبان علیؑ کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن شامی حکومت کے گورنر کوفہ زیاد بن سمیہ نے شیعیان علیؑ کو چن چن کر قتل کیا۔ یہاں تک کہ کوفہ میں گنتی کے چند افراد مذہب امامیہ کے پیروکاروں میں سے باقی رہ گئے جیسا کہ تاریخ الرسل والملوک طبری مطبوعہ مع فرانسیسی ترجمہ (ای۔ جے برل) جلد ۲ (۱) ص ۲۴۵ میں ہے کہ جب عبیداللہ ابن زیاد کو حضرت مسلم ابن عقیلؑ کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ حضرت ہانی بن عروہؓ کے گھر میں پناہ گزین ہیں تو ابن زیاد نے ہانیؓ کو بلا کر یوں گفتگو کی:۔

"فقال عبیداللہ یا ھانی اماتعلم ان ابی تدم ھذاالبلفلم یترک احدا من حذہ الشیعۃ الا قتلہ غیر ابیک و غیر حجر و کان من حجر ماقد علمت"

ترجمہ:۔ پس عبداللہ (ابن زیاد) نے کہا" اے ہانی کیا تو نہیں جانتا کہ میرا باپ اس شہر میں وارد ہوا تو اُس نے ان شیعوں میں سے کسی کو بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا تھا، سوائے تیرے باپ (یعنی عُروہ) اور حُجر (ابن عدی ابن حاتم طائی) کے اور حُجر کا جو حال ہوا وہ بھی تو جانتا ہے"۔

ظاہر ہے کہ زیاد بن سمیہ کے ان مظالم اور قتل و غارت کے بعد کوفہ میں مذہب شیعہ امامیہ کے پیروکار چند افراد ہی رہ گئے تھے اور اُس کے بعد واقعہ کربلا تک کوفہ پر بنوامیہ ہی کی سلطنت رہی لہذا یہ قطعاً ممکن ہی نہیں کہ واقعہ کربلا کے وقت کوفہ میں مذہب امامیہ کے پیروکاروں کی اکثریت ثابت ہوسکے۔

تین قسم کے شیعہ

آج کل تو صرف اُنہی لوگوں کو "شیعہ" کہا جاتا ہے جو حضرت علیؑ کو رسولؐ کے خلیفہ بلافصل تسلیم کرتے ہیں لیکن حضرت علیؑ کی حکومت کے زمانے میں تین قسم کے شیعہ تھے یعنی جب گورنر شام نے مرکز سے علیحدہ ہوکر شام میں الگ حکومت قائم کرلی۔ اور "مطالبہ قصاص" اُٹھایا۔ تو جنگ صفین ہوئی۔ پس جن لوگوں نے حکومت شام کی متابعت میں حضرت علیؑ کے خلاف جنگ صفین لڑی اور "مطالبہ قصاص" کیا۔ انہوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی ہی نہیں۔ یعنی خلیفہ تسلیم ہی نہیں کیا۔ وہ شامی گروہ کے لوگ ایک مقتول کے شیعہ کہلاتے تھے۔ جیسا کہ امام اہل سنۃ والجماعۃ ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنۃ مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۱۷۸ میں لکھتے ہیں:۔

"وقد کان من شیعۃ (منہاج السنۃ کی عبارت میں اس مقام پر ایک نام موجود ہے وہیں دیکھ لیا جائے) من لیسب علیا و یجھر بذلک علی المنابر و غیرھا"

ترجمہ:۔ اور یہاں ترجمہ میں بھی وہی نام سمجھ لیا جائے کے شیعہ تھے جو حضرت علیؑ کو (معاذ اللہ) گالی دیتے تھے اور یہ فعل منبروں پر اور اس کے علاوہ بھی علانیہ کرتے تھے"۔

یعنی ایک شیعہ تو وہ تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل تو کجا، چوتھا خلیفہ بھی تسلیم نہیں کیا تھا وہ ایک مقتول کے شیعہ کہلاتے تھے اور حضرت علیؑ کو گالیاں دیتے تھے۔

دوسری طرف، حضرت علیؑ کو خلیفہ تسلیم کر کے شامی حکومت کے خلاف لڑنے والے لوگ تھے اُس مقتول کے شامی شیعوں کے مقابلہ پر شیعان علیؑ کہلاتے تھے۔ لیکن اُن میں دو مختلف عقیدوں کے لوگ تھے۔ ایک وہ تھے جو حضرت علیؑ کو چوتھے غیر معصوم خلیفہ سمجھتے تھے۔ دوسرے وہ تھے جو حضرت علیؑ کو رسولؐ کے معصوم خلیفہ اول تسلیم کرتے تھے۔ ان دونوں میں سے پہلی قسم کے لوگ اگرچہ شامی حکومت کے خلاف ہونے کی وجہ سے شیعان علیؑ کہلاتے تھے۔ لیکن اُن کا مذہب امامیہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ حضرت علیؑ کو غیر معصوم چوتھا خلیفہ تسلیم کرتے اور حضرت علیؑ سے (معاذ اللہ) غلطی صادر ہونے کو ممکن سمجھتے تھے اور یہی لوگ اکثریت میں تھے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب لشکر شام نے جنگ صفین میں خوفناک شکست سے بچنے کے لئے قرآن مجید کو بلند کیا اور حضرت علیؑ نے اپنے لشکر والوں کو حکم دیا کہ جنگ بند نہ کریں۔ تو حضرت علیؑ کو معصوم امام تسلیم کرنے والے کم تعداد کے لوگ لڑتے رہے لیکن حضرت علیؑ کو غیر معصوم سمجھنے والوں نے حکم امام علیہ السلام کو (معاذ اللہ) غیر صحیح سمجھا اور لڑائی بند کر کے حضرت علیؑ پر زور دیا کہ جو لوگ لڑ رہے ہیں اُنہیں واپس بلا لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اُن کا مذہب امامیہ ہرگز نہ تھا اور وہی اکثریت میں تھے ورنہ حضرت علیؑ لڑائی بند کرنے پر مجبور نہ ہوتے۔

مذہب شیعہ کی بعض کتابوں میں حضرت علیؑ اور امام حسنؑ نے انہی لوگوں کی نافرمانی پر اظہار افسوس کیا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ شامیوں کے برخلاف امتیاز کے لئے شیعیان علیؑ تو کہلاتے تھے۔ لیکن اعتقاداً لوگ مقتول کے معتقدین تھے۔ جس کے شیعہ حکومت شام کی متابعت کرنے والے لوگ تھے۔ پھر جب امام حسنؑ نے حکومت چھوڑ دی۔ تو یہی حضرت علیؑ کو غیر معصوم خلیفہ سمجھنے والے کوفہ کے لوگ اور اہل شام ایک جماعت ہو گئے اسی لئے حاکم شام نے اُس برس کا نام "عام الجماعتہ" رکھا۔ دیکھئے تاریخ الخلفا جلال الدین سیوطی (عربی) مطبوعہ مطبع سرکاری لاہور ۱۸۷۰ ص ۱۹۴ سطر ۱۲ اور منہاج السنتہ النبویہ ابن تیمیہ مطبوعہ مطبعتہ الکبری الامیریہ بولاق مصر الجزالثانی ص ۲۲۵ سطر ۲۴ اور اس کے بعد شیعیان علیؑ

کہلانے والے وہی لوگ رہ گئے جو مذہب امامیہ کے مطابق علیؑ کو رسولؐ کے خلیفہ بلافصل اور امام معصوم تسلیم کرتے تھے۔ اُن کو زیاد بن سمیہ نے قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ کہ واقعہ کربلا سے پہلے ہی شیعیان علیؑ بہ کم رہ گئے تھے۔ پھر یہ کہنا کہ واقعہ کربلا کے وقت کوفہ میں شیعیان علیؑ کی اکثریت تھی۔ قطعاً غلط ہے۔

اللہ سبحانہ نے سب سے پہلے ہمارا نور خلق فرمایا

«ایمان حضرت ابو طالبؑ»

ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی بھی معتبر کتاب سے ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے (معاذ اللہ) کبھی بت پرستی کی ہو کسی شخص نے کبھی ابو طالبؑ کو بت پوجتے ہوئے دیکھنے کی گواہی نہیں دی۔ بلکہ حضرت ابو طالبؑ نے کبھی کسی بت کی تعریف نہیں کی۔ پھر یہ خیال کرنا کہ رسولؐ کے اعلان نبوت سے پہلے حضرت ابو طالبؑ (معاذ اللہ) بت پرستی والے مذہب پر تھے، قطعاً غلط ہے۔ جب کہ حضرت ابو طالبؑ نے رسول خداؐ اور حضرت خدیجہؑ کے نکاح کا خطبہ پڑھا اور اُس خطبہ نکاح میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر خیر نمایاں طور سے کیا ثبوت کیلئے سیرۃ حلبیہ مطبوعہ مطبعۃ الازہریہ مصر ۱۳۲۰ھ الجزء الاول ص ۴۵ ملاحظہ فرمایئے اگر معاذ اللہ بت پرست ہوتے تو بتوں کا ذکر کرتے۔

حضرت رسول خداؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ اور حضرت علیؑ کے والد حضرت ابو طالبؑ دونوں لائق صد احترام بزرگ نور محمدیؐ (نور محمدیؐ کا ثبوت اہل حدیث کے علامہ وحید الزماں حیدر آبادی کی کتاب "مدینۃ المہدی مطلوبہ میور پریس دہلی ص ۵۶، اور دیوبندیوں کے علامہ اشرف علی تھانوی کی کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ" ص ۶ میں دیکھیے) کے حامل تھے کیونکہ اللہ نے جو نور

محمدیؐ سب سے پہلے پیدا کیا تھا (حدیث "اول ما خلق اللہ نوری" مدارج النبوۃ مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ص ۲ پر موجود ہے)۔ حضرت علیؑ بھی اُسی نور سے ہیں جیسا کہ "ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" مصنفہ محب طبری مطبوعہ مطبعۃ الحسینیہ مصر الجز الثانی ص ۱۶۴ میں حدیثِ رسولؐ ہے۔ کہ خلقت آدمؑ سے پہلے، میں اور علیؑ، اللہ کے حضور ایک نور تھے۔ پھر اللہ نے اس نور کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ اُس نور کا ایک جُز میں ہوں اور دُوسرا جز علیؑ ہے"۔ یہ حدیث "تذکرہ خواص الامۃ" مصنفہ علامہ سبط ابن الجوزی اور ینابیع المودۃ" محمد سلیمان حنفی میں بھی موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ نور محمدیؐ کا ایک جُز صُلبِ حضرت عبداللہ میں رہا۔ اور اُسی نور کا دُوسرا جز صُلبِ حضرت ابوطالبؑ میں رہا۔ لہٰذا حضرت عبداللہؑ اور حضرات ابوطالبؑ دونوں کا حاملانِ نُور محمدیؐ ہونے کی وجہ سے، اللہ نے کفر وشرک وغیرہ سے پاک ومنزہ رکھا۔ کیونکہ اللہ کی مخلوقات میں سے نُور محمدیؐ سب سے افضل اور سب سے زیادہ طاہر مخلوق ہے اس لئے اللہ نے اُس پاک نُور کو کبھی کسی مُشرک و کافر کے نجس صُلف میں منتقل نہیں کیا بلکہ ہمیشہ پاک صُلبوں اور ارحامِ طاہرہ میں منتقل فرماتا رہا۔ دیکھئے "شمولِ اسلام" مصنفہ علامہ احمد رضا خان بریلوی شائع کردہ نُوری کُتب خانہ بازار وداتا صاحبؒ لاہور اور "مدارج النبوۃ" مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ ناصری شاہدرہ (نزد دہلی) جلد دوم ص ۶۴۔

لہٰذا جس طرح حضرتِ عبداللہؑ حاملِ نورِ محمدیؐ (والدِ رسولؐ) ہونے کی وجہ سے کفر شرک وغیرہ سے قطعاً پاک ومنزہ رہے اور دینِ ابراہیمؑ پر تھے، اُسی طرح حضرتِ ابوطالبؑ حاملِ نُور محمدیؐ (والدِ علیؑ) ہونے کی وجہ سے نجاست کفر وشرک سے قطعاً محفوظ ومنزہ رہے۔ یعنی رسُولؐ کے اعلانِ نبوت سے پہلے حضرت ابُوطالبؑ دینِ ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ پر قائم، ابراہیمیؑ مُسلمان اور موحد تھے یعنی شروع

سے ہی "لا اللہ الا اللہ" کے قائل تھے پھر جب اعلانِ رسالتؐ ہوا تو حضرت ابو طالبؑ نے نبوت و رسالت مُصطفیٰؐ کا اقرار بھی کرلیا۔ لیکن غیر شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ انہوں نے (معاذ اللہ) مرتے وقت بھی کلمہ نہیں پڑھا۔ حالانکہ اُنہی کی کتابوں سے اس غلط دعویٰ کی تردید ہوتی ہے جیسا کہ "مدارج النبوۃ" مطبوعہ ناصری جلد دوم ص ۳۲ سطر ۹۱۔ ۲۰ میں شیخ عبدالحق محدث حنفی دہلوی یُوں لکھتے ہیں:۔

"ونیز می آرند کہ عباس سرخود رانزد او برد وشنید ار زوی کلمہ شہادت و بحضرت رسانید پس گفت اسلم عمک یارسول اللہ پس خوشحال شد آنحضرتؐ"۔ یعنی "یہ بھی روایت ہے کہ عباسؓ اپنے سر کو اُن (ابُو طالبؑ) کے نزدیک لے گئے اور اُن سے کلمہ شہادت سُنا اور حضورؐ تک پہنچا دیا۔ پھر کہنے لگے " آپؐ کے چچا مُسلمان ہوئے یارسُول اللہؐ! تو حضورؐ خوش ہوئے"۔

۲۔ "مدارج النبوۃ" مطبوعہ مذکورہ جلد دوم ص ۶۲ سطر ۲ تا ۵ میں حضرت ابُو طالبؑ کے متلق یُوں مرقوم ہے:۔ "درروایت ابن اِسحٰق آمدہ کہ وی اسلام آورد نزدیک بوقتِ موت وگفتہ کہ چوں قریب شد موت دی نظر کرد بسوی وی و دید کہ حی جنباند لبہائے خود را پس گوش نہا (عباس بسوی او رگفت بانحضرتؐ یا ابن اخی واللہ تحقیق گفت برادر من کلمہ را کہ امر کردی تو اورا بدان کلمہ"۔

ترجمہ۔ روایت ابن اسحاق میں آیا ہے کہ وہ (یعنی حضرت ابوطالبؑ) وقتِ وفات کے نزدیک اسلام لائے، اور (ابن اسحٰق نے) کہا کہ جب اُن کی (یعنی ابوطالبؑ) موت قریب ہوئی تو عباسؓ نے ان کی طرف نظر کی اور دیکھا کہ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے ہیں۔ پس عباسؓ نے اپنا کان حضرت ابُو طالبؑ کے نزدیک کیا اور آنحضرتؐ سے کہنے لگے "اے بھتیجے! قسم خدا کی، تحقیق میرے بھائی نے وہی کلمہ کہا جس کلمہ کا آپؐ نے اُن کا حکم دیا تھا"۔

۳۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر المجلد الثالث

ص۳۱۲ سطر ۲۴ میں یوں مرقوم:۔"عن أبی بکر بن أبی ان أبا طالب مامات حتیٰ قال لا اله الله محمد رسول الله" یعنی حضرت ابوبکر بن ابوقحافہ سے روایت ہے کہ ابوطالبؑ نے کلمہ "لا اله الا الله محمدٌ رسول الله" پڑھے بغیر وفات نہیں پائی۔

نوٹ:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اہل سنتہ والجماعتہ دہلوی اہل سنتہ والجماعتہ کے ایسے عالم و محدث تھے کہ اُن کو علامہ احمد رضا خان بریلوی نے "شیخ الشیوخ علماء الہند" "شیخ محقق اور رسولِ خدا کی برکت" قرار دیا ہے (دیکھئے کتاب ہذا، ثبوتِ ماتم میں عنوان مقام شیخ عبدالحق محدث) باقی رہے علامہ ابن ابی الحدید معتزلی تو اُن کا عقیدہ خلاف وہی تھا جو حضرات اہل سنتہ والجماعتہ کا ہے۔ علامہ معتزلی کا مذہب امامیہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لہذا مذہب اہل سنتہ والجماعتہ کی رُو سے بھی حضرت ابُو طالبؑ مسلمان تھے۔

«توجہ فرمائیں»

سچے مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مرتے وقت میری زبان پر کلمہ شہادت ہو۔ اگر کوئی مسلمان بوقت وفات کلمہ شہادت پڑھے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اُسی وقت مسلمان ہوا ہے حضرتِ ابوطالبؑ پہلے ہی سے مسلم مومن تھے۔ انہوں نے بھی وقتِ وفات اسی طرح کلمہ شہادت پڑھا جس طرح مومن مسلمان مرتے وقت پڑھتے ہیں۔ وقتِ وفات حضرت ابُو طالبؑ نے کلمہ پہلی مرتبہ نہیں پڑھا تھا۔ لیکن عباسؓ کو اسلام ابوطالبؑ کا علم اُسی وقت ہوا تھا اس لئے وہ سمجھے کہ اب اسلام لائے۔ لیکن حضورؐ کو بخوبی علم تھا کہ حضرت ابُو طالبؑ پہلے بھی مومن ہی تھے۔ پھر حضورؐ نے کلمہ پڑھنے کو جو کہا تھا۔ اُس کا مقصد محض یہ تھا کہ آخری وقت کلمہ شہادت کا ذکر چاہیئے جس طرح ہم لوگ بھی اپنے قریب المرگ عزیزوں کو کلمہ پڑھنے کے لئے کہتے ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ دین ابراہیمؑ پر ہونے کی وجہ سے اعلان نبوتِ رسالتمابؐ سے پہلے بھی لا الـلـه الا اللّه کے قائل یعنی موحد تو تھے ہی، پھر اعلان نبوت کے بعد قرار نبوت و رسالت بھی فرمالیا جس کو اشعار کے ذریعے بھی ظاہر کیا۔

۴۔"السیرۃ النبویہ" (یعنی سیرۃ ابن ہشام) مطبوعہ مطبعۃ مصطفی البابی الجلبی داود لادہ مصر الجزاء الاول ص ۳۷۷ سطر ۵ میں ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے قریش کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔

ألم تعلموا أنا وجدنا محمدً بنياً كموسى خط في أول الكتب

ترجمہ:۔کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم نے محمدؐ کو موسیٰ کی مانند نبی پایا (آنحضرتؐ کا) ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) موجود ہے"۔حضرت ابوطالبؑ نے قریش کے سامنے یہ شعر پڑھ کر نبوتِ محمدیہؐ کا کھلم کھلا اعلان فرمایا اور بغرض تبلیغ اسلام قریش کے روبرو نبوتِ محمدیہؐ کی یہ دلیل بھی پیش کی کہ پہلی کتابوں میں بھی حضورؐ کا ذکر ہے۔اس واضح اقرار نبوت سے ثابت ہے کہ ابو طالبؑ وقتِ وفات مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ پہلے ہی سے مومن تھے۔

۵۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی مطبوعہ مطبعتہ دار الکتب العربیتہ الکبری مصری جلد ثالث ص ۳۱۵ میں ہے کہ حضرت ابو طالب نے رسولِ خدا کو مخاطب کر کے یہ نعتیہ شعر پڑھا۔

انت النبی محمد قدم أعز مسود

ترجمہ:۔آپ تو نبی محمدؐ ہیں، روشن پیشانی والے بزرگ سردار"۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

اگر ابو طالبؑ (معاذ اللہ) غیر مسلم ہوتے تو حضورؐ کو نبی کیونکر تسلیم کر سکتے تھے؟ اور (معاذ اللہ) اگر غیر مسلم ہوتے ہوئے یہ شعر کہا ہوتا تو حضورؐ ضرور دریافت فرماتے کہ آپ مجھے نبی تسلیم کرتے ہوئے بھی کلمہ کیوں نہیں پڑھتے؟ لیکن حضورؐ نے نہیں پوچھا کیونکہ حضرت رسولِ خدا بخوبی جانتے تھے کہ ابو طالبؑ محض مسلمان نہیں بلکہ مبلغ اسلام مومن ہیں۔

۶۔ شرح نہج البلاغہ المجلد الثالث ص ۳۱۴ میں حضرت ابو طالبؑ کے جو اشعار منقول ہیں اُن میں حضرت رسالتمآبؐ کے متعلق یہ مصرعہ، ایمان ابو طالبؑ کا واضح ثبوت ہے:۔ "**نبی اتاہ الوحی من عندہ ربہ**" یعنی (حضورؐ) نبی ہیں۔ آپ کے پاس آپ کے رب کی جانب سے وحی آتی ہے"۔ کیا یہ مصرعہ اقرارِ رسالت نہیں؟

۷۔ شرح نہج البلاغہ المجلد الثالث ص ۳۱۴ میں حضرت ابو طالبؑ کے وہ اشعار منقول ہیں جو آپ نے بادشاہ حبشہ نجاشی کے پاس لکھ کر بھیجے تھے۔ اُن اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے:۔ **ألا لیت شعری کیف فی الناس جعفری و عمرو واعد النبی القارب** یعنی "اللہ جانے کہ جعفر و عمر کا اُن لوگوں میں کیا حال ہے۔ اور دُشمنان نبی کس حال میں ہیں۔

نوٹ:۔ مُسلمان ہجرت کر کے حبشہ گئے تو کفار قریش کے بعض آدمی اُن کے پیچھے حبشہ گئے تا کہ شاہ حبشہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوا دیں۔ حضرت ابو طالبؑ نے اُنہی کو نبیؐ کے دُشمن کہا ہے لیکن قابل غور بات ہے کہ جُملہ "اعدا النبی" میں حضورؐ کی نبوت کا اقرار ہے بلکہ بادشاہ نجاشی کو نبوتِ رسالتمآبؐ کی تبلیغ بھی۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابو طالبؑ شروع ہی سے مومن تھے۔

۸۔شرح نہج البلاغہ جلد ثالث ص ۳۱۴ میں حضرت ابُو طالبؑ کے یہ اشعار ہیں:۔

نصرت الرسول المليك ببيض تلاء لا كمع البروق
أذب واحمی رسول الاله حماية حام عليه شفيق

ترجمہ:۔"میں نے بجلیوں کی مانند چمکتی ہوئی شمشیروں کے ذریعہ رسُولِ خُدا کی مدد کی۔ میں جو معبود کے رسُول کی حمایت وحفاظت کرتا ہوں (یہ) ایک شفیق حمایت کرنے والے کی حمایت ہے۔کیا "الرسول"،"رسول المليک" اور "رسول الالہ" کے الفاظ اقرارِ رسالت نہیں؟ ثابت ہوا کہ حضرت ابُو طالبؑ، محمد مصطفےٰ کو نبی اور رسولِ خُدا تسلیم کرتے تھے اور پہلے ہی مسلمان مومن تھے۔ایسی لئے محنت کے ساتھ اشعار تیار کر کے نبوت اور رسالتِ محمدیہ کی تبلیغ فرماتے تھے۔

۹۔شرح نہج البلاغہ الجلد الثالث ص ۳۱۵ سطر ۳ میں یوں مرقوم ہے:۔"ومن شعر أبی طالب مخاطب أخاه حمزه وكان يكنی أبا يعلی"

فصبرا أبا يعلی علی دين احمد وكن مظهر اللدين وفقت صابرا
وحط من أتی بالحق من عندربه بصدق و عزم لاتكن حمزا كافرا
فقد سرنی اذقلت انک مومن فكن لرسول الله فی الله ناصرا
وبادتريشا بالذی قدأتيته جهارا وقل ها كان أحمد ساحرا

ترجمہ:۔اور یہ اشعار ابُو طالبؑ کے ہیں جو انہوں نے اپنے بھائی حمزہؑ کو مخاطب کر کے کہے تھے۔اور حمزہؑ کنیت ابو یعلیٰ تھی:۔

ترجمہ:۔اے ابا یعلیٰ (حمزہ) دینِ احمدؐ پر قائم رہ، اور ثابت قدمی کے ساتھ دین کا مددگار بن اور اے حمزہؑ کافر مت ہونا (بلکہ) صدق و عزم کے ساتھ، آنحضرتؐ کی حفاظت کر جو اپنے رب کی

طرف سے حق لے کر آئے ہیں۔ مجھے یہ بات بھی معلوم ہوئی جب تو نے کہا کہ تو مومن ہے پس اللہ کے رسول کا ناصرین جا برائے خُدا، اور تو جو (اسلام) لایا ہے اُس کا کھلم کھلا اعلان قریش میں کر دے۔ اور (اُن کو) بتا دے کہ احمد کوئی جادو گر نہیں ہیں۔

نوٹ:۔ حضرت ابُو طالبؑ نے مندرجہ بالا اشعار میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کو واضح طور پر رسُول اللہ تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت حمزہؑ کو رسُولؐ کی نُصرت کی تلقین و ترغیب دی، ان اشعار سے ثابت ہے کہ حضرت ابُو طالبؑ نے اپنے شعر کہنے کی قوت کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور محمد مُصطفیٰؐ کی حمایت و نصرت و نعت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ لہذا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ ابو طالبؑ مسلمان نہ تھے (معاذ اللہ) اور اسی طرح یہ بات بھی صحیح نہیں کہ "وفات کے نزدیک مُسلمان ہوئے تھے" بلکہ حقیقت یہی ہے کہ شروع ہی سے مومن تھے۔

۱۰۔ جعفرؑ کو نماز کا حکم

"انسان العیون" یعنی سیرۃ حلبیہ مصنفہ علی بُرہان الدین حلبی شافعی مطبوعہ مطبعۃ الازھریہ مصر الجزء الاول ص ۲۹۴ سطر ۵ میں یوں مرقوم ہے:۔ "(وفی اسد الغابۃ) ان ابا طالب رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیا یصلیان وعلی علی یمینہ فقال لجعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صل جناح ابن عمک فصل عن یسارہ"

ترجمہ:۔ "(اور اسد الغابہ میں ہے) کہ ابُو طالبؑ نے نبی اور علیؑ دونوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور علیؑ آنحضرتؐ کے داہنے جانب تھے۔ (پس حضرت ابو طالب نے) جعفرؑ سے فرمایا "اپنے چچا کے بیٹے (یعنی رسُولؐ) کے (ہمراہ) ایک جانب تو (بھی) نماز پڑھ"۔ "پس جعفرؑ

نے آنحضرتؐ کے بائیں جانب نماز پڑھی"۔

نوٹ:۔ حضرت جعفرؑ کا یہ واقعہ، حافظِ حدیث اہل سنتہ والجماعتہ، ابن حجر عسقلانی نے اپنی تصنیف لاصابہ فی تمیز الصحابہ "مطبوعہ مطبعتہ الشرفیہ جلد ۴، الجزاء السالع (۷) ص ۱۱۳ سطر ۲۲ میں لکھا ہے اور "السیرۃ النبویہ" مصنفہ احمد زینی شافعی (المشور "وحلان") مفتی شافعیہ، مکہ معظمہ، مطبوعہ مطبعتہ الازہر یہ مصر (جو سیرۃ حلبیہ کے حاشیہ پر طبع شدہ ہے) الجزء الاول ص ۲۰۲ میں بھی موجود ہے۔

﴿توجہ فرمائیں﴾

حضرت عمرانؑ (یعنی ابوطالبؑ) کی جاں نثاریوں کو "محض بھتیجے کی محبت" پر مبنی قرار دے دیا جائے تو بھی حضرت ابوطالبؑ کا اپنے بیٹے کو خود نماز کی ترغیب دینا اور خود کہہ کر نماز پڑھوانا، ایسا امر بالمعروف ہے۔ جسے "محض بھتیجے کی محبت پر مبنی غیر مسلم کا فعل" تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اپنے بیٹے کو نماز پڑھنے کا حکم دینا، فی الحقیقت اسلام کی تعلیم دینا ہے۔ بھلا کسی غیر مُسلم سے یہ بات کہاں وقوع میں آ سکتی ہے۔ کہ وہ اپنے بھائیوں، اپنے عزیزوں اور اپنے بیٹوں کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی تبلیغ بھی کرے اور خود کہہ کر نماز پڑھوائے؟ حضرت ابُو طالبؑ کا اپنے بیٹے جعفرؑ کو خود کہہ کر نماز پڑھوانا، ایمان ابُو طالبؑ کی نا قابل تردید بُرہان ہے۔ جو اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ حضرت ابُو طالبؑ اسلام کے مبلغ تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت ابُو طالبؑ نے بستر وفات پر بھی اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ ثبوت حسب ذیل ہے:۔

۱۱۔ "انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون" (یعنی سیرۃ حلبیہ) مطبوعہ مطبعتہ الازہر یہ مصر الجزء الاول ص ۳۸۳ سطر ۲۵۔۲۶، اور "الطبقات الکبیرات" مصنفہ محمد بن سعد کاتب الواقدی (یعنی "طبقات ابنِ سعد") مطبوعہ بریل لیدن الجزء الاول ص ۷۸ میں ہے حضرت ابُو طالبؑ نے اپنی وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی:۔

فقال ابن ترالوا خیر ماسمعتم من محمد اتبعتم امره فاتبعوه وأعینوه ترشدوا"۔ یعنی حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا"!تم لوگوں نے جو محمدؐ سے سُنا ہے اور جو کچھ تم نے آنحضرتؐ کی پیروی کی ہے۔اس خیر کو زائل نہ کہنا، پس تم حضورؐ کی پیروی کرو اور حضورؐ کی مدد کرو، ہدایت پاؤ گے"۔حضرت ابو طالبؑ کی یہ وصیت ایمان ابو طالبؑ کی واضح دلیل ہے کیونکہ یہ بات غیر مسلم سے عمل میں نہیں آسکتی کہ وہ بستر مرگ پر بھی اتباع رسُولؐ کی تلقین کرے۔اور تعلیمات رسُولؐ کو خیر قرار دے کر ہدایت کو اتباع رسُولؐ پر خیر قرار دے۔ثابت ہوا کہ حضرت ابو طالبؑ اسلام کے مایہ ناز مبلغ اور مومن کامل تھے۔جنہوں نے اپنے آخری سانس تک اسلام کی تبلیغ فرمائی۔

۱۲۔سیرۃ حلبیہ مطبوعہ مطبعۃ الازہریہ مصر الجزء الاوّل ص ۳۸۱ سطر ۱۔۲ اور سیرۃ حلبیہ کے حاشیہ پر سیرۃ النبویہ دھلان شافعی الجزء الاول ص ۹۹ میں ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے اپنی وفات کے وقت بنی ہاشم کو یوں وصیت فرمائی:۔

"ان ابا طالب قال عند موته یا معشر بنی هاشم اطیعوا محمدا وصدقوه تفلحوا ترشدوا"۔ ترجمہ:۔ابو طالبؑ نے اپنی وفات کے نزدیک فرمایا:"اے گروہ بنی ہاشمؑ، محمدؐ کی اطاعت کرو، اور آنحضرتؐ کی تصدیق کرو،تم فلاح اور ہدایت پاؤ گے۔"

﴿توجہ فرمائیں﴾

حضورؐ کی تصدیق و اطاعت ہی تو اسلام ہے جس کی تلقین ابو طالبؑ نے بنی ہاشمؑ کو بستر وفات پر بھی فرمائی۔پھر بھلا یہ بات کیوں کر معقول سمجھی جائے کہ جو ابو طالبؑ بوقت وفات بھی اطاعتِ پیغمبرؐ اور تصدیق رسالتؐ کی راہ فلاح اور ہدایت قرار دے کر اسلام کی تبلیغ فرمائیں وہ خود ہی غیر مسلم تصور کیے جائیں؟(معاذ اللہ)یقیناً ابو طالبؑ مومن کامل اور مبلغ اسلام تھے جو اپنی اولاد

ہی کو نہیں بلکہ تمام بنو ہاشم کو مُسلمان دیکھنا چاہتے تھے۔

لیکن بنی امیہ کی شامی حکومت کے ہمنواؤں نے ایمان ابو طالبؑ کی عظیم الشان دلیل یعنی وصیت ابُو طالبؑ پر پردہ ڈالنے کے لئے روایت وصیت کے ساتھ یہ اضافہ کر دیا کہ "رسُولؐ نے کلمہ پڑھنے کو کہا لیکن (معاذ اللہ) حضرت ابو طالبؑ نے انکار کر دیا کہ "لوگ یہ کہیں گے کہ ابو طالبؑ نے موت کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ جو ابو طالبؑ اپنے بھائی حمزہؓ کو اعلانِ ایمان کی یُوں ترغیب دیں کہ قریش کے سامنے کُھلم کُھلا اعلان کر دے، اور خود بھی قریش کے رُوبرو وصاف لفظوں میں اعلان کریں کہ "ہم نے محمدؐ کو موسیٰؑ کی مانند نبی پایا"۔ اور وُہی ابُو طالبؑ قریش کے بار بار مطالبہ کرنے پر بھی حمایت رسُولؐ سے دست کش نہ ہوں، اور اسی حمایت اسلام کی وجہ سے شعب ابی طالبؑ میں محصور ہو کر فاقے کرنا گوارا کر لیں اور پھر بستر وفات پر بھی بنی ہاشمؑ کو تصدیقِ رسالتؐ اور اطاعت و اتباع پیغمبرؐ کی وصیت فرماتے ہوئے قریش کی پرواہ نہ کریں۔ پھر اُنہیں لوگوں کو خوف ہو، یہ ناممکن ہے لیکن افسوسناک امر تو یہ ہے کہ صحیح مُسلم میں حضرت عبداللہ (والدِ رسُولؐ) کے متعلق یہ روایت ہے:۔

عن انس ان رجُلاً قال یا رسُول اللہ این ابی قال فی النار قال فلما قفا الرجُلُ دعاہ فقال ان ابی وابا ک فی النار

ترجمہ:۔ انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پُوچھا یا رسُول اللہ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں جب وہ پیٹھ موڑ کر چلا تو آپ نے اُس کو بلایا اور فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔

(نعوذ باللہ من ذالک) یہ روایت صحیح مسلم مترجم مع نووی مطبوعہ مکتبہ سعودیہ کراچی جلد اول

ص ۴۰۹ میں ہے۔ باب کا عُنوان یہ ہے "جو شخص کفر پر مرے وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اس کی شفاعت نہ ہوگی۔ اور بزرگوں کی عزیز داری کچھ کام نہ آوے گی"۔ (نعوذ باللہ)

حق الحقائق

آئمہ اہلبیتؑ کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت آدمؑ سے حضرت عبداللہ اور حضرت ابو طالبؑ تک، رسُولِ خداؐ اور مولا علیؑ کے تمام آباؤ اجداد پاک ہیں۔ اور حضرت عبداللہؑ ابو طالبؑ دونوں مومن اور جنتی ہیں۔ خیال رہے کہ آزر حضرت خلیلؑ کا چچا تھا، والد نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد "تارخ" تھے۔ دیکھئے شمولِ اسلام مصنفہ علامہ احمد رضا خان بریلوی شائع کردہ نُوری کتُبخانہ بازار داتا صاحب لاہور۔

یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ حاملانِ نُورِ محمدیؐ (حضرت عبداللہ اور ابو طالبؑ) کو تو معاذ اللہ مومن تسلیم نہ کیا جائے اور یزید جیسے دُشمن اہلبیتؑ کو کو شرح فقہ اکبر مُلا علی قاری حنفی مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۸۸ میں "ایمان والا" تحریر کیا جائے، بھلا اس رویے کو محبت اہلبیتؑ پر مبنی کیونکر سمجھا جائے؟ ہمارے غیر شیعہ مُسلمان بھائیوں کو اس بات پر ہمدردی سے غور فرمانا چاہیے اور حضرت عبداللہ و ابو طالبؑ دونوں کو مومن اور جنتی تسلیم کرنا چاہیے تاکہ رسُولِ خدا کو اذیت دینے سے بچے رہیں۔ جب کہ مُفتی احمد یار خان صاحب بدایونی، مُفتی اہل سنتہ والجماعتہ، جامعہ غوثیہ گجرات اپنی کتاب تفسیر نعیمی جلد دوم ص ۱۰۶ سطر ۷ میں تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابُو طالب کے کُفر پر مرنے کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے۔ لہذا حضرت ابُو طالبؑ کے متعلق معاذ اللہ کلمہ نہ پڑھنے کی یا معاذ اللہ عذاب کی تمام روایات غیر یقینی ہیں جو دشمنانِ علیؑ کی وضع کردہ ہیں۔ حضرت ابو طالبؑ یقیناً مومن کامل و مُبلغ اسلام تھے۔ الحمد اللہ

رسم عزاداری و ماتم حسینؑ پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات اہلسنت و وہابی حضرات کی کتب سے:

موجودہ عزاداری کی شرعی حیثیت اور دلائل نقل کرنے سے پہلے شیعوں کے ماتم کرنے کی غرض اور شیعوں کے روکنے کی غرض اور فلسفہ ماتم حسینؑ باقوال علمائے اہل سنت عرض کیے دیتا ہوں۔ تاکہ اصل حقیقت منصۂ شہود پر آجائے اور لوگ دشمنانِ آلِ محمدؐ کے فریب سے بچ جائیں۔ کیونکہ وہ عزاداری کو مٹا کر آلِ محمدؐ کا مذہب مٹانا چاہتے ہیں۔

فلسفہ ماتم حسینؑ

بقول شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دھلویؒ

شاہ صاحب جن کی ذات پر اہل سنت کی چکی گھومتی ہے اپنی کتاب "سر الشہادتین" میں فرماتے ہیں کہ شہادت حسینؑ دراصل رسالتمآبؐ کی شہادت ہے۔ حسنینؑ ہمامین اس شہادت میں نائب مناب سرکار دو عالمؐ ہیں۔ چونکہ شہادت دو قسم کی ہوتی ہے سری اور اعلانیہ لہذا ہر دو شہزادوں پر تقسیم ہوگی۔ شبز قبا کو سری شہادت کا حصہ ملا اور شہزادہ سرخ پوش ذبیح نینوا شہادت علانیہ سے مخصوص ہوئے اور شہادت اعلانیہ کی بنیاد اعلان شہرت پر ہے۔ پہلے اس کا اعلان جبریل اور دیگر ملائکہ کی زبان سے نازل کیا گیا ہے۔ دوم تعیین مکان شہادت و زمانِ شہادت ہوئی۔ پھر جنگ صفین کے موقعہ پر امیر المومنینؑ کی زبان سے اعلان کرایا گیا۔ پھر بعد شہادت آسمان سے خون برسنا، مٹی کا خون ہونا، ہاتف غیبی کی آوازیں، جنات کی آہ و بکا، لاشوں پر شیروں اور درندوں کے پہرے قاتلوں کو ہولناک سزائیں، امور خالق عادت سب شہرت شہادت کے اسباب بنائے گئے تھے۔ دیکھو تحریر الشہادتین شرح سر الشہادتین

از صفحہ ۱۶ تا ۱۸، اس کے بعد اصل عبارت درج ہے۔ تا کہ موجودہ عزاداری اور شور وشیون آہ و بکاء جملہ اسباب شہرت کی وجہ سمجھ میں آجائے۔

من اسباب الشهره ليطلع الحاضرون والغائبون علىٰ وقوعها بابقاء البكاء والحزن المستمر و تذكر تلك الوقائع الهائلته فى امة الىٰ يوم القيامت بلغت نهائية الشهرة فى الملاء الاعلىٰ والا سفل والغيب والشهادة والجن والانس والنا طق والصامت۔ (تحریر الشہادتین) شرح اشتہادتین مع حامل المتن فارلیس ص ۲۰)

ترجمہ:۔ کہ یہ اسباب شہرت اس لیے قدرت نے پیدا کیے کہ حاضر اور غائب مطلع ہو جائیں۔ اس واقعہ کے وقوع پر بلکہ آہ و بکاء دائمی حزن و ماتم ان ہولناک واقعات کا ذکر قیامت تک جاری وساری رکھنا اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ عالم بالا عالم دُنیا جن وانس صامت و ناطق سب اس واقعہ کی شہرت سے مطلع ہو جائیں۔

لیجئے حضرات! ذکرِ حسینؑ، ماتم حسینؑ اور جلوس عزا کی اصل وجہ یہ ہے۔ اب فرمائیے کہ اسباب شہرت کون اختیار کر رہے ہیں اور ان کو مٹانے کے لئے کون کوشاں ہیں تا کہ دوست دشمن کی تمیز ہو جائے۔ جلوس کو روکنے والوں کی نیت معلوم ہو جائے۔ کیوں! جناب شاہ صاحب غلط سمجھتے ہیں یا آپ ہی نواصب کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کی منشاء شہادتِ حسینؑ کو شہرت دینا اور اس کا اعلان کرنا ہے اور شہرت مستلزم عظمت واہمیت واقعہ ہے۔ ہر شخص اپنے محبوب کا نوحہ وندبہ کرتا ہے کہ لوگ اس واقعہ کی عظمت کے قائل ہو کر شریک غم ہو جائیں۔

مفہوم ماتم بقول مولوی جامی علیہ الرحمتہ

جیسا کہ مولوی جامی اپنی مشہور کتاب شرح جامی ص ۱۰۱ البحث حکم المندوب میں فرماتے ہیں:۔

المندوب فی اللغة میت یبکی علیه احدویعد محاسنه لیعلم الناس ان موته امر عظیم لیعذدوه فی البکآء ویشارکوه فی التفجع۔

کہ مندوب جس کا ندبہ کیا جاتا ہے لُغت میں اُس مرحوم یا مقتول کو کہتے ہیں جس پر کوئی اس غرض سے روئے کہ لوگوں کو اس بات کا پتہ چل جائے کہ اس کی موت ایک امر عظیم ہے تاکہ رونے میں اس کو معذور سمجھیں بلکہ شریک غم ہو جائیں۔ یہ ہے اصل تعریف ندبہ۔ اب اگر یہ مطابق واقعہ ہو تو جائز اگر تکلف اور تصنع ہو تو حرام مثلاً میت کی موت امر عظیم نہ ہو۔ اس کے محاسن قابلِ اتباع اور حاملِ تقلید نہ ہو۔ اس کی ذات واجب الحبت نہ ہو۔ لوگوں کو شریک غم کرنا شرعاً منع ہو۔ ایسی جگہ یہ ندبہ منع ہوگا۔ مگر اب فرمایئے غریب الدیار کشتہ جورو جفا، مظلوم کربلا، فرزند رسولؐ، جگر گوشہ بتول کا بے رحمانہ قتل امر عظیم نہیں؟ کیا اس سانحہ جانکاہ اور عظمت حسینؑ کی لوگوں کو خبر دینا ضروری نہیں؟ تاکہ وہ شیعہ کو اس گریہ ماتم میں معذور سمجھیں بلکہ شریک غم ہو جائیں۔

اب فرمایئے شیعہ اپنے امام باڑوں میں روئیں یا جلوس بازاروں میں لائیں اور کوبکو پھرائیں تاکہ لوگوں کو اس امر عظیم کی عظمت معلوم ہو جائے آپ کے محاسن بذریعہ مراثی سُنیں اور شیعہ کو ماتم اور آہ وبکاء میں معذور رہیں، فلسفہ شہادت کو کو مٹانا چاہتے ہیں، عظمتِ حسینؑ کو گھٹانا چاہتے ہیں۔ مگر محبان شاہ تشنہ لب اس کو مٹنے نہ دیں گے۔ شیعو! تمہارا امام ھل من ناصرٍ کا استغاثہ کرتا ہوا دُنیا سے گیا ہے۔ اُٹھو! اور عزاداری مظلوم کو عام کرو۔ لوگوں کو اس امر عظیم سے آگاہ کرو۔ خود رو اور لوگوں کو شریک غم ہونگی

دعوت دو تا کہ مظلوم کی شہرت شہادت عالمگیر ہو جائے۔ اثر شہادت سے حقیقی اسلام زندہ ہو۔ ظلم مٹ کو قرآن زندہ ہو تمہاری نجات اسی میں ہے۔

اب علامہ ابن کثیر کی زبانی سنیئے کو شیعہ ماتم کیوں کرتے ہیں۔

غرض شیعہ از ماتم حسینؑ بقول علامہ ابن کثیر دمشقی شافعی سُنی

قد اسرف الروافض فی دولت نبی بویه وحدود الاربعمائة وماحولها وكانت الدبادب تضرب ببغداد و نحوهامن البلاد فی یوم عاشوراو یذر الرماد والتبن فی الطرقات والا سواق و تعلق المسوح علی الدكاكین و یظهر الناس الحزن والبكاء كثر منهم لایشرب الماء لیلتئذٍ موافقة للحسین لانه قتل عطمشاناً ثم تخرج النساء حامراتٍ عن وجوههن وینحن ویلطمن وجوههن وصدورهن حافیات فی الاسواق الی غیر ذالک من البدع الشنیعة والاهواء الفظیحة والهتائک المخترعة وانما یریدون بهذا واشباهه یشنعوا علی دولة بنی امیه لانه قتل فی دولتهم۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۰۲ جلد ششم مطبوعہ مصر)۔

کہ روافض نے حکومت بنی بویہ میں چار سو میل اور اس کے ماحول میں بڑا اسراف کیا۔ یوم عاشور بغداد اور باقی شہروں میں طبل بجائے جاتے تھے اور خاک اُڑائی جاتی تھی۔ راستوں اور بازاروں میں گھاس ڈالا جاتا تھا۔ دُکانوں میں ٹاٹ لگائے جاتے تھے۔ حُزن و بکاء ظاہر ہوتا تھا۔ بہت لوگ ان میں سے اس دن پانی نہیں پیتے تھے۔ تا کہ حسین علیہ السلام سے موافقت ہو جائے کیونکہ آپ پیاسے قتل

کیے گئے تھے۔ پھر عورتیں برہنہ سر باہر آتی تھیں، نوحہ اور ماتم کرتیں اور سینہ پیٹتی تھیں، ننگے پاؤں بازاروں میں چلتی تھیں وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے اور بھی بدعات شنیعہ اور خواہشات فضیحہ کرتے تھے۔ ان کی غرض اس دولت بنی اُمیہ پر طعن و تشنیع اور ان کے ظلم کا اظہار تھا۔ کیونکہ حسینؑ مظلوم ان کی دولت و حکومت میں بے گناہ مارے گئے تھے۔ آپ کو معلوم ہو گیا کہ شیعہ کا مقصد ماتم حسینؑ سے شہرت غم حسینؑ اور ظلم کے خلاف واویلا ہے۔ اب سوائے پرستاران یزید اس ماتم کو کون روک سکتا ہے۔ چنانچہ حُبداران بنی اُمیہ ماتم سے قطع نظر ذکر حسینؑ سے روکتے آئے ہیں۔

غرض نواصب منع

ذکر حُسینؑ و ماتم علیہ السلام

بقول غزالی ذکر حُسینؑ حرام اور موجب بغض صحابہ ہے

قال الغزالی وغیرہ ویحرم علی الواعظ وغیرہ روایة مقتل الحسنؑ والحسینؑ وحکایاته و ماجری بین الصحابة من التشاجرو التخاصم فانه یهیج علی بغض الصحابة والطعن فیهم۔

(صواعق محرقہ ص ۲۳۳ مطبوعہ مصر)۔

امام غزالی اور آمدی وغیرہ نے لکھا ہے کہ واعظ پر ذکر شہادت حسنؑ و حسینؑ حرام ہے اور اس کی حکایات کا بیان کرنا منع ہے اور جنگ صفین اور جنگ جمل وغیرہ کے جھگڑے جو مابین صحابہ ہوئے ان کا ذکر بھی منع ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں بغض صحابہ کو ہیجان میں لاتی ہیں۔ صواعق محرقہ کے اسی صفحہ پر اہل سُنت کے امام ہمام ابن صلاح جو اکابر آئمہ اور محدثین اہل سُنت ہیں۔ ان کا صاف فتویٰ درج ہے کہ:۔

اما سب یزید ولعنہ فلیس شان المومنین وان صح انہ قلتہ اوامر تقبلہ۔ کہ یزید کو سب کرنا اور لعنت کرنا مومنین کی شان نہیں۔ اگر چہ یہ بھی صحیح ہو جائے کہ یزید خود قاتل حُسینؑ ہے یا اس نے ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اصل سُنت تو یہ ہوئی۔

بقول مولوی رشید احمد گنگوہی صحیح ذکرِ حُسینؑ بھی حرام ہے

بعض حضرات اس قول کی تاویل کیا کرتے ہیں کہ یہ ان روایات کی نسبت فتویٰ ہے جو غلط ہوں۔ اگر صحیح روایات سے پڑھا جائے تو ثواب ہے حرام نہیں۔ مگر دیوبندیوں کے پیر و مُرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی دیوبندیوں کے قطب الاقطاب نے اس تاویل کی جڑ نکال دی ہے۔ چنانچہ دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ ص ۱۱۳، "محرم میں ذکرِ حُسینؑ کرنا اگر چہ بروایات صحیحہ ہو تشبیہ روافض کی وجہ سے حرام ہے"۔ (فقط رشید احمد)

یوم عاشورہ عمل نواصب برعکس شیعہ بقول ابن کثیر دمشقی ملاحظہ فرمائیے

وقد عاکس الرافضة والشیعة یوم عاشورا والنواصب من اھل الشام فکانوا الیٰ یوم عاشورا یطبخون الحبوب و یغتسلون ویتطیبون ویلبسون افخر ثیابھم ویتخذون ذالک الیوم عیداً یصنعون فیہ انواع الاطعمة ویظھرون السرور و الفرح یریدون بزالک عناد الروافض۔ (البدایہ النھایہ ص ۲۰۲ جلد ہشتم)۔

کہ شیعہ کے بر خلاف ناصبی لوگ اہل شام یوم عاشورہ خوشی کرتے تھے۔ کھاتے پکاتے، غلس کرتے، خوشبو استعمال کرتے لباس فاخرہ پہنتے گویا اس دن کو عید مناتے، قسم قسم کے کھانے پکاتے، فرح وسُرور ظاہر کرتے، یہ سب کچھ شیعہ کی ضد میں کرتے تھے۔

حضرات! ہم نے فلسفہ ماتم غرض ماتم شیعہ اور نواصب کے اعمال آپ کے سامنے کُتب اہل سُنت سے جُدا جُدا لکھ دیئے ہیں۔

اب غور کریں کہ عزاداری کرنے والوں کی کیا غرض ہے اور مٹانے والوں کی کیا۔

قرآن خوانی کے بہانے ذکر حسینؑ کو رکنا بھی مکر یزید ہے

فلما سمع یزید ذالک استعمل لھم اجزاء القرآن وفرقھانی المسجد فکانوا اذا فرعوا من الصلوٰۃ وضعوھا بین ایدیھم یشتغلو ابھا عن ذکر الحسین فلم یشغلھم عن ذکرھم۔ (مقتل ابی مخنف ص ۱۳۸)۔

جب یزید کو معلوم ہوا کہ مساجد میں بعد نماز لوگ تذکرہ حسینؑ کرتے ہیں تو اس نے قرآن پاک کے پارے بنوائے اور مساجد میں تقسیم کر دیا کہ جب لوگ نماز سے فارغ ہوں تو ان کے سامنے فوراً یہ پارے رکھیں تا کہ لوگ ان میں مشغول ہو جائیں اور ذکر حسینؑ بھول جائیں۔ مگر ان کو ذکر حسین سے کوئی چیز نہ روک سکی۔ آخر یزید اہلبیتؑ کی رہائی کے لئے مجبور ہوا اور اپنی بریت کرنے لگا۔ آج بھی

دعوتی لوگ یہی تجویز سوچ رہے ہیں اور یہی حیلے بنا رہے ہیں تا کہ لوگ ذکر حسینؑ سے رُک جائیں اور حقیقت نہ کھلے۔ خلاف عزاداری و او یلا کی اصل حقیقت یہ ہے۔ اختلاف مسائل تو ایک بہانہ ہے مگر اس بہانہ کی حقیقت بھی آپ کے سامنے رکھ دیں گے کہ یہ بھی کمزور اور تار عنکبوت ہے اور عزائے امام مظلوم ہزارہا دلائل سے ثابت ہے جیسا کہ مشتے نمونہ از خروارے بھی عرض ہو رہا ہے۔ وجودہ عزاداری بہیت کذائیہ موجودہ عزاداری بہیت کذائیہ کا تعلق فقہ سے ہے نہ کلام سے اور فقہی احکام کے ارکانِ اربعہ کتاب و سُنت اجماع اور قیاس مستنبط ہیں۔ دیکھو (التوضیح والتلویح ص ۱۷، نورالابصار ص ۱۷، حسامی ص ۲، اصول الشاشی ص ۱)۔

پس ہمارا دعویٰ ہے کہ موجودہ عزاداری بہیت کذائیہ مجموعہ ہے چند اُمور کا جس میں بعض چیزیں اور بعض سُنت اور مستحب ہیں اور بعض مباح اور بعض جائز موجب ثواب کے درجہ میں داخل ہیں۔ کتاب و سُنت سے بعبارۃ النص اور دلالت النص، اقتضاء النص اجماع اور قیاس صحیحہ شرعیہ سے سب کا ثبوت موجود ہے یعنی ادلہ اربع شرعیہ سے مسئلہ عزاداری ثابت ہے جس کی تفصیل آئندہ انشاء اللہ آ رہی ہے۔ اب نمبر دار جوابات سُنیئے:۔

سوال معترض

کہ کیا موجود طور پر اسم عزادار بہیت کذائیہ بایں طرز و طریق مذہبی حیثیت سے فرض ہے یا سُنت ہے یا مستجب ہے یا بدعت؟

الجواب

مجموعی طور پر من حیث الکل عزاداری کو فرض یا سُنت کہنا یا ثبوت مانگنا مسائل شرعیہ بلکہ اُصول

1188

1189

کہ میں نے زنا نہیں کیا اور مدینہ میں مسئلہ اگر شہادت پوری نہ ہوئی [illegible] سے زنا کیا
ورنہ [illegible] تو حد زنا کی [illegible] اور باندی کی نسبت زنا کا [illegible]
مسئلہ اگر بادشاہ نے عورت [illegible] کیا یا کسی کا مال لیا تو بادشاہ [illegible] پکڑا جائے گا
اور اگر ایسا کام کیا کہ حد واجب ہو تو اس سے مواخذہ نہ کریں باب الشہادۃ
علی الزنا والرجوع عنہا یعنی زنا کے مقدمہ میں گواہوں کے گواہی دینے اور
پھر جانیکا بیان مسئلہ اگر چوری یا زنا یا شراب پینے کے مقدمہ میں [illegible]
گواہوں نے [illegible] کے بعد گواہی دی تو [illegible]
چوری کے مقدمہ میں [illegible] مسئلہ اگر [illegible] کے مقدمہ میں
[illegible] کے بعد گواہوں نے گواہی دی تھی تو بھی حد [illegible] کی
مسئلہ اگر گواہوں نے [illegible] ثابت کر دیا [illegible]
[illegible] اور اگر گواہوں نے [illegible]
[illegible] مسئلہ اگر [illegible]
[illegible] ایک عورت سے زنا کیا [illegible]
اور اگر گواہوں نے گواہی دی کہ [illegible] ایک عورت سے زنا کیا
[illegible] مسئلہ اگر دو گواہوں نے گواہی
[illegible] سے زنا کیا اور دو گواہوں نے گواہی دی
[illegible] مسئلہ اگر دو گواہوں نے [illegible]

والذی فطرنا فاقض ما انت قاض

[illegible]

فتاوی قاضی خان

[illegible]

شوہردار عورت سے زنا پر کوئی حد نہیں ہے

کتاب الحدود

[illegible]



ما جاء في نكاح المتعة ونسخه والنهي عن نكاح المحرم ونكاح الشغار ٣٠٩

أبو داود قال حدثنا شعبة عن مسلم القرّي قال ﴿دخلنا على أسماء بنت أبي بكر﴾ فسألناها عن متعة النساء، فقالت فعلناها على عهد رسول الله ﷺ ١٠٧٣
حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبة عن عمرو بن دينار قال سمعت الحسن بن محمد يحدث ﴿عن جابر بن عبد الله وسلمة بن الأكوع﴾ ١٠٧٤
قالا خرج علينا منادي رسول الله ﷺ فنادى أن رسول الله ﷺ قد أذن لكم فاستمتعوا يعني متعة النساء من ٥١ ج وأخرج مسلم. أحمد حدثنا أبو داود قال حدثنا سفيان بن عيينة وعبد العزيز بن أبي سلمة الماجشون والزهري
يقول حدثني الحسن وعبد الله ابنا محمد بن الحنفية عن أبيهما ﴿أن عليًا﴾ ١٠٧٥
رضي الله عنه قال لرجل يفتي في المتعة انظر ماذا تفتي فأشهد أن رسول الله ﷺ نهى عن نكاح المتعة وعن لحوم الحمر الأهلية حدثنا أبو داود
قال حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت أبا نضرة يقول ﴿قلت لجابر بن عبد الله﴾ إن ابن الزبير ينهى عن المتعة وإن ابن عباس يأمر بها، قال جابر على ١٠٧٦
يدي دار الحديث، تمتعنا على عهد رسول الله ﷺ فلما كان عمر بن الخطاب قال إن الله عز وجل كان يحل لنبيه ما شاء وإن القرآن نزل منازله فأتموا
الحج والعمرة لله كما أمركم وأبتوا نكاح هذه النساء فلا أوتى برجل تزوج امرأة إلى أجل إلا رجمته حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا يونس بن محمد قال ثنا عبد
الواحد بن زياد قال ثنا أبو عميس عن إياس بن سلمة بن الأكوع عن ١٠٧٧
أبيه ﴿قال رخص رسول الله ﷺ في متعة النساء عام أوطاس ثلاثة أيام
ثم نهى عنها من ٥١ ج وأخرج مسلم. أحمد ﴿باب النهي عن نكاح المحرم وخطبته وعن نكاح الشغار﴾ حدثنا أبو داود قال حدثنا ابن أبي ذئب
عن نافع عن نبيه بن وهب ﴿عن أبان بن عثمان عن أبيه﴾ أن رسول الله ١٠٧٨
ﷺ قال لا ينكح المحرم ولا يخطب حدثنا أبو داود قال حدثنا شعبة عن أبي
قزعة عن الحسن وحماد بن سلمة عن حميد عن الحسن ﴿عن عمران بن ١٠٧٩
حصين﴾ قال أبو داود ولا أحفظه عن شعبة مرفوعًا قال لا جلب ولا
جنب ولا شغار في الإسلام حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا يعقوب وسعد

منحة المعبود

في ترتيب

مسند الطيالسي أبي داود

ويليه

بالتعليق المحمود على منحة المعبود

كلاهما تأليف

[illegible]

أحمد عبد الرحمن البنا

الشهير بالساعاتي

صاحب كتاب الفتح الرباني [illegible]

[illegible]

الجزء الأول

[illegible]

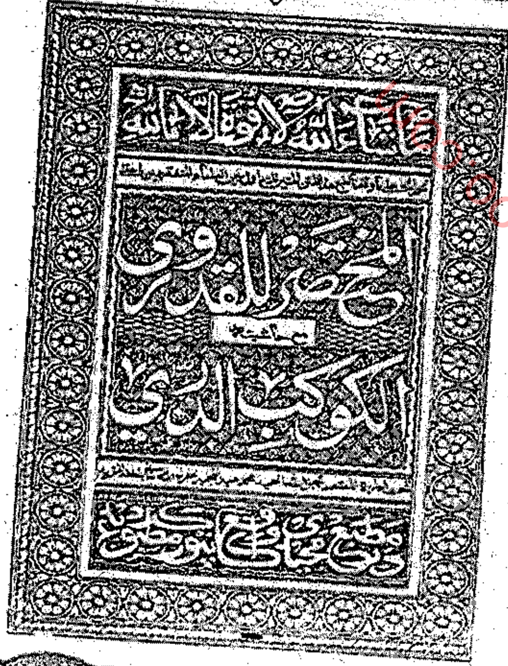
الطبعة الأولى [illegible]

الطبعة الثانية [illegible]

الناشر

المكتبة الإسلامية . بيروت

[illegible]



ماں، بہن، بیٹی اور خالہ سے بعد از نکاح زنا کرنے پر کوئی شرعی حد نہیں ہے

السلام علیک یا مہدی صاحب الزمان العجل العجل العجل

السلام علیک یا مهدی صاحب الزمان العجل العجل

مُسند الإمام أحمد بن حنبل

وبهامشه

منتخب كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال

المجلد السادس

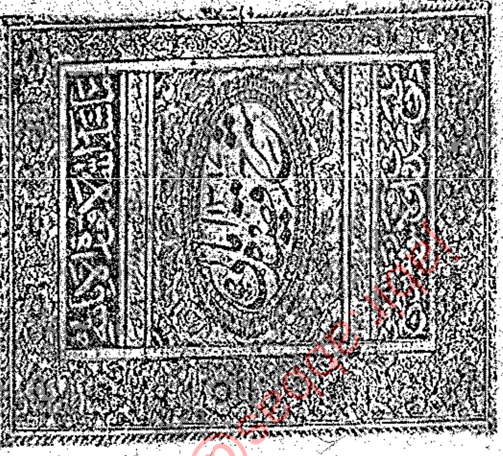
دار صادر
بيروت

آیت رجم موجودہ قرآن میں نہیں ہے

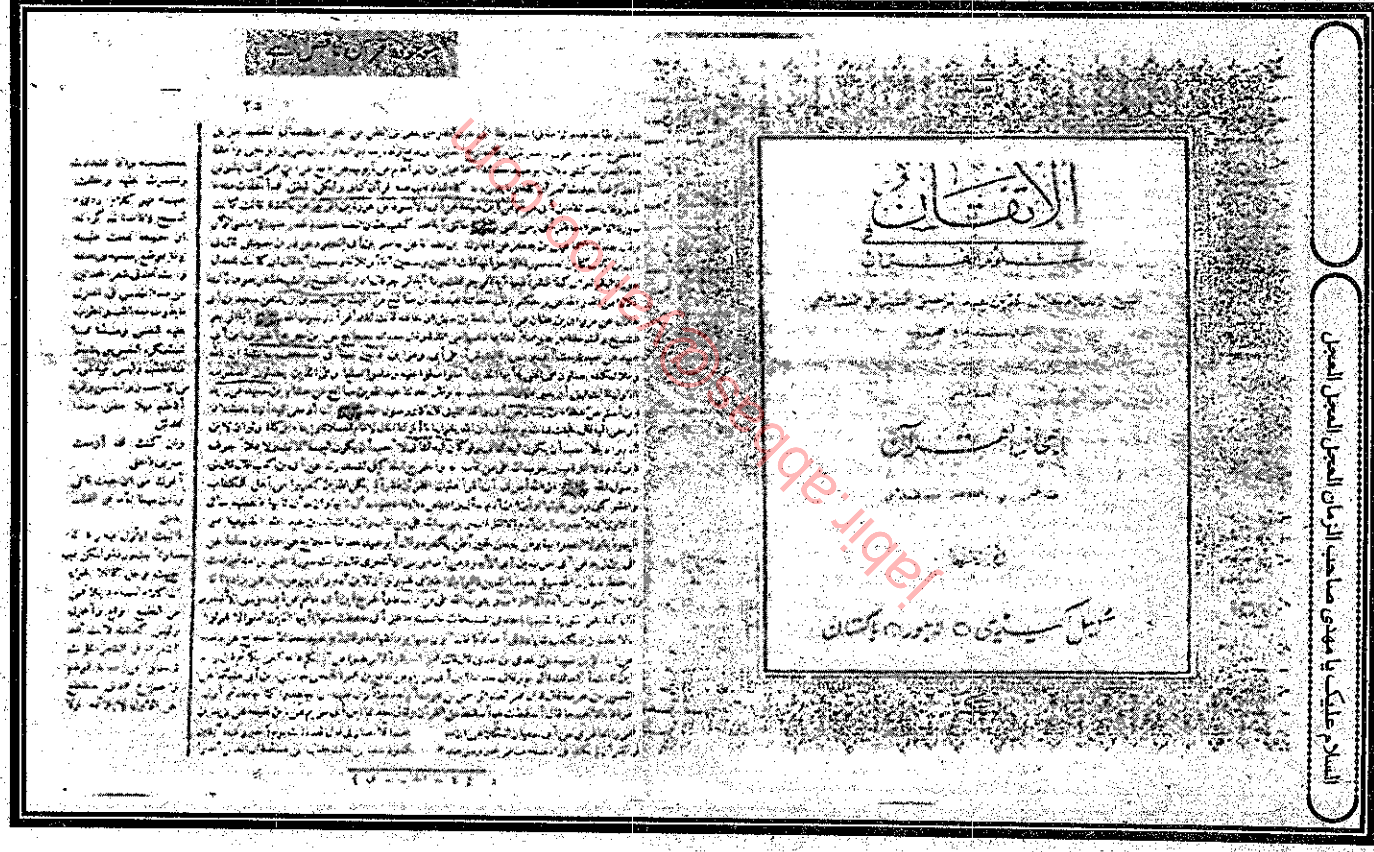
(٢٦٩)

[illegible]

السلام علیک یا مهدی صاحب الزمان العجل العجل العجل







السلام علیک یا مهدی صاحب الزمان العجل العجل

الاتقان

سہیل اکیڈمی ۰ لاہور ۰ پاکستان

۴۹

الامداد

ماہ صفر المظفر ۱۳۳۶ ہجری

از مطبع امداد المطابع حضرت تھانہ بھون حلیہ طبع پوشید

[illegible]

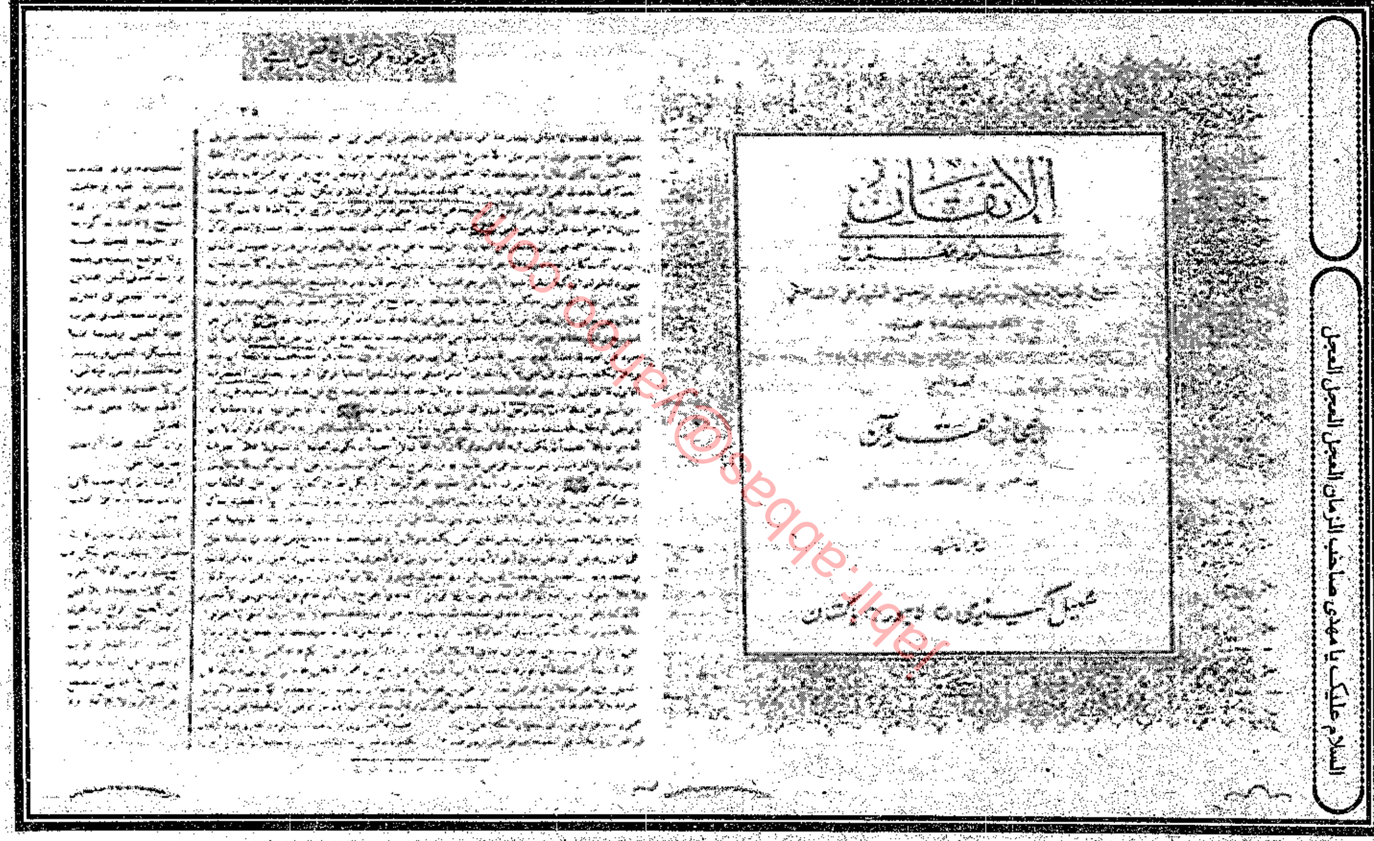
وہ مرید جس کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ ہے

سو گیا کچھ عرصہ کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ حضور کا نام لیتا ہوں اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف کے پڑھنے میں اس کو صحیح پڑھنا چاہیے اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جاوے لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے دو تین بار جب یہی صورت ہوئی تو حضور کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں اور بھی چند شخص حضور کے پاس تھے لیکن اتنے میں میری یہ حالت ہو گئی کہ میں کھڑا کھڑا بوجہ اس کے کہ رقت طاری ہو گئی زمین پر گر گیا اور نہایت زور کے ساتھ ایک چیخ ماری اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ میرے اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی اور وہ اثر ناطاقتی بدستور تھا لیکن حالت خواب اور بیداری میں حضور کا ہی خیال تھا لیکن حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جاوے اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جاوے بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں اللھم صل علی سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی حالانکہ اب بیدار ہوں خواب نہیں لیکن بے اختیار ہوں مجبور ہوں زبان اپنے قابو میں نہیں اس روز ایسا ہی کچھ خیال رہا تو دوسرے روز بیداری میں رقت رہی خوب رویا اور بھی بہت سے وجوہات ہیں جو حضور کے ساتھ باعث محبت ہیں کہاں تک عرض کروں۔

جواب: اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔

سوال: جناب [illegible] ہونا [illegible] حضرت [illegible] ۔۔۔۔

[illegible]


الاتقان

تاريخ الخلفاء

تأليف

الإمام الحافظ جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي

المتوفى في عام ٩١١ من الهجرة

[وبهامشه ...]

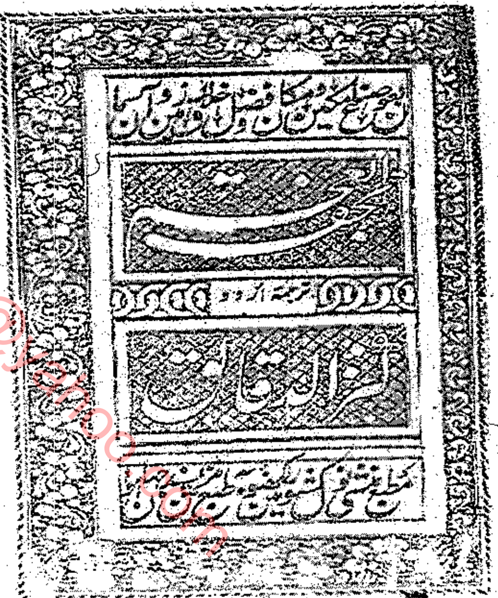
الناشر

[illegible]

[illegible]

فصل في نبذ من أخبار الرشيد رضي الله عنه

[illegible]



اجرت دے کر زنا کیا تو حد نہیں ہے

اگر کسی [illegible] حلال [illegible] بیٹے [illegible] تین طلاق کی عدت والی عورت [illegible] باپ کی
[illegible] یا اپنے بیٹے کی باندی کے ساتھ زنا کیا تو حد نہیں
[illegible] وجہ [illegible] اس زانی کی [illegible] مسئلہ اگر اپنے بھائی یا چچا کی باندی
کے ساتھ صحبت کی تو اس پر حد جاری ہوگی اگرچہ حلال جان کر کی ہو مسئلہ اگر [illegible]
ایک عورت کو [illegible] چڑھایا اور اس سے صحبت کی تو حد لگے گی اگر
زید کا نکاح زبیدہ سے ہوا اور [illegible] سے ہندہ زید کے پاس پہونچائی
اور کہا یہی تیری جورو ہے [illegible] اس ہندہ سے صحبت کی تو حد نہیں مگر مہر
دینا ہوگا مسئلہ اگر اپنی محرم عورت سے نکاح کیا اور صحبت کی یا اجنبی عورت سے
[illegible] کے سوا اور جگہ [illegible] کام نکالا یا کسی کے ساتھ لواطت کی یا کسی چوپائے
کے ساتھ حرکت کی یا دار الحرب میں یا باغیوں کے ملک میں زنا کیا تو حد
نہیں آتی مسئلہ اگر کافر [illegible] ان کے ملک میں آیا اور [illegible]
عورت سے [illegible] زنا کیا تو اس [illegible] نہیں مسئلہ اگر نابالغ لڑکے نے
[illegible] اجنبی عورت سے زنا کیا تو حد نہیں [illegible] اگر بالغ [illegible]
نابالغ یا [illegible] لڑکی [illegible] سے زنا کیا تو [illegible] مسئلہ اگر اجرت [illegible]
[illegible] تو حد نہیں مسئلہ جس کے ساتھ زبردستی زنا کیا [illegible] مسئلہ اگر
[illegible] ہندہ کے ساتھ زنا کیا اور ہندہ [illegible]

السلام علیک یا مہدی صاحب الزمان العجل العجل العجل

حضرت علی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تاریخ اور سیاست کی روشنی میں

مصر کے مشہور نقاد اور نامور محقق

ڈاکٹر طہٰ حسین

کے قلم سے

اردو ترجمہ

علامہ عبدالحمید نعمانی

نفیس اکیڈمی

572

573